



انساب

میں اپنے شب و روز کے اسے دقیقہ دے، عرق ریزی
اور کاوشوں کے نتیجے کو اپنے چہیتے بیٹے سیدہ قُرۃ العین حیدر
زیدی کے نام سے منسوب کرتا ہوں :

• احقر الکونین •

سیدہ امینہ عمرانیہ کی تعلیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں کہ میں کہ میں دامن

سید احسن عثمانی

یہ وہ مظلوم محاورہ ہے جو اپنے آفرینش سے لے کر آج تک شعری دادیں شخصیات، مجزوء انکساری کے منقذات میں اسٹاک کر رہے ہیں۔ مظلوم میں اسے اسے لئے کہتا ہوں کہ کثرت کے ساتھ نامور شاعر، ممتاز ادیب اور منفرد دانشور اپنے مانے تقریظانے یا تقریظاتی انداز کے عنوانات میں ایک دوسرے کے دیکھا دیکھے اپنے ناجزی اور انکساری کا اظہار رسماً اسے محاورے سے کرتے آ رہے ہیں اور یہ مظلوم محاورہ یہاں فریاد کائنات چلا آ رہا ہے کہ خدا کے لئے میرا پیچھا پیو دو۔

مجھے مزید اپنے مجزوء انکساری کے جھپٹے نہ چڑھاؤ، مگر صاحب! اس کے یہ صدا صدا بدھرا ثابت ہوئے ہے۔ الحمد للہ کہ آج میں محاورہ ”میں کہ میں کہ میں دامن“ میری عرض گذشتہ کا جلی عنوان ہے۔ اور اگر میں یہاں یہ کہہ دوں تو یہی ہوگا کہ حق بہ عقدا رسید!

حقیقت امر یہ ہے کہ صدیوں کے تلاش کے بعد اس محاورے کو اپنا ملزوم بصورتِ اسے عراقی مل ہے۔ انشائیہ آج سے یہ محاورہ لازماً اپنے خردم اسے عراقی کے ساتھ بیچنا چاہئے گا۔ مان تو صاحب اسے میری خوش قسمتی کہ لیکن یا محض اتفاقی کا نام دیجئے، یہ آپ کے اہل پر چھوڑتا ہوں۔ جہاں تک میری صحت کا تعلق ہے میں شدت کے ساتھ خود میں مذلت محسوس کرتا ہوں کہ اقبال علیہ رحمۃ کا کلام بلاغتِ نظام، اور وہ بھی ”خرد و آل“ کے شان میں اور ستم خیز ہے یہ کہ مجھ ایسے کم علم سے اصحاب کا سلسلے اسرار اتنے بھائے کے دل خواہش کہ میں ہے اسے مونس پر کام کر دوں اور میرا بہتے کا یہ شعر ستراد

خیال خاطر اجاب چاہیے مردم
انہی تھیں دلگے جئے آگینوں کو

ابے جاؤں تو جاؤں کہاں، بہر کیف یہ ذمہ داری برائے خوشنود میں اجاب اپنے سرے تو لے، مگر اپنے کم علمی کا احساس دامن نہ کرے۔ لیکن اللہ کا راز ہے، اس نے علامہ سہیل بناری سے غلطی اور ڈاکٹر عسکری بنے احمد کو میرے لئے سہارا بنادیا۔ انے بزرگوں کے بروقت حوصلہ افزائی، میرے کام آئے اور قدم قدم پر ان کے رہنمائی نے مشکل راہ کا کام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انے بزرگوں کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو میں کبھی یہ کام نہ کر پاتا۔

میں اپنے انے محنتیں کا بھی بہتے بہتے شکر گزار ہوں جنہوں نے کتابوں کے سلسلہ میں، میرے اعانت فرمائے۔ یعنی مجھے میرے موضوعات متعلق کتابیں فراہم کیں۔ اس میں سرفہرست برادر مہربان سید جمیل احمد رضوی، ایم اے (عربی)، ایم بی لاہوری، سائنس، اسٹڈنٹ لاہورینے پنجاب یونیورسٹی کے ذاتی گرامی آئے ہیں جنہوں نے مجھے یونیورسٹی لاہور سے اقبال پر بہت سے مقالے اور کتابیں بھیجی ہیں۔ دوسرے ڈاکٹر عسکری بنے احمد میں جنہوں نے اپنے والد المرحوم علامہ الحاج مرزا احمد کے (امرتسرہ)، اعلیٰ الاثر کے لاہوری سے مجھے بروقت استفادہ کرنے کے اجازت مرحمت فرمائے۔ اور اس سلسلہ کے آخری کڑی حکیم اطاعت حسین زیدی میں جنہوں نے اپنے ذاتی لاہوری سے کچھ کتابیں دیں۔ ان کے لاہوری دیکھ کر ان کے مذہبی جنوں اور شوق کا پتہ چلتا ہے۔

آخر میں میں اپنے انے اجاب اور بزرگوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے کتاب اقبال و دیج محمد وآلے محمد کا مسودہ پڑھا اور از خود اس پر اپنے خیال کا اظہار فرمایا، یا میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی رائے قائم کریں۔ میرے اس درخواست کو شرف قبولیت عطا فرماتے والوں میں جناب ڈاکٹر مسعود رضا خاں ایم اے، ایچ ڈی جہان سکریٹری حلقہ شعراء اہلبیت، شاعر حسینیت حضرت قیصر ماریوی اور برادر مہربان سید جمیل احمد رضوی ایم اے، اسٹڈنٹ لاہورینے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اسماء گرامی سرفہرست آتے ہیں۔ علاوہ انہیں اجاب کا بھی میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے نظم یا نثر میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ ان میں جناب سید فہرید رجا ریوی مظلہ، ان کے ذاتی گرامی پیش کیے جاسکتے ہیں جنہوں نے اپنے فون کو بروئے کار لا کر ان کے اشاعت پر قطع تاریخ لکھ کر اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ فرمایا ہے۔

خاکپائے اہل ادب

سید احسن عمرانی کیتھلی

سید افضل حسین زیدی
ٹرینیٹ یونیورسٹی، کینیڈا

کچھ عمرانی صاحب کبار میں

برادر بزرگ سید اقبال حسین نے زیدی حسن عمرانی صاحب مدظلہ العالی کے احسن تصنیف ”اقبال در مدح محمد وآلہ محمد“ ضیاء بخش فکرو نظر ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑھنے بات کے ہوا کچھ نہیں لیکن جناب بھائی صاحب قبلہ کے ارشاد کے تعمیل میں کچھ کہنا بھی ضروری ہے۔ اسے لے کر یمن کرام کے دلچسپ کیلئے منصف موصوف کے ابتدائی رجحانات اور ادبی مذاق مختصر الفاظ میں پیش کرنے کے کوشش ہے محلہ نہ ہوگے۔

جناب احسن عمرانی صاحب صوبہ پنجاب ضلع کرناٹک تحصیل کیتھل میں ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ کیتھل تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ مہاراجت کے زمانے سے پہلے بھی آباد تھا۔ اور ہندو تہذیب کا گہوارہ نیز علم و ادب کا مرکز تھا۔ مہاراجت کے بعد راناٹھ کا دور شروع ہوا۔ راناٹھ کا مشہور کردار ہنومان نے بھی کیتھل میں پیدا ہوا تھا۔

کیتھل میں مسلمانوں کے آمد سلطان شہاب الدین کے ہندوستان پر پہلے حملے کے دوران ۱۱۹۱ء میں ہوئے۔ دوسرا حملہ ۱۱۹۲ء میں ہوا۔ دہلی اور اجمیر پر قبضہ ہو جانے کے نتیجے میں مسلمان ہندوؤں کے مقدس شہر کیتھل میں داخل ہو گئے۔ بزرگان دین کے تبلیغی معرے و برکات سے کیتھل ”کیتھل شریف“ اور اسلامی ادب کا مرکز ہو گیا

ہمارے شجرہ نسب کے مطابق حضرت زید شہید ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اولاد سے حضرت جمال الدین و کمال الدین زید بن الرزذلی علیہم الرحمۃ ۱۱۹۳ء میں سلطان شہاب الدین کے ہمراہ شریف لائے۔ ابکا نالاب کے فضا تبلیغ الدین کے لئے منتخب فرما کر حضرت کمال الدین زید بن الرزذلی

اقامت پذیر ہوئے۔ آنجناب کا مزار بھی اس کے تالاب کے کنارے واقع ہے۔ حضرت حسینؑ نے زید کے التزم کے علیہ الرحمہ بھی شجرہ نسب میں بسلسلہ حضرت جمال الدین زید کے التزم کے ہمارے بزرگ ہیں آپ میر حجازی کے نام سے مشہور ہیں۔ ہمارے پردادا سید علی حسین زید صاحب رسالہ دار کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۴۲-۴۳ میں راجہ اودے سنگھ کے دفاتر کے خبر سن کر انگریزوں کے انبالہ چھاؤنی سے کرائے کے کلارک نے "میجر کریٹ" کی سرکردگی میں ایک شکرتیار کے کیتھول پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا جس میں ہمارے پردادا سید حسین علی صاحب رسالہ دار تھے۔ سید صاحب موصوف نے لشکر کو شہر کے باہر ٹھہرایا اور خود تنہا شہر میں داخل ہوئے۔ شہر لوگوں سے گفت و شنید کے بعد انگریزوں کا قبضہ شہر پر کرا دیا۔ یہ ایکے کا زمانہ تھا۔ حکومت خوش ہوئے اور کیتھول کے قریب ہی ایک گاؤں انعام میں دینے کے پیشکش کے لیکن سید صاحب نے قبول نہ فرمایا یہ کہتے ہوئے کہ "میں تو باہر فوج کے کانے پر رہوں گا اور میری عدم موجودگی میں تحصیل کے چراسی میری ہوٹیوں کو مالیانہ کے ادائیگی کے سلسلہ میں دھمکائیں گے؟ یہ واقعہ سید صاحب کے فطری استغنا اور خود داری پر روشنی ڈالتا ہے۔

کیتھول ہمیشہ براہ راست دہلی کے ماتحت رہا جس کے وجہ سے اردو ادب کو غیر نانی فروغ حاصل ہوا۔ البتہ سکھوں کے چند سالہ حکومت کے مداخلت زبان پر اثر انداز ہوئے۔ — احسن عمرانی صاحب اسی کیتھول کے سادات خاندان کے ایک فرد ہونیکا شرف رکھتے ہیں۔ اور خاندانی روایات کے پیروی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔ عمرانی صاحب کا ذہنی رجحان بچپن ہی سے ادب کے جانب رہا۔ موصوف طالب علمی کے ابتدائی دور میں سے بزم ادب کے انعقاد، شعر کہنے اور پڑھنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے آ رہے ہیں۔ اسکول میں اساتذہ کرام کے حوصلہ افزائی ان کے کام آئے۔ اسکول کے جانب سے انعام میں کتابیں بھی پائیں۔ علامہ اقبال کے ہانگہ درانے رفتار شوق تیز کردی۔ دسویں جماعت کے طالب علمی کے عمر ہے میں ادب کے کتابوں کا قابل ذکر ذخیرہ ہو گیا۔ والدین تعلیم کے طرف توجہ کے کوششوں میں محو اور عمرانی — علامہ اقبال کے ادب کے چاشنی سے مہرہ ایک کیفہ نامنظر پیش کر رہا تھا۔ عمرانی — کو جب چھیڑ دیا، علامہ کا ذکر اشار کے تشریح نظریات پر بحث، صبح شام ہو گئی، بحث نامتام رہی۔

ان تمام کیفیات کا جائزہ لینے کے بعد میں یہ رائے قائم کر سکتا ہوں کہ برادر محترم عمرانی صاحب مدظلہ اگر اپنے تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا مظاہرہ کرنا چاہیں تو زیر نظر کتاب "اقبال در مدح محمد آل محمد" کی صورت میں کر سکتے ہیں

قارئین کرام کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ عمرانی نے جنے کا دشواری کا مظاہرہ اپنی تحریر میں فرمایا ہے وہ میری

توقعات اور مشاہدات کے عین مطابقت ہیں۔ عظیم کردار کے سلسلے بھی عظیم ہوتے ہیں۔ امید کریں کہ دینی اور
دنوی کامیابیوں کا باعث قرار پائے گی۔

سید افضال حسین زیدی

جناب ڈاکٹر مسعود رضا خاکی

ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی

پروفیسر گورنمنٹ کالج — لاہور

احسن عمرانی اور ان کی نثر نگاری

”اقبال درمدج محمد و آل محمد“ کی روشنی میں

احسن عمرانی سے میرے ملاقات مجاہد مجلس مرتبہ خوانہ میں ہوئے اور میں انہیں ایک باذوق صالح کی حیثیت سے پہچاننے لگا۔ پھر مقاصدہ اور مسائل میں ان کے کچھ جوہر کھلے۔ ان کے شعر بھی اور باریکے بینی کے ساتھ ناقضانہ گرفت کے کچھ پیو میرے سامنے آئے !

”معارف اسلام“ کے مطالعہ نے احسن عمرانی کے ادارتی اور تمدنی مساجد سے روشناس کرایا۔ ان کے انتخاب اور احتساب کا طریقہ کار معلوم ہوا۔

رُوبر و گفتگو کے مواقع طے تو یہ معلوم ہوا کہ ادبی فنون کو مذہبی جنون کے ساتھ ہم آہنگ کریں تو احسن عمرانی کے فکرے خدو خال واضح ہو جائیں گے۔

تحدیر ہو یا تقریر، فکر ہو یا نظر، گفتگو ہو یا جستجو احسن عمرانی کو ہر زاویے سے دین کے ساتھ وابستہ ہے دیکھا۔ اس وابستگی کا سبب ان کے خاندان کے قدیم روایات، اصناف کے شرافت فیس اور ان کے اجداد کے خدمات مذہبی میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

احسن عمرانی کے پردہ سے جسے ماحول میں ہوئے اور جسے اندازہ میں ہوئے وہ دین کے کا ذوق پیدا کرنے میں محدود معادلات ثابت ہوا۔ اس کو حالات کے سازگار کہ لیجئے یا تائید غفادی کہ ادبی بے راہ روی کے گرداب میں پڑنے کے بجائے وہ اپنی فکر کو زمانہ شباب ہی میں دینی صداقتوں کے سفینے کے ساتھ وابستہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ایسے معادلاتے بزرگ باذوقیت

تائید بخشد خدائے بخشندہ !!

تعلیم و تربیت کے تفصیل معلوم کرنے کے لیے کبھی فردیت ہی محسوس نہیں کیونکہ :-

تأمر سخن گفتہ باشد،

عیب دہرش نہفتہ باشد

جب بھی احسن عمرانی سے تحریر یا تقریر رابطہ قائم ہوا میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ایک جاگتے ہوئے ذہن کے پڑھے لکھے آدمی سے ہمکلام ہوں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے بعض اشارات اور استفسارات نے اکثر سوچے پر غور کر دیا اور یہ احساس ہونے لگا کہ احسن عمرانی کوئی عام فرد نہیں بلکہ اس میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو عام لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ مثلاً اچھے برے، کھوٹے اور کھرے کے تیز کے ساتھ انہماک حقیقت کے جوأتے ہر ایک میں نہیں ہوا کرتے بلکہ بعض خواص ہیں اس جرات سے محروم ہوتے ہیں۔

احسن عمرانی کو بعض لوگ نکتہ چیں بھی کہتے ہیں کیونکہ نظم و نثر کے کوئی بھی صنف برادر احسن عمرانی سامع ہو یا قاری صاحب قلم نہ جہاں بھی کوئی پلو کز در چھوڑا ہے، احسن عمرانی کے نگاہ وہیں مرکوز ہو کر رہ گئے ہے اور یہ ان کے ایک اضافی خصوصیت ہے کہ بات جب تک صاف نہیں ہو جاتی وہ اُگے بڑھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ یہ صلاحیت وسعت مطالعہ، بیداری ذہن اور گہرے فکر و فہم سے پیدا ہوتی ہے۔ یا پھر خدا داد ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ میں انہیں نکتہ چیں کہنے والوں سے اختلاف کرتے ہوئے، احسن عمرانی کو نکتہ میں اور نکتہ رس کہتا ہوں۔ اور ان کے سامنے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

احسن عمرانی جس کام کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اسے تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ دھن کے کپے بھی ہیں اور بات کے پتے بھی۔ ان کے شوق اور لگن کو دیکھ کر حصول مقصد کے سلسلے میں عشت کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً ان کے تالیف ”اقبال در مدح محمد وآل محمد“ اس جذبہ شوق کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

جب یہ کتاب میرے سامنے آئی تو احسن عمرانی کے بارے میں جو نظریات میں نے پہلے قائم کئے تھے ان کے بڑے حد تک توثیق ہو گئی۔ یہ کتاب نثر میں ہے لیکن ایک شاعر کے بارے میں اور شاعر بھی وہ ہے حکیم الامت، منکر پاکستان اور شاعر مشرق جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے سرسری مطالعہ میں سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ احسن عمرانی نے اس کتاب کے ذریعے کم از کم تین زبانوں سے واقفیت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ آیات قرآن کے حوالے سے عربی زبان کے علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کے فارسی کلام پر گہری نظر فارسی زبان کے علم کے نشاندہ ہے کرتی ہے۔ علامہ اقبال کے اردو کلام اور اس کے تاثراتی جائزے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ احسن عمرانی اردو زبان و ادب پر کس حد تک اپنے گزشتہ قارئین کے ہوتے ہیں۔

اقبالیات ایک باقاعدہ علمی موضوع ہے بلکہ ایک مکمل شعبہ علمی ہے اور گزشتہ چالیس سال سے مسلسل اس شعبہ میں کام ہو رہا ہے۔ احسن عمرانی نے جس زاویہ نظر سے کلام اقبال کا جائزہ لیا ہے وہ بھی کوئی اچھوتا نہیں۔ لیکن اس

موضوع پر نسبتاً بہتے ہیں کم لکھا گیا ہے۔

علامہ اقبال کو اگر دین اسلام کے واسطے اور دین سے بچنے کے کوشش کے جائے تو اس نے عراقی کے منتخب کردہ موضوع کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔ موجودہ تہذیب کے تابندگی کے زمانے میں مغربی ثقافت جارحیت کے مقابلے میں علامہ اقبال نے اپنے شاعری کے ذریعے جو دفاعی جنگ لڑی ہے اور جہاد بالقلم کے جوہر جس انداز سے دکھائے ہیں وہ اس کے زمانے کے تقاضوں کے مطابق بہتے ہیں ضروری تھا لیکن جو بات خاص طور پر قابل غور ہے وہ علامہ اقبال کا نظریہ برادر ہے۔ اعلیٰ کردار کے وہ نمونے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا کے لئے قابل تقلید ہو سکتے ہیں ان کے تلاش میں علامہ اقبال کے نظریے پر چرچہ کر محمد وآل محمد ہی پر پھرتے ہیں۔ اس لحاظ سے زیر نظر کتاب کے اہمیت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس میں علامہ اقبال کے اس نظریے کے تائید بخینے کے کوشش ملتی ہے۔

علامہ اقبال کا ایک مشہور شعر ہے :

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کہہ ہے تو خیر

درد نام اس دین کا ہے فقیر غیور !!

اس شعر میں اسلام کی اعلیٰ صورت کا ایک تصور سامنے آتا ہے۔ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے تاریخ میں بڑا فرق ہے اور ہماری سب سے بڑی قسمتی یہی رہی ہے کہ لوگوں نے اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے تاریخ کو ایک ہی چیز سمجھ لیا ہے اور رفتہ رفتہ مسلمان بادشاہوں کے فتوحات کو اسلامی فتوحات کہا جانے لگا۔ اسلام کا دائرہ پھیلا۔ افریقہ، یورپ، ایشیاء جیسے بڑے عالم اس دائرے میں آ گئے۔ اور یہ دائرہ پھیلتا ہی چلا گیا۔ لیکن اسلامی طرز زندگی کا قرآن تصور اسلام کے اس پھیلاؤ میں خال خال ہے نظر آتا ہے۔ اس کو تاہم کے نتیجے میں غیر اسلامی ثقافتوں نے پر پر زے نکلے اور اسلامی طرز زندگی اور اسلام کے کردار الشاذ کا معدوم کی صورت اختیار کر گئے۔ مسلمانوں کا دائرہ سلطنت جس تیزی سے پھیلا تھا اسی قدر سرعت کے ساتھ سمٹتا چلا گیا۔ اور وہ صورت ہو گئی جس کا مرثیہ مولانا حالی نے ”مسدس مدو جہد اسلام میں اور جس کا عکس علامہ اقبال نے خصوصیت کے ساتھ شکوہ اور جواب شکوہ میں پیش کیا ہے۔

اس صورت حال سے بٹھنے کے لئے اور قنوطی رجحانات کو رجائیت سے بدلنے کے لئے ضروری تھا کہ مثبت انداز نظر بھی پیش کیا جائے۔ علامہ اقبال نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اور اپنے فلسفہ خودی کو وضاحت کے ساتھ سمجھانے کے لئے تقسیم کردار کا جو مثبت طریقہ اختیار کیا ہے وہ محمد وآل محمد کے مدح اور ان کے سیرت کا تعارف ہے۔ انسان ترقی کر کے ارتقاء کے جس منزل پر پہنچ سکتا ہے اور کمال انسانی کا امکان مقام علامہ اقبال کے نزدیک جو بھی ہو سکتا ہے وہ محمد وآل محمد کا مقام ہے۔

حسن عمران نے اس نکتہ کو سمجھا ہے اور زیر نظر کتاب میں مختلف ذیلی ابواب کے تحت علامہ اقبال کے اشعار جمع

کرم کے اس نکتہ کی وضاحت کی ہے۔

پہلا باب مدح مصطفیٰ ص کے بارے میں ہے۔ کلام اقبال سے اٹھتر (۷۸) اشعار عربی میں لفظ سرور کو نین کا خصوص پہلو نکلتا ہے اس باب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور باب کے آخر میں "مفردات اقبال" کے عنوان سے علامہ کے اشعار ترجمہ کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ سرورق پر یہ شعر درج کیا گیا ہے۔

کے محمد سے وفاتوں تو بسم تیرے ہیں

یہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

دوسرا باب مدح علی المرتضیٰ سے متعلق ہے۔ پچاس صفحات کا یہ باب ایک موصولہ (۱۱۶) اشعار کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

فیض اقبال ہے اسی در کا

بندہ شاہ لافانی ہوں میں

تیسرا باب نور چشم رحمتہ للعالمین کے مدح سے متعلق صرف بیس (۲۰) اشعار اور سترہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے۔

میرم از یکے نسبتِ میسے عزیز

از نہ نسبتِ حضرتِ زہرا عزیز

چوتھا باب حضرت امام حسنؑ کے بارے میں ہے اور کلام اقبال سے احسن عمرانی کو بہت کم شواہد اس سلسلے میں ملے ہیں۔ تاہم انہوں نے کوشش کی ہے۔ پانچ صفحات پر مشتمل اس باب میں چند ایسے اشعار سامنے لائے گئے ہیں جن کے بابت یقین سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان اشعار کا پس منظر سیرت حضرت امام حسن علیہ السلام ہے۔

پانچواں باب مختصر ہے پاکؑ کے آخر میں فرد حضرت امام حسینؑ کے مدح میں ہے۔ (۲۵) بیسیں صفحات پر مشتمل اس باب میں علامہ اقبال کے باٹھ (۶۲) ایسے اشعار کا تعارف کرایا گیا ہے جو مدح سید الشہداء میں ہے۔ آغاز کلام اس شعر سے ہوتا ہے۔

عزیز دسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

نہایت اس کے حسین ابتداء ہے اسمعیلؑ

مذکورہ بالا پانچوں ابواب میں عربی اشعار کا انتخاب کر کے موضوع سے متعلق احسن عمرانی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں سے بیشتر اشعار ایسے ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ موصوفے مستبوں کے مدح کے اشارات ملتے ہیں۔ اگر وہ کلام اقبال میں مزید غواص کرتے تو انہیں اور بھی اشعار مل سکتے تھے۔ علامہ اقبال کے کمالِ برہنہ

عرصہ گفتن" میں ہے۔ انہوں نے ابائیت اور رمزیت سے بہت کام لیا ہے۔ علامتوں، کنایوں اور اشاروں سے کام لینا بھی وہ خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ کلام اقبال میں مدح، ٹھنڈ، ڈال، ٹھنڈ میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں بظاہر لفظی اعتبار سے ان بزرگ مہتیوں کے نام نہیں ملتے لیکن معنوی اعتبار سے ان کے آثار و آثار ملتے ہیں۔

انتخاب اشعار بھی ایک فن ہے اور اس سے منتخب کرنے والے کے ذوق کا پتہ بھی چلتا ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں پیش نظر تقاضوں اور وقتی مقاصد کے تکمیل کے لئے ایسے روئے اختیار کئے جاتے ہیں جن کے بنا پر اپنے ذوق سے ہٹ کر بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم و تعلم میں عموماً ایسا ہوتا ہے۔ تسلیغ و تدریس میں بھی اکثر یہی صورت پیش آتی ہے۔ جس طبقہ کے لئے کتاب لکھی جاتی ہے اس کے فرد و ریات کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ احسن عرفان نے بھی یہ سب صورتیں اپنے سامنے فرد رکھی ہوں گے۔ اور اس لئے انہوں نے واضح قسم کے اشعار کا کام لیا ہے۔

"اقبال در مدح محمد وآل محمد" میں احسن عرفان کا اندازِ تحریر تجزیاتی اور تاثراتی رنگ لے ہوئے ہے۔ اس کا ہوتا ہے کہ وہ ایک نکتہ متعین کر کے اس کے تائید میں اشعار جمع کرتے ہیں، ہر شعر کو پہلے خود سمجھنے اور پھر سمجھانے کے کوشش کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت وہ کلمات ہیں جو تحسین، سائنس اور تحریر کی کیفیات کا اظہار کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ اس کتاب کا موضوع اور اندازِ تحریر دونوں ہی احسن عرفان کے انفرادی طبع سے ہم آہنگ رکھتے ہیں۔

میں نے موضوع کتاب کے بارے میں آغاز مقدمہ میں وضاحت کر دی ہے اور ضمناً احسن عرفان کے اندازِ تحریر کا ذکر بھی آگیا ہے۔ البتہ ان کے نثر نگاری کے بارے میں چند باتیں تشنہ وضاحت ہیں۔

احسن عرفان کے کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مضمون کم از کم الفاظ میں ادا کر دیا جائے۔ اس کے لئے بعض اوقات وہ مشکل اور ادق ترکیب کے ساتھ نامانوس الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ یہ اندازِ تحریر علمی موضوعات کے لئے ناموزن بھی نہیں سمجھا جاتا۔ سادہ اور عام فہم نثر کے ساتھ مرقع اور پُر لکھتے نثر کے نمونے بھی احسن عرفان کے تحریر میں موجود ہیں۔ جملے کی ساخت، الفاظ کی نشست اور ترکیب مہنوم کے مطابقت لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جملوں کا باہمی ربط اور پیرا گراف کے تشکیل بھی مقصد کے تعین کے ساتھ ہم آہنگ رہتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اس موزونیت کے باوجود ایک بات جو ہر جگہ غالب نظر آتی ہے وہ تحسین، تاثرات اور تجزیاتی اندازِ نگارش ہے۔ جو علمی موضوعات کے لئے آج کے رائج نہیں ہے۔ اس لحاظ سے احسن عرفان کی یہ کتاب قدیم اور جدید اسالیب کے درمیان کے ایک فراموش کردہ صورت کو سامنے لاتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے احسن عرفان اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس نوعیت کے ان کے یہ پہلے نثری تحفے ہیں۔ جیسے جیسے اس سربلے میں اضافہ ہوتا جائے گا، فکر و قلم کے رفتار میں

میں ٹھہراؤ اور نظریات میں استقامت کا اضافہ خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔
بقول علامہ اقبال

معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

۲۰۹ - ۹ - ۲۰۰۰
Contact : jabir.abbas@yahoo.com

جناب سید اقبال حسین زیدی

ایم۔ اے، ایل ایل بی

ڈپٹی رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی — لاہور

چند الفاظ

عزیز سید احسن عرانی کی عزیز تر تصنیف یعنی "اقبال در مدح محمد وآل محمد" نظر نواز ہے۔ مصنف نے اتنے مناظر یکجا کر دیئے ہیں کہ سرسری جائزے کے لئے بھی نظریے درکار ہیں۔ میرے نزدیک تو کوئی شاعر ہوا اور نہ ہی ادیب، مگر اس کے باوجود دل میں ایک انگ سے محسوس کرتا ہوں کہ مصنف کے لئے خدمتِ ادب کے سلسلہ میں چند الفاظ ہیں کاغذ پیش کر دوں۔

احسن عرانی کی شخصیت کے تعارف میں اکثر مقالہ نگار حضرات اظہارِ خیال فرما چکے ہیں۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ مرتبہ عطا پروردگار ہے جسے وہ مناسب سمجھتا ہے اس کو دیتا ہے۔

احسن عرانی کی تصنیف "اقبال در مدح محمد وآل محمد" نازک کے وقت کے نازکے پیش کش ہے۔ اس سے پیشتر بھی اس موضوع پر بہت سے کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں۔ مثلاً اس موضوع کے پہلے کتاب "پیام اقبال" نیز دہ صد سالہ یادگارِ حیاتیں ۳۲۱ء ہجری میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اس موقع پر نگہنوں سے علامہ نقوی صاحب قبلہ نے شہیدِ انسانیت پیش کے جبکہ پنجاب (لاہور) سے ضیغ اسلام علامہ مرزا احمد علی مرحوم نے کتابچہ "پیام اقبال" شائع کیا تھا۔ بعد ازاں ادارہ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) لاہور سے ایک اور کتابچہ "نوائے اقبال" شائع ہوا۔ ان دو کتابچوں کے بعد کراچی سے سید رئیس احمد جعفری نے "عشقِ رسول" کے نام سے ایک کتابچہ پیش کیا۔ دوسری کتاب سید محبوب علی زیدی نے "اقبال اور حبِ اُمہ اطہار" تصنیف کی جسے لاہور سے شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا۔ تیسری کتاب سید نجم الحسن صاحب نے پنن وال سے "اقبال آلِ محمد کے دربار میں" پیش کی جو زبان و بیان کے اعتبار سے نہایت کمزور، حوالہ جات سے برے، تشریحات سے تشنہ اور اشتعال کا انتخاب اس بات کے دلیل ہے کہ مصنف موصوف نے علامہ صاحب کے اصل کتاب دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی، اگرچہ ان سے کبھی یہ غلطی نہ ہوتی کہ وہ اس زبان زد عام شعور کو علامہ صاحب سے منسوب کرتے۔

اسلام کے دامن میں اور اس کے ہوا کیا ہے
اکہ فریبِ یٰ اللہے . اکہ مسجدِ شہیری

یہ شعر وقارِ انبلاوی صاحب کا ہے۔ جس کے تحقیقِ عمرانی صاحب نے کی اور تحریریں ثبوت اسی کتاب میں موجود ہے۔ اور یہ احسنِ عمرانی کے بالغِ لظری اور تحقیق کے ایک اعلیٰ مثال کہیں جاسکتی ہے۔ اس سلسلے کے آخری کتاب ”انباء در مدحِ محمد وآلِ محمد“ حق برادرز کے سال اقبال کے نسبت سے ایک اعلیٰ اور معیار میں پیش کش ہے۔ اس کتاب کے مصنف احسنِ عمرانی ہیں۔

یہ کتاب اپنے نوعیت کے اعتبار سے اس سلسلے کے پہلے اور آخری کتاب کہیں جاسکتی ہے کیونکہ اس کے ترتیب میں پہلے حضور نبی اکرم کا باب ہے۔ اس کے بعد عائشہ الرضیٰ، فاطمہ الزہرا، حسن مجتبیٰ، سید الشہدار اور آخر میں قائم آلِ محمد علیہ السلام سے متعلق اشعار کا انتخاب اور ان کے تشریحات، حوالہ جات کے ساتھ مصنف موصوف نے بہرِ درِ قرطاس کے ہیں۔

اہل علم و ادب بہتر جانتے ہیں کہ ادبِ دنیا میں تحقیق و تنقید کا میدان ایک سنگلاخ اور پُر خار وادی ہے۔ اس وادی میں احسنِ عمرانی کے کاوشیں اور کہ دشواریوں میں فکر کا اچھوتا پن لکھنے شگفتہ انداز ادب کرشمہ کم نہیں! راقی گردانے کے دورانِ زبان پر بے اختیار آجاتا ہے :-

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

کتاب میں ابواب کے ترتیب، مناسب اور بھلے اشعار کا انتخاب کو زبے میں دریا نہیں بلکہ ایکے کو زبے میں دریاؤں کے سمودینے کے مترادف ہے۔ اس جدید اسلوب نے قارئین کو مختلف کتابوں کے حوالہ جات حاصل کرنے کے زحمت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ احسنِ عمرانی کے یہ ایک دیانتدارانہ کاوش ہے اور موصوف کے لازوال جذبہ ایمانی کے آئینہ دار بھی ہے۔ میرے دعوے کہ اس پُر خلوص اور شاقہ محنت کا صلہ بتقدیقِ محمد وآلِ محمد پروردگارِ عالم عطا فرمائے اور قوم اس کو قدر کے نگاہ سے دیکھے۔ آمین ثم آمین

سید اقبال حسین زیدی

اقبال اور حب رسول و اہل بیت رسول

خداوند عالم نے اپنے محبت کا معیار اطاعت رسول ﷺ سے ملے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاَتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذَلٰلَکُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (المائدہ: ۳۱)

”اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ خدا (مجھے) تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور خدا جتنا بخشنے والا مہربان ہے“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں پیغمبر کی پیروی کو اپنی اطاعت سے تعبیر کیا ہے۔ مَنْ یُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی۔ آل محمد علیہم السلام کی محبت کو اجر رسالت قرار دیا۔ اور تبلیغ رسالت کے اجر کو ادا کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کیا۔ چنانچہ سورہ شوریٰ میں فرمایا خدا کا لہ ہے: قُلْ لَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِۭۤ اَجْرًا ؕ اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (شود کہ ۲۳) اے رسول! تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغ رسالت) کا اپنے قرائد و ادب (اجرت) کے محبت کے سوا تم سے کوئی مد نہیں مانگتا“

اگر ہم اسلامی ادب پر نظر ڈالیں تو ہمیں ہر دور میں ایسے حضرات نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول و آل رسول کو ہمہ عقیدت پیش کیا اور اس عقیدت کو اپنے بھائیوں کا وسیلہ سمجھا۔ عہد رسالت مآب میں بھی شجر کے لہجے میں آپ کے فضائل کو بیان کیا گیا۔ حضرت عائشہ بنی ثابتہ کے دیوانے میں بہتے سافعیہ کلام موجود ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل دو شعر لکھے جاتے ہیں۔

وَاجْعَلْ مِنْکَ لَمْ قَلْبِ النِّسَاءِ

وَاجْعَلْ مِنْکَ لَمْ تَرْتَقِ عَیْنِیْ

کَاَنْکَ خَلَقْتَ کَمَا لَشَاءُ

خَلَقْتَ مَبْدَاً مِنْ حُلِّ عَیْبِیْ

یعنی میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ حیرت کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ صاحبِ حال کسی عورت نے نہیں جانا۔ آپ ہر نقص سے پاک و پاکیزہ پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ آپ کی تخلیق آپ کے حسبِ منشا ہوئی ہے۔
امام شافعیؒ نے بھی حبِ رسولؐ و آلِ رسولؐ میں بہت سے اشباہ کئے ہیں۔ اجر رسالت کے طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يَا آلَ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ حُبُّكُمْ
فَرَضَ مِنَ اللَّهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ
يُكْفِيكُمْ مِنْ عَظِيمِ الْمُفْغِرِ أَنْكُمْ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَوةَ لَكُمْ

(شافعی۔ دیوانہ ص ۷۲)

اے آلِ بیتِ رسولؐ! آپ کے محبت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور اس کا حکم قرآن میں نازل کیا۔ آپ کے فرض کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے، اس کی کوئی ناز ہی نہیں ہوتی۔

شیخ سعدیؒ نے اپنے شہرہ آفاق کتاب ”گلستان“ میں دربار رسالت میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے اس کو ایک ایسے سدا بہار پھول سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو ہر وقت فضا کو معطر رکھتا ہے اور شمع رسالت کے پروانے اس سے حطا اٹھاتے ہیں۔

بَلَغَ الْعُلَى بِكُمْ إِلَهَ
كَشَفَ الدُّخَانُ بِجَاهِهِ
حَسَنَاتُ جَمِيعِ خِصَالِهِ
صَلُّوا عَلَيْهِ وَآلِهِ

(سعدی۔ گلستان، ص ۹)

وہ (رسالت مآب) اپنے کمال کے سبب بلند تر تر پہنچے۔ اپنے جمال سے تاریکیوں کو مٹا دیا۔ ان کے تمام خصلتیں اچھی ہیں ان پر اور ان کے آل پر درود بھیجو۔

اس وقت اسلامی ادب کا اس پہلو سے جائزہ لینا مقصود نہیں۔ اس بارے میں بہت سی کتابیں احاطہ تحریر میں آچکی ہیں جن میں نعتیہ کلام کا انتخاب ترتیب زمانے سے کیا گیا ہے۔ ہمارا مقصد اقبالیات کے ادب کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھنا ہے کہ اس میں کون سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جو حبِ رسولؐ، عشقِ رسولؐ اور حبِ آلِ بیتِ اطہارؑ کے متعلق ہیں اور ان میں کلام اقبال کا جائزہ مذکورہ حیثیت سے لیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھنا

ہے کہ احسن عراقی صاحب کے زیر حوالہ کتاب "اقبال در مدح محمد وآل محمد" کا اس ادب میں کیا مقام ہے۔ ان تحریری آثار (Graphic records) کو زمانی ترتیب سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔

اقبالیات کے لکچر میں علامہ مرزا احمد علی اعلی اللہ مقام نے ایک رسالہ نوائے اقبال کے نام سے لکھا۔ اس کو ادارہ معارف اسلام، لاہور نے شائع کیا۔ اس پر سنہ اشاعت درج نہیں۔ لیکن اندازاً شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۴ء میں طبع کیا گیا۔ علامہ مرحوم اس تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت اقبال کے خواب تخیل کے تعبیر نامہ عظیم و معمار افخم آقائے محترم حضرت محمد علی جناحؒ کے قائدانہ تدبیر سے پاکستان کے صورت میں ظاہر ہوئے۔ جس کے لئے تمام دنیا عموماً اور مسلمان خصوصاً خداوند کا جتنا شکر ادا کریں اتنا ہی کم ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا پاکستان کے تخیل گر نے پاکستان کے بقا کے لئے بھی ہدایات چھوڑی ہیں؟ اس غرض کے لئے میں نے کلام اقبال کے مختلف اور منتشر پہلوؤں کو دیکھا اور اپنی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ جناب اقبال کے یاد میں مختلف عنادین کے ذیل میں تقسیم کر کے جمع کر دیے جو اہل پاکستان کے غور و خوض اور غل کے لئے اس صحیفہ میں لکھا جاتا ہے۔ تاکہ ملک کو استحکام اور ملت اسلام کو سرخوردگی حاصل ہو"

(مرزا احمد علی - نوائے اقبال، ص ۸)

اس رسالے میں مختلف عنوان نام کر کے کلام اقبال کو حوالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۶ پر ایک عنوان جل الفاظ میں ہے "حقائق اقبال کے غل نمونے" اس کے ذیل میں رقمطراز ہیں:-

"میں یہاں صرف ان ممتاز مثنویوں کا ذکر کر دوں گا جو دماغ اقبال پر غالب تھیں۔ اور اس لئے اس نے ان کا ذکر مفصل اور منفرد کیا ہے۔"

(ایضاً، ص ۲۶)

اس میں جناب رسالت مآبے علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا، حسن مجتبیٰ، امام حسین اور امام مہدی کے بارے میں کلام اقبال کا انتخاب دیا گیا ہے۔ چونکہ اس رسالے کا دائرہ بہتے مختصر ہے۔ اس لئے اس میں صرف منتخب اشعار ہی نقل کئے گئے ہیں۔ اشعار کی تشریح میں جو حوالے دیئے گئے ہیں، وہ بہت مفید ہیں۔ چونکہ اس کے مولف ایک جمید عالم دین تھے۔ اس لئے انہوں نے دامن موضوع کے اختصار کے بادمصن بہتے عالمانہ انداز سے باتیں کی ہیں۔ یہ اس سلسلے کا پہلا رسالہ معلوم ہوتا ہے۔ جس میں اہل بیت ائمہ کے متعلق کلام اقبال سے انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

اقبالیات میں عشقے رسولؐ پر سب سے پہلے کتاب رئیس احمد جعفری مرحوم نے اقبال اور عشقے رسولؐ کے عنوان سے تحریر کی۔ اس کو پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا۔ اس کے دوسری اشاعت ۱۹۶۳ء میں ہوئی۔ یہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے شروع میں علامہ اقبالؒ سے پہلے فقیدہ کلام کو مورد بحث بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد اقبالؒ کے عہد کا فقیدہ کلام زیر تبصرہ لایا گیا ہے۔ پھر کلام اقبالؒ میں سے وہ اشعار پیش کئے گئے ہیں جو رسالہؒ آب کے مدح میں ہیں۔ ان میں بعض ایسے اشعار بھی ہیں جو پس منظر کو واضح کرنے کے لئے نقل کئے گئے ہیں۔ اگرچہ براہ راست وہ فقیدہ کلام میں نہیں آتے۔ کتاب کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ ورنہ علامہ کے کلام میں بہت زیادہ اشعار اس موضوع سے متعلق ہیں۔

”اقبالؒ کے شاعرانہ مشہرت و عظمت جن ستونوں پر قائم ہے وہ ہیں حب وطن، جذبہ ملی، فلسفہ آفرینی، بندگی خیال، عمت فکر، انداز بیان، رفتہ تخیل اور سیاسیات بین الاقوامی اور کوئی شبہ نہیں یہ ستون بڑے پائیدار ہیں۔ ان میں تزلزل نہیں پیدا ہو سکتا۔ ان کا استحکام اور ان کے پائیداری رد و رکش کے طرح واضح ہے۔ لیکن میرے خیال میں اقبالؒ کے شاعری کا مرکز، محور اور مرجع و مصدر صرف حب رسولؐ ہے۔ اقبالؒ کو ذاتی بات پناہ سے والہانہ عشق ہے۔ یہ عشق اس کے زندگی ہے۔ اسی عشق نے اس کے خیالات میں بندگی اور جذبات میں گیرائے پیدا کیے ہیں۔ اس عشق کے بدولت وہ اس اسلام سے روشناس ہوا۔ اس نے خداؐ کو سچا نانا اور قوم رسولؐ کو ہاتھی کے نقابت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا“

(رئیس احمد جعفری۔ اقبال اور عشقے رسولؐ، ص ۱۱)

”اقبالؒ بہت بڑے فلسفی تھے، مفکر تھے، شاعر تھے، ادیب تھے، حکیم الامت تھے، ترجمان حقیقت تھے لیکن میری نظر میں ان حیثیتوں پر بالا ان کے بر حیثیت تھے کہ وہ عاشق رسولؐ تھے۔ ان کے لظن و کلام کا مرکز، ان کے زندگی کا مقصد، ان کے پیام کا محور، ان کے دعوت کا منشا صرف حب رسولؐ تھا۔ اقبالؒ کے شاعر، پیام، دعوت اور زندگی کا اگر صرف ایک شعر میں خلاصہ کرنا مقصود ہو تو بے تامل ان کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے

بہ صیقل برسان خوشی را کہ دیں ہمہ ادست

اگر ہر ادب رسیدی تمام بولہیں استے !!!

(ایضاً، ص ۴)

اس سلسلے کی تیسری کتاب سید محمد عبدالرشید فاضل کے ہے جو اقبال اور عشق رسالت مآبؐ کے نام سے کراچی سے شائع ہوئی۔ اس کے شروع میں علامہ اقبال کا سوانحی خاکہ ریاست اور ان کے اسباب دعوائے بحوث کے تحت ہے جو بلند میں عشق رسولؐ کا باعث بنے۔ پھر آثار اقبال سے وہ اشعار پیش کئے گئے ہیں جو اس مقدس جذبے کی غمازی کرتے ہیں کلام اقبال کو ترتیب زمانے سے دیکھا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر فکر اقبال کے ارتقا کو سامنے رکھ کر اس کتاب کو لکھا گیا ہے۔ زندگی کے آخری دور میں علامہ کا یہ عشق عروج پر دکھائے دیتا ہے۔ جس وقت رسالت مآبؐ کا اسم گرامی زبان پر آتا ہے تو وقت قلب سے اٹھنے کے آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

”زندگی کے آخری نسلے میں تو یہ حال ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا تو بے اختیار رو پڑنے لگتے۔“
(جوہر اقبال نمبر ۱۲۹ بحوالہ اقبال اور عشق رسالت مآبؐ ص ۵۰)

اس کتاب پر سنہ اشاعت درج نہیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ یہ رئیس احمد جعفری مرحوم کے کتاب کے بعد لکھی گئی ہے۔ اشعار نقل کرتے وقت علامہ کی کتابوں کے نام تو دیئے گئے ہیں لیکن صفحات کے حوالے نہیں دیئے گئے۔ کتابیات کے کہ بھی محسوس ہوتے ہیں۔ کتاب کے آخری حصے میں اقبال سے پہلے شعراء کے نعتیہ کلام کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ اور تقابلی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ علامہ کا عشق رسولؐ اپنی ذات سے بڑھ کر ملت کے لئے ہے۔ اور مسلمانوں کے زہروں جالی اس کا باعث بنی جب کہ دیگر نعتیہ کلام میں یہ مقدس رشتہ شاعر کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ دراصل حالی مرحوم نے ملت کا درد محسوس کرتے ہوئے جس عمارت کے بنیاد رکھی، علامہ نے نہ صرف اس پر ایک شاندار عمارت تعمیر کی بلکہ اسے فلک الافلاک تک پہنچا دیا۔

اس سلسلے کے چوتھے کتاب محبوب علی زیدی کے ”اقبال اور حب اہل بیتؑ اظہار ہے۔ یہ ۱۹۷۵ء میں لاہور میں شیخ غلام علی ایڈنر کے طرف سے شائع کی گئی ہے۔ کتابیات کے نظر پر یہ پہلی مفسر کتاب ہے۔ جس میں کلام اقبال سے وہ اشعار لئے گئے ہیں جو رسولؐ و آل رسولؐ سے متعلق ہیں۔ چونکہ یہ کتاب رئیس احمد جعفری مرحوم کی کتاب کے سنہ اشاعت سے تقریباً دس سال بعد لکھی گئی۔ اس لئے زیدی صاحب نے جعفری صاحب سے معذرت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں اقبال اور عشق رسولؐ کو بھی اجاگر کیا جائے گا۔
”چونکہ رسولؐ مقبول ملک بیت نبوتؐ ہونے کی حیثیت سے اہل بیتؑ اظہار سے الگ نہیں ہیں۔
اس لئے میں جرأت نہ اند کرتے ہوئے جعفری صاحب سے معذرت کے ساتھ اقبال اور عشق رسولؐ کو بھی اجاگر کر دے گا۔“

(محبوب علی زیدی۔ اقبال اور حب اہل بیتؑ اظہار۔ ص ۱۳)

زیدی صاحب نے اپنے کتاب میں جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:

”بفضل خدا میری یہ انتہائی کوشش رہی ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے وہ قرآن کیم، احادیث شریفیہ اور مودوں علماء کے تصانیف سے نقل ہو تاکہ اعتراضات کے گنجائش نہ نکل سکے۔ نیز میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میرے قلم سے مسلمانوں کے کسی فرقے کے دلائل زاری ہو۔“

(ایضاً ص ۱۲۱۱۳)

اس میں علامہ کے اشارہ نقل کر کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ آخر میں کتابیات بھی ہے۔ قرآن اور حدیث کو بھی موقعہ کی مناسبت سے نقل کیا ہے۔

۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کی زیر نگرانی ایک مقالہ لکھا گیا جس کا نام اقبال اور عشق رسالت مآب ہے۔ مقالہ نگار خادم حسین (تجمل حسین) ہیں جنہوں نے ایم۔ اے (اردو) کے جزدی مکمل کے لئے اس کو لکھا۔ اس غیر مطبوعہ مقالے کے مندرجات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عشق رسولؐ کی ماہیت۔

۲۔ حیات اقبال۔

۳۔ تصورات اقبال کے اساس

۴۔ اقبال کے اردو کلام میں عشق رسولؐ کی ضیاء باریاں۔

۵۔ اقبال کے فارسی کلام میں عشق رسولؐ کی ضیاء باریاں۔

اس کے آخری دو ابواب میں علامہ کے کتابوں سے وہ اشارے کئے گئے ہیں جو عشق رسولؐ کے بارے میں ہیں۔ کتابوں کے حوالے بھی درج کر دیے ہیں۔ چونکہ یہ مقالہ ایم۔ اے کے ڈگری کے معول کے لئے پر قلم کیا گیا ہے اس لئے اس میں نئے تحقیق کے اصولوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات ہے جو دیگر محققین کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے کے چھٹے کتاب کے مصنف سید نجم الحسن تقویٰ ہیں اور کتاب کا عنوان ہے: ”اقبال آلہ محمد کے دربار میں“۔ یہ ۱۹۰۰ء میں پرنس ڈال سے انجمن غلامان اسلام پاکستان کی جانب سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں جناب رسالت مآبؐ کے بارے میں اشعار شامل نہیں کئے گئے۔

”اس کتابچہ میں اقبال مرحوم کو اہل بیت رسولؐ یعنی آئمہ معصومین کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ مداحانہ

اقبال مدارج آئمہ ہدیٰ کو سمجھ کر معرفت امام حاصل کریں۔ اور جب معرفت امام ہو جائے تو پھر اپنے اس

ممدوح کے کلام میں مدارج نبوت کو تلاش کر کے معرفت نبی کو پا سکیں اور معرفت نبی حاصل کر کے

بعد معرفتِ اربعیت کا حصول آسان ہو جائے گا۔ وہ صحیح اسلام کو سمجھ سکیں گے اور اس پر عمل پیرا ہو سکیں گے۔

(سید نجم الحسن تقویٰ - اقبال آل محمد کے دربار میں ص ۲۰)

اس کتاب میں اشعار کو نقل کرتے وقت کتابوں کے حوالے نہیں دیئے گئے۔ آیات و احادیث کی تخریج بھی نہیں کی گئی۔ تاخذ و مصادر کے فہرست کے کئی بھی محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ اشتہارات نے کتاب کے ظاہری حسن کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔

یہ کتاب ۱۹۷۲ میں زیرِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فاضل مؤلف نے اس موضوع پر احاطہ تحریر میں آنے والے تمام آثار کو سامنے نہیں رکھا۔ سید محبوب عالم زیدی کے کتابے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئے اور یہ اس کے نو سال بعد منظرِ عام پر آئی۔ بظاہر اس کتاب کو زیدی صاحب کے تالیف سے ایک قدم آگے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے مطالعے کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ نہ صرف مندرجات کے لحاظ سے اس سے پیچھے ہے۔ بلکہ اسلوب و طرز نگارش کے اعتبار سے بھی اس پایہ کے نہیں۔

اس موضوع پر اس وقت تک آخری کتاب ”اقبال در مسیح محمد دآل محمد“ احسن عمرانی صاحب کے تالیف ہے۔ اس کے کچھ حصے راقم الحروف نے دیکھے ہیں۔ کتاب سے پہلے صاحب کتاب کے متعلق کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عمرانی صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ دینی حلقوں میں ان کی ذات خاصہ معروف ہے۔ ”پیشے کے لحاظ سے آپ صحافی ہیں۔ کئی ایک مذہبی اخبارات و رسائل کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ مثلاً غرہ النساء، البشر، معارف اسلام اور میسر ڈبجٹ کے چیف ایڈیٹر رہے۔ ان دنوں ادارہ معارف اسلام کے دفتر میں ملازم ہیں۔ قدیم شعراء میں غالب اور انیسویں سے متاثر ہیں۔ جدید شعراء میں جوش اور مجید امجد کے قائل ہیں“

(ظفر علی خان - جنگ کے اردو شعراء تحقیقی و تنقیدی مقالہ ص ۱۸۶)

کتاب سے محبت، مطالعہ کا شوق، اٹھکے محنت، انتہائی نامساعد حالات میں مسلسل کام، بے لوث دینی خدمت دوستوں کے ساتھ خلوص — ان عناصر کو یک جا کر یہ تو اس عمرانی کی شخصیت بنتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ لکھی ہے۔ انہوں نے کلامِ اقبال کے جو تشریح کیے ہیں اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ ممکن ہے کہ قارئین ان کے انداز فکر سے متفق نہ ہوں، لیکن یہ بات قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے نہایت جانفشانی سے کام لیا ہے اور اپنے زاویہ نگاہ کو لکھنے سے پہلے کافی غور و فکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی راقم الحروف یہ بات کہنے کی جارت کرتا ہے کہ انہوں نے تشریحات میں بعض امور ایسے لکھے ہیں جن کا تاخذ و تبار یا جا اتویہ طرزِ تحریر فنی تحقیق سے زیادہ قریب ہوتا۔ کتاب کے پہلے حصے میں اشعار نقل کرتے وقت آثارِ اقبال کے حوالے نہیں دیئے۔ اس کتاب کے اصل قدر و قیمت کا اندازہ تو قارئین کو کام میں کرے گا،

لیکن یہ بات پر سے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس کتاب کے اشاعت سے اقبالیات کے لٹریچر میں ایک
گرانقدر اضافہ ہوگا۔ سالے رواں (۱۹۷۷ء) سالے اقبال ہے اور اس موقع پر ایسی کتاب کا لکھا جانا عین
وقت کے پکار ہے۔

سید جمیل احمد رضوی

کاروان عشق کا پرستار۔ اقبالؔ

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے غلامی ۱۸۵۷ء میں تکمیل پذیر ہو گئی۔ سلطان ٹیپو شہیدؒ، مفتی محمد باقر اور لاکھوں دیگر مجاہدین کے قربانیاں بھی انہ کو غلامی سے نہ بچا سکیں اور حالت یرہ ہو گئی کہ اب مسلمان، سیاسی، ذہنی اور معاشی عرصے ہر لحاظ سے مغربی اقوام، انگریز کے دستے نگر ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس محتاجی اور غلامی نے ان کے سوچ پر زبردست اثر کیا اور نفسیاتی طور پر وہ سماجی احساس کٹری کے زبردست لپیٹے میں آ گئے۔ اب وہ اپنے حکمران قوم سے تعلق رکھنے والے ہر چیز کو، اپنے سے برتر سمجھنے لگے۔ نتیجہ مغرب کے افکار اور تمدن کے تقلید کرنا ہی برتری سمجھی جانے لگی۔ یہ دور مکمل طور پر مسلمانوں کے مرعوبیت کا دور تھا۔

سرسید احمد خاں اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں کو ان کے سیاسی، ذہنی اور معاشی پستی کے ناگفتہ بہ حالت سے نکالنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ اور سیاسی و تعلیمی اور سماجی و معاشی طور پر ان کے تعمیر و ترقی کے لئے پیٹ نام دیا۔ مسلم لیگ کے پیشرو جماعت آل انڈیا محمدن ایسوسی ایشن اور علی گڑھ کالج نے مسلمانوں کے شعور کو بیدار کرنے اور ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے پیدا ہونے والی یاسیت کو ختم کرنے کے تحریک شروع کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے غلط رفتہ کے یاد دلائے اور انہیں سماجی و معاشی طور پر ابھرنے اور پاس و تعلیمی میدان میں آگے آنے کے لئے اُٹھارا۔ ان مصلحین کے اس جدوجہد اور اس دور کے تمام علمے تحریر و مرعوبیت کے چھاپے واضح طور پر موجود ہے۔ اور ان کا تمام تر انداز معذرت خواہانہ (APOLOGISING) ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں اور اسلام کے بہتر صفات اور ان کے غلط رفتہ کی باتوں کو مغربی حوالوں کے ذریعے بہتر ثابت کرنے کے کوشش کی۔ کبھی جمہوریت کے حوالے سے اسلام میں جمہوریت کی بات کی۔ کبھی ان کے موجودہ نظام کے بعض خوبیوں کو اسلام کے قدیم دور میں تلاش کیا۔ بہر حال ان کے تحریر و عمل میں معذرت خواہانہ انداز شدت سے موجود رہا۔ جو اس ہمگیت مرعوبیت کا پر تو تھا جو اس وقت تمام ملت اسلامیہ پر چائی ہوئی تھی اور اس وقت

مغرب ہند کا مسلمان ہے نہیں بلکہ پوری دنیا کے سلام مغرب کے استعمار میں پنچے کے گرفت میں تھے اور اب تو اس میں اس پنچے سے گرفت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ہمت بھی قریب قریب دم توڑ چکے تھے۔ اس لئے مذکورہ معذرت خواہانہ انداز کا اختیار کیا جانا شاید اس وجہ سے تھا کہ اس وقت مسلمان قوم کو ہر چیز کو جسے کہ اپنے عمدہ اقدار تک کو بھی مغرب عینک سے پرکھنے کی عادت ہو چکی تھی وہ کسی بھی علم و فن، سیاست نظام جسے کہ تعلیم و طب کو بھی مغرب سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ اپنے دس کے کپڑے پر بھی افرنک کا ٹھپا لگا ہوا دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں اصلاح کا کام کس قدر مشکل تھا۔ اس کٹھن صورت حال کے وجہ سے سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے مشرقیت کو مغربیت کے حوالوں سے روشناس کرانے کی تحریک جاری کی۔ لیکن میرت و تعجب کا مقام ہے کہ اسی دور میں پنجاب کے دل لاهور سے مولانا محمد حسین آزاد نے مشرقیت کو براہ راست خود مشرقیت ہی کے لئے حوالے سے روشناس کرانے کی داغ بیل ڈالی اور علوم شرقیہ کے کالج کے بنیاد رکھ دی جو بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے تاسیس کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ادب اور سماجی اصلاح کے لئے انجمن پنجاب کے ذریعے بھرپور کام لیا گیا۔

بہر حال ابھی مغربیت تھی کہ مسلمانوں کو اس تباہ کن مغربیت کے دلدل سے نکالنے کے لئے معذرت خواہانہ انداز ترک کیا جائے اور انہیں براہ راست ان کے قومی خصوصیات سے آگاہ کیا جائے۔ ان کے عظمت رفتہ ان کو یاد دلائے جائے اور ان کے مقابلے میں مغرب تہذیب و تمدن، سیاست و معیشت، تعلیم و تربیت اور اس کے دیگر نظاموں کی خرابیاں آگے بڑھ کر ان کو بتائے جائیں تاکہ مسلمان مغربیت کے زریعے سے نہایت حاصل کر کے خود اپنے لئے سفیر و ترقی کے راہ متین کریں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ دور بھی آگیا کہ عالمگیر پیمانے پر خونریزی کرنے کے بعد یورپ اقوام کی طاقت مضبوط ہو گئی تھی۔ ان کے استعمار میں پنچے کے گرفت سے ڈھیلی ہونے لگے تھے۔ اب وقت آپہنچا تھا کہ مسلمانوں کو خود انہی کے حوالے سے اپنے پہچانے کرائے جائے۔ اور ان کو ان کے مقام برتر کا احساس دلایا جائے۔

اس دور کے تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ احساس بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ میدان میں آچکی تھی۔ ایسے میں قدرت سر زمین سیکلکٹ کے ایک فرد مسلمان اقبال کو اس امر کے لئے چنے چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کے بہترین اقدار کو دوبارہ ان سے متعارف کرائیں۔ اور مغرب سے تعلیم یافتہ اور مغرب دیدہ ہونے کے بنا پر مغرب سے ان کا تقابل کر کے مغرب کی خرابیاں ان کے

عیات کریں۔ چنانچہ اقبالؒ نے اس کے لئے کمر بستہ باندھے اور اپنے زبان سے دیانے کو مسلمانوں کے بیداری کے لئے استعمال کیا۔ اس کے لئے انہوں نے 'خودی' کا نظریہ پیش کیا۔ اور مسلمانوں کو اپنے خودی بند کرنے کے دعوت دی تاکہ جس احساس کتری نے مسلمانوں میں اپنے جڑیں گاڑ رکھے ہیں اسے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مغربی تہذیب کو بھی آئینہ دکھایا اور میکیا دل کے عطا کردہ اخلاق سے غاری مغربی، لادین چنگیزی سیاست کو بے نقاب کیا۔ جس میں مذہب کو صرف استعمال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

میری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادین
 کثیر اہرمن ددوں نہاد دُردہ ضمیر
 ہوئی ہے توحید کا کلمہ حاکمِ آذاد
 فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبندِ زنجیر
 متاعِ غیر یہ ہوتی ہے جب نظر اسکی
 تو میرے ہر ادلے لشکرِ کلیہ کے سفیر

اقبالؒ کو مغربی علوم و تمدن کے جلوہ سامانیاں اور ملتِ سانیاتِ مرعوبہ ذکر کیے بلکہ انہوں نے اپنی فہم و فکر کو محمد دآلِ محمد کے فہم سے حاصل کیا۔ خود فرماتے ہیں:

خیر نہ کروں کراچی جُلوہِ دفترِ فرنگ
 سرِ مقامیری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتِ گرامی کو ملتِ اسلامیہ کی قومیت کا مرکزی نقطہ قرار دیتے ہیں اور وطن کی بنیاد پر قومیت کے زبردست تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
 ہند ہی بنیاد ہے اسکی نہ فارس ہے نہ شام

آہِ نثر ہے، 'مُسلم کا تو'، ماویٰ ہے تو
 نقطہ جاذبہ تاثر کے شعاعوں کا ہے تو !!!

علامہ اقبالؒ نے عقلی غلامی کے تردید کے لئے جذبہٴ غلو میں پر زور دیا ہے اور اس کے لئے 'عشق' کے اصطلاح استعمال کے اور مسلمانوں کے عظمت رفته میں 'عشق' کے کار فرمائی ثابت کی۔ 'عشق' سے بے بہرہ عقلی غلامی میں جکڑے ہوئے ملاؤں کے پر زور مذمت کے اور قرآن پر ان کے چہرہ دستیوں اور اسلام کو اپنی ذہنی قلابازیوں کے آماجگاہ بنانے پر ان کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی۔ ان کے نزدیک یہ لوگ ملت اسلامیہ کے زوال کے باعث تھے۔ ایسے لوگوں نے ملت کے کشتے کو بھنور میں سے نکالنے کے بجائے اس کو ڈبو کے کوششیں کی تھیں اور یہ علامہ کے نزدیک بہتے ڈری 'بوالعجبی' تھے۔ وہ ایسے لوگوں کے بارے میں ایک جگہ فرماتے ہیں

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدلتے دیتے ہیں
 ہوئے کس در بقیعہاںِ حرم بے توفیق
 ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص عکس کتاب
 اس کا حق نہیں مومن کو غلامی کے کر لیتے

ملت اسلامیہ کو 'عشق' کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے سامنے 'عشق' کے آئیڈیل (نمونے) بھی پیش فرماتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا خود رویہ یہ ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ مثالی نمونے بھی پیش کرتا ہے۔ قرآن نے ابراہیم علیہ السلام کو آئیڈیل مسلم کی حیثیت سے پیش کیا اور ان کے بارے میں فرمایا:

مَا كَانَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ
 حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۝

(ابراہیم) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو بالکل (خالص) تھے۔

اور پھر مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کے حیاتِ مقدسہ) میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔

ان کے اور مقام پر ارشاد ہوا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ دَالًّا
عِزْرًا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام عالینے میں سے آدمؑ و نوحؑ کے شخصیتوں،
اور آلہ ابراہیمؑ (اولاد ابراہیمؑ کا معصوم سلسلہ انبیاء) اور آلہ
نرانہ (یعنی آلہ محمدؐ کا معصوم سلسلہ اوصیاء و آلہ) کو مثال
حیثیت سے چنے لیا ہے (اب یہ قلمت اسلامیہ کے لئے مثال بنوئے نیکلے ہیں۔)

سب پر یہ روشنی ہے کہ اسلام کے یہ نمونے اور ہیرو (HERO) مغرب کے ہیروز کے مقابلے میں بالاتر
اور کہیں زیادہ تداور ہیں اور مسلمانوں کے دلوں میں اب تک ان کے عظمت کے نقوشے جگمگاتے ہیں۔ ظاہر
ہے کہ ان کے حوالے سے جو اقدار مسلمانوں کے سامنے پیش کیے جائیں گے وہ دل و جان سے انہیں اپنانے
کے کوشش کریں گے۔

علامہ اقبال کے تمام تر شاعری کے بنیاد ہیں، 'کاروانِ عشق' ہے۔ اور اسے کاروانِ عشق کے عقیدت و
محبت کا احساس اس پر پورے طور پر چھایا ہوا ہے۔ کہیں وہ 'صدقِ خلیل' کو عشق کہہ رہے ہیں تو کہیں
'صبرِ حسین' کو عشق کے امتیاز سے قدر تیار ہے ہیں۔ کہیں وہ عشق کے لئے علی کے ذاتِ گرامی کو 'سرمایہ پائے
قرار' دے رہے ہیں اور کہیں جھوم جھوم کر کہتے ہیں:

جہاں عشق دستی نے نوازی ؟
جہاں عشق دستی بے نیازی
کہاں عشق دستی طرفِ حیدر
زوالِ عشق دستی حریفِ رازی ؟

اور پھر محمدؐ آلہ محمدؐ اور عصمت کا مرکزی نقطہ جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کے ذات والہ صفات کے باریکیوں
اپنی مشہور مثنوی رموز بے خودی میں اعلان کرتے ہیں:

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق

مادرِ آں کلہ والہ سالارِ عشق

اقبال نے اپنے شاعری میں جا بجا ان "قائد سالارِ عشق" کو ائمہ سلسلہ کے عظمت کے نمائندہ
(Symbol) کے طور پر استعمال کیا ہے اور ان کے حضور اکثر اپنا فراج عقیدت پیش کیے ہیں۔ حقیقت
Contact: jabir.abbas@yahoo.com <http://fb.com/ranajabirabbas>

یہ ہے کہ یہ آسمانِ ہدایت کے دو درخشندہ ستارے ہیں جن کے ذریعے ہم مراۃِ مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں اور ان کے مثالِ فراہِ رسولؐ کے مطابقت دینے و دنیا میں کشتیِ نجات کے ہے۔ اگر مسلمان قوم کو اس دنیا میں سراجِ ہدایت ہے تو اسے ضرور اس 'کارِ وائے عشق' کے آتے پر اپنا سر جھکانا پڑے گا۔

زیرِ نظر کتاب میں ملکہ کے ممتاز شاعر جناب احسن عثمانی نے خاکِ مدینہ و نجف کے منترِ ذرات کو یکے جا کر کے اس دیدہ زیب شے میں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ ملتِ اسلامیہ کے لئے کھلے نظر کا کام دے اور وہ اقبال کے پیام کے روح سے آشنا ہو سکے۔ مدحِ آلِ محمدؐ ہے وہ روح ہے جو اقبال کے تمام کلام میں جاری و ساری ہے۔ اور پھر اس کتاب کے خولے یہ ہے کہ شعرِ شاعر کے تشریح بزبانِ شاعر ہے۔ شاعر ہی شاعر کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ اور انہوں نے اتنی شگفتگی سے شعرِ اقبال کے شرح کے ہے۔ اور اس کے افکار کو ایک سلسلے میں پر دیا ہے کہ اقبال کے فکرِ قاری کے ذہن کے تاریک گوشوں کو روشن کرتے چلے جاتی ہے اور ذرا بھی گرائے محسوس نہیں ہوتے اور کیوں نہ ہو آخر اقبال کے شرح اقبال کے زبان ہے۔

یہ کتاب ہر طرح جامع ہے اور اپنے موضوع کا مکمل طور پر احاطہ کرتی ہے۔ نیز سلسلے محمدؐ د آلِ محمدؐ کے ہر گورہر شہوار کے بارے میں اقبال کے احساسات و جذباتِ عقیدت کو پیش کرتی ہے جبکہ اسے پیشتر شائع ہونیوالی ایک کتاب 'اقبال آلِ محمدؐ کے دربار میں' رسالتِ مآب کے تذکرہ سے خالی رہی اور ایک اور کتاب 'اقبال اور حبِ اہلبیت اطہار' میں جناب مہدی المنظرؒ کے بارے میں اقبال کے افکار کو پیش نہیں کیا گیا۔

جناب علامہ سہیل بنارسوی
سابق چیف ریڈر بلدیہ بنارس (انڈیا)

اقبال در مدح محمد وآل محمد

یہ شاندار تصنیف اس حوالے سے سال مصنف کے زور قلم کا نتیجہ اور ذہنی تخلیقات کا شاندار کرشمہ ہے جس کے نیم پختہ زندگی میں کا بیشتر حصہ ادبی و ادبی کے سر و گرم ہواؤں میں بسر ہوا، مصنف موصوف سید اقبال حسین زیدی اپنے تخلص "حسنِ عمرانی" (چنیوٹ) کے ساتھ ادبی ماحول میں خاص مقام کے حامل ہیں۔ ادارہ معارف اسلام لاہور کے روح رواں اور پاکستان رائٹرز گلڈ کے ممبر ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔ طبیعت کا جھکاؤ دینے خدمات کے جانب ہے۔ فطرت فیاض سے موصوف نے بہت کچھ پایا ہے۔ کاش زمانہ بھی ساتھ دے سکے گا۔ سال سے زیادہ کے مستقل کارکردگی کے تجربے نے وہ وسعت نظر عطا کی ہے کہ نظم کے جولانگاہ ہو یا نثر کا میدان ان کی سعی ہر جگہ مشکور نظر آتی ہے۔ قریب تر مطالعہ کے بنا پر یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ حسنِ عمرانی کا ادبی شعور بیدار اور ارتقائی رفتار برسرِ کار ہے۔ ایسے ادبی اور دینی مجاہد کے روشن مستقبل کا خواب شرمندہ تعبیر ہونا چاہیے۔

زیر مطالعہ تصنیف "اقبال در مدح محمد وآل محمد" از اول تا آخر تصنیف و تالیف کے حین امتزاج کے عکاسی کرتی ہے۔ مضامین کے انتخاب اور بر محل استعمال میں جس بالغ نظری سے کام لیا گیا ہے قابلِ تائید ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے خیالات کی عظمت، کلام کی ندرت اور رہنمایانہ دین کے ساتھ پناہ مقدس نے ہر کتبہ فکر سے وابستہ افراد کو اپنے اپنے حوصلے کے مطابق طبع آزمائی کے دعوے دیے ہیں۔ اہل قلم لبیک کہہ کر اٹھ آگے بڑھے اور بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ایک سلسلہ جو مسلسل منظر پیش کر رہا ہے۔ حق بھی یہی ہے کہ میں باوجود ہرگز نہ کوئی روح بخشی رہے۔ حسنِ عمرانی صاحب نے عقیدت منان کا شوق کے ساتھ

انتخاب میں غیر معمولی دلچسپی لے اور کتاب کے صورت میں خوش اسلوب سے قارئین کو رام کے ملاحظہ کے لئے پیش
کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ یہ کتاب ہر پہلو سے ایک مکمل کتاب کہے جانے کے قابل ہے۔ دیکھنے میں لگا ہوں
کی زینت، پڑھنے میں ذہن و روح کی لذت !
امید ہے کہ مصنف موصوف کے یہ پر خلوص کوشش ٹھلائے گئے اور مقبول خاصے و عام ہو کر حوصلہ
افزائی کا باعث ہوگی۔ بعد تمنائے نیک

سہیل بنارسی

پنجشنبہ ۲۷ جنوری ۱۹۷۷ء، صفر المظفر ۱۳۹۷ھ ہجری ۱۱۱۱

شاءِ حُسنیت حضرت قیصرِ ہند
صدرِ سلسلہ شعراءِ اہل بیت (پاکستان)

اقبال در مدحِ محمد و آلِ محمد

”اقبال در مدحِ محمد و آلِ محمد“

ایک ایسے منفرد اور معالجِ روح کتاب کا نام ہے جس کا مطالعہ آپ حیات سے کم نہیں۔
وہ لوگ جو اپنے شعور کو پروان چڑھاتے ہیں یقیناً ایسے ہی کتابوں سے محبت کرتے ہیں۔

جس طرح اچھے غذا انسان کے جسم کو بہتر دینے خون فراہم کر کے صحت مند رکھتے ہیں اسی طرح اچھے کتاب روح کو بیمار نہیں ہونے دیتے۔

کیا روح بھی بیمار ہو سکتی ہے؟ یہ سوال آپ فرد کریں گے۔ جسے اس روح کے بیمار ہونے کا باعث وہ کتابیں ہیں جو صرف ذہنی عیاشی اور غلیظ ماحول کا آئینہ دکھا کر انسان کو حیوان کا روپ دھارنا سکھاتی ہیں۔ رنگین لفظوں میں نفس پرستی کر بھنور بہتے دلکش، نہایت دل ذریعہ اور حسین ترین نظارہ پیش کرتے ہیں لیکن معاشرے کے ناؤ ڈبو دیتے ہیں۔

معاشرے کے ناؤ کو ڈوبنے سے بچانا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے انیس کا شعور اور اقبال کا انداز فکر درکار ہے۔ کیونکہ زیرِ نظر کتاب صرف اقبال سے متعلق ہے اس لئے گفتگو بھی صرف اقبال ہی پر ہوگی۔

آئیے اقبال کو تلاش کریں۔ اقبال علامہ ہیں۔ ضرور کہیں ایسے جگہ ملیں گے جہاں علم کے بارش ہو رہی ہو، جہاں علم لولے رہا ہو، ہمیں معلوم ہے کہ اقبال تمام دنیا کے ماہرینِ علوم سے مل چکے ہیں۔ اقبال نہ مغرب کے

دانشوروں سے مطمئن ہوئے نہ مشرق کے نکتہ جیوں سے متاثر ہو سکے۔ اقبال کے نگاہ کا سفر تمام ہوا تو انا
مدینۃ العلم وعلیٰ بابہا کے فضاؤں میں تمام ہوا۔

کیا اقبال کہیں زرد دھوپ کے پہاڑ یا برف کے پھولوں میں نگارہ کش ملیں گے یا دور برگد کے نیچے
کسی دوشیزہ محراب سے بکلام نظر آئیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اقبال تو اس دربار میں سجدہ ریز ہیں جہاں انسانی عظمتوں کا درس دیا جا رہا ہے۔ اشرف المخلوقات کے
معنی بتائے جا رہے ہیں تخلیق کائنات کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے۔ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا
لِيَعْبُدُونِ کے تفسیر سنائے جا رہے ہیں۔

یہ بارگاہ، حرف محمد و آل محمد کے بارگاہ ہے اور اقبال کے درسگاہ!

اقبال دنیا دے تاجداروں کے سامنے نہیں جھکتے بلکہ اِنِّیْ جَائِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفہ کے مصداق
ہستیوں کے آستانے پر دستور اسلام کو منظم کرنے کے دعائیں مانگے رہے ہیں۔ اقبال کے دعائیں قبول ہوئیں
عاشق رسول نے آل رسول کا وسیلہ اختیار کیا اور سب کچھ پایا۔

فاظرب!

یہ بھی کتن عجیب بات ہے اور کس قدر حسین اتفاق ہے کہ اقبال درمدح محمد و آل محمد کے مؤلف بھی
سید اقبال حسین ہیں، دنیا نے فکر و سخن میں احسن عمرانی کے نام سے مشہور ہیں۔ دیکھیے احسن عمرانی کے
مقامی مجلہ کا نتیجہ کتنا خوبصورت اور بالیدگی روح کے لئے کتنا اچھا نسخہ ہے۔ نام ہی سے ظاہر ہے "اقبال
درمدح محمد و آل محمد"۔ اقبال نے محمد و آل محمد سے جو کچھ پایا وہ فرزندِ اسلام میں تقسیم کر رہے ہیں۔
احسن عمرانی صاحب ماشاء اللہ بہتے خوب لکھتے ہیں اور انفرادیت کے طرے بڑی تیزی سے
سے بڑھ رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ احسن عمرانی کا منفرد انداز تحریر منفرد اور بابِ فن سے خراج تحسین حاصل
کے گا۔

راقم الحروف کو احسن عمرانی سے بڑا پیار ہے۔ جس طرح ایک بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی سے۔
لہذا ہزار دعاؤں کے ساتھ چند سطروں پر درِ قلم کے گئیں۔

قیصر بارہویؒ

۸ اپریل ۱۹۷۷ء

تکمیل جہاں

سید بھائے کے دوستوں کے فہرست بہت طویل ہے۔ ان کے حلقہ احباب میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ ہیں۔ نذیر اکبر آبادی کے طرح ان کا مزاج عوامی ہے۔ کسی بھی رنگ میں ہو وہ زندگی کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں۔ شہر میں کوئی محفل، کوئی ہنگامہ ہو سید بھائے کو موقع ملے تو ضرور جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی جیسے گوشہ نشین کو کبھی ساتھ کھینچ لے جاتے ہیں۔ طبیعت کے ہنگامہ پسندی اور زندہ دلانے نے ان کے شب و روز مصروفیت کے نام لکھ دیے ہیں۔ ایسے میں مطالعہ کے لئے وقت نکالنا اور ایک ضخیم کتاب کو سچ مخمّل کر دینا ہی سید بھائے کے عزم و عظمت کے دلیل ہے۔ میرے خیال میں ایسے بنیاد اور عظیم الفرصت انسان کے ہاتھوں — اقبالؒ در بدر محمدؒ والی محمدؒ جیسے کتاب کے تکمیل ہو جانا — جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

اس موضوع پر جن کتابوں کو ادیت کا شرف حاصل ہے ان حضرات علامہ مرزا احمد علی مرحوم کے ”پیام اقبالؒ“ اور نوائے اقبالؒ ہیں۔ علامہ صاحب کے علمی فضیلت اور گرانقدر دینے خدمات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ ایک جید اور باعمل عالم تھے۔ ان کا میدان بہت وسیع تھا۔ شاید اس لئے وہ اس طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے۔ اور صرف اشعار کے تراجم تک محدود رہے۔ رئیس احمد جعفری نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور کتاب ”عشقِ رسولؐ“ لکھی۔ رئیس نے حضور کریمؐ کی شان میں اقبالؒ کے تمام اشعار کو کیے جا کیا ہے۔ ذکر اہل بیتؑ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ذکر رسولؐ کے ساتھ ذکر اہل بیتؑ بھی ہوتا تو تشنگی محسوس نہ ہوتی۔

سید محبوب زیدی نے اپنے کتاب ”اقبالؒ اور حقؑ آئمہ اطہارؑ“ میں اس کے کوپرا کرنے کے کوشش کی مگر امام مہدیؑ کا ذکر نہیں کیا۔

اس موضوع پر ایک اور کتاب — ”اقبالؒ آل محمدؑ کے دربار میں“ نظر سے گذری جس کے معنی سید

نجم الحسن ہے۔ ایم ایس اردو ہونے کے ناطے اگر وہ زبان دیان کے دلکش اور اثر انگیزی کے طرف تھوڑا سا دھیان دیتے تو تحریر میں جان پیدا ہو جاتے۔ ان کے تحریر میں مادرِ زبان کا اثر غالب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں نثر کے باب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے وقارِ انبالیوں کے شعر اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے

اک حرفِ پیدائش ، اک سجدہٴ شہریت

کو اقبال سے منسوب کر دیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے تحقیق کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

ان تمام کتابوں کو سامنے رکھ کر جب میں سید بھائی کے کتاب ”اقبال در مدح محمد وآل محمد“ کو دیکھتا ہوں تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ صرف غزل اور سلام ہی کے شاعر نہیں بلکہ ایک خوبصورت نثر نگار بھی ہیں۔ ان کا اندازِ بیان ، اشعار کی تشریح اور اس پر اپنے رائے — مختلف شعراءِ کرام کے اشعار کو نہایت چابکدستی سے انگوٹھ میں نگینے کی طرح جڑنا — ان کے ایک ایک باتِ نقاد اور قاری سے زبردستی داد وصول کرتے ہیں۔ میرے نزدیک اس موضوع پر یہ ایک مکمل اور جامع کتاب ہے جس میں حضورِ اکرم سے لے کر امام مہدیؑ تک کے تاریخ — اقبال کے اشعار کی روشنی میں لکھی ہے۔

زبان ، بیان ، ترتیب ، تشریح غرض کوئی پہلو کمزور نہیں۔ جو احباب سید بھائی کو اب تک صرف ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے وہ مانیں گے کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ اپنے پائے کے نثر نگار بھی ہیں۔

مزے کے بات یہ ہے کہ سید بھائی..... تحصیل کیتھل ضلع کرنال (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ولکھن بھی ایک ایسے ہی علاقے چنیوٹ ضلع جھنگ میں گذرا۔ مگر ان کے اردو — اتنی شستہ ہے کہ ان پر کبھی کبھی لکھنوی ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ اگر وہ سنجیدگی سے کام کریں اور گردشِ زمانہ انہیں فرصت دے تو وہ اس میدان میں بہت آگے جا سکتے ہیں۔ اس موضوع پر یہ ہر طرح سے ایک کامیاب کتاب ہے جس میں طرح نماز و د کے بغیر اور درودِ آلِ محمدؐ کے بغیر نامکمل ہے اس طرح اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا سرکل اس کتاب کے بغیر نامکمل ہے۔ اردو ادب میں یہ کتاب ایک گر انداز اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سید بھائی کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔

سکندر سہرا بے میو ، ایم۔ اے

مجلسِ اقبال

اقبال کا دعویٰ ہے :-

سیا مجلسِ اقبال یکے دو ساغر کش

اگرچہ سر نتراشد قلندر کے داند !

مجلسِ اقبال میں آ۔ دو ایکے ساغر پہ اور پھر دیکھ سر منڈولنے

کے بغیر مجھے کیونکر قلندر کے آجاتی ہے :-

میرے بہترین رفیقے کار اور قابلے سائنس قلمکار عزیزم احسن عثمانی نے اس کتاب (اقبال در مدح محمد وآل محمد) کے شکل میں ایک ایسی ہی مجلس قائم کی ہے۔ جس میں میر مجلس علامہ اقبال ہیں۔ آئیے! دو چادر چڑھ بیٹھے! آئیے صاحب آئیے! اور قلندر یعنی مردِ حُر بننے کا کرشمہ دیکھیے!

● فکرِ اقبال کے ڈھانچے (STRUCTURE) میں خودی و خود داری یا ایغو BELOVED EGO

ریڑھ کے بڑی ہے۔ خودی شخصیت کا نگار ہے۔ علامہ اقبال نے اسی عظمتِ انسانی اور شرفِ مسلمانے کو جلا دی۔
نوجوانوں کے خون کو گرہ پایا اور ملتِ مسلمہ کو ولولہ تازہ دیا۔

"خود سے بے خودی تک" اور "خود سے خدا تک" پہنچانے کے لئے جو بنیادی اقدار اقبال نے پیش نظر رکھیں وہ عشق و دوستی، صدق و صفا اور فقر و استغناء، زور و مردانگی ہیں۔ ان اقدار کے IDEALS جو علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے سامنے ہر آن بڑی شان سے رہتے ہیں وہ عشقِ ابراہیمی، قربِ کلیمی اور پھر قرآنِ غیر (مستطوی) میں عشقِ یدِ الہی، اسدِ الہی، زو جیدری، فقر خیر گیری اور گوترا لے، استغناءِ سلمانے، صدقِ سلمانے، روحِ بلا لے فقر و زوری اور فقرِ شبیری ہیں۔

ان اقدار پر عمل پیرا ہونے سے جو کردار پیدا ہوتا ہے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسے ابراہیمی و کلیمی اور رحمتِ للخالقین کے بوا جیدری و کرم آری اور شبیری کے ناموں سے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ کہ لفظِ مسلک کے اگر اقبال نے کسی کو تلخ و شاعرانہ علامت بنایا ہے اور اپنایا ہے تو وہ صرف "مسلکِ شبیری" ہے۔

اور پھر ناش کھ دیا " ہامن میا کہ ملک شہیرم آزد دست " میرا مقلد اور بہت قدم توڑ دیتا ہوں گا جو میری طرح ملک شہیری پہ گامزن ہو۔

ملک شہر دشاہین کے پس منظر میں بھی " شیر مولا " اور شاہین شاہ لولا کے " کے حقائق ہی ملیں گے۔
ایسا کردار ہی معراجِ سلما نی ہے۔ ایسا صاحبِ کردار ہی مردِ مومن اور فردِ کامل ہے۔ ایسا مردِ خدا ہی فوق البشر ہے۔ ایسا مردِ مومن تکمیلِ خودی کے بنا پر ہی بلند ترین شخصیت TOWER PERSONALITY کا مالک ہوتا ہے۔ اسی لئے اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے اور مرجعِ انام ہو جاتا ہے۔ مردانِ حُر اے اپنا امام ماننے لگے جاتا ہے۔ اور درویشانِ خداست لے اپنا پروردگار بنالیتے ہیں اور مردانِ قلندر اپنے رجحان سے اپنا پیشوا جان لیتے ہیں۔ مردِ قلندر وہ کامل انسان ہوتا ہے جو خودی (خود) کے اثبات سے خود کے اثبات تک جا پہنچتا ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه کا مصداق ہوتا ہے۔

اقبال کے فلسفہ خودی کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ خودی کے کامل ترین صورتِ خدا ہے جو اپنی شانِ یکتائی میں سب سے اعلیٰ ہے۔ انسانی خودی انفرادیت کے منازل طے کرتے ہوئے خدا سے قریب تر ہو جاتی ہے۔ لیکن اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھتی ہے۔ علامہ اقبال کا نظریہ خودی اسی مقام پر سب سے درست کے نظریے مختلف ہو جاتا ہے۔

" نہایت مرد مومن " مولا صفات ہو جاتا ہے۔ یزدانِ صفت انسان ہو جاتا ہے۔ صبغة اللہ اس پر اتنا زیادہ پڑھ جاتا ہے کہ خدائی رنگ کے وجہ سے لوگ نصیری کے طرح بھولے بھول کر اسے خاک بننے لگے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا کا ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ کائنات پر اسے تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی تصرف کو معجزات کا نام دیا جاتا ہے۔ تسخیرِ حیات، تسخیرِ کائنات، تسخیرِ شش جہات اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہوتا ہے۔ بائیں کا نہیں انگلی کا بلکہ آنکھ کے اشارہ کا ہے۔ ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب و کارِ فریب، کار کش، کار ساز

گویا یدِ اللہ ہو جاتا ہے۔ اسے کامرِ فعلی، فعلی خدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی رنگ کے بنا پر وہ خود بھی مولا ہو جاتا ہے۔ اور راہِ نجات یا مراطِ مستقیم پر راہ نما ہو جاتا ہے۔

ایسا بندہ مولا صفات ہی نام سے جتے ہوتا ہے۔ وہی خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ۔ وہ نبی ہوتا ہے۔ وہ امام الانبیاء ہوتا ہے۔ وہ رسول ہوتا ہے۔ وہ امام المرسلین ہوتا ہے، بعد رسول وہ وحی رسول ہوتا ہے۔ اور بعد ختم الرسل ایسا ہی مولا صفات امام ہوتا ہے۔ ولی اللہ ہوتا ہے۔ وہی رسول اور اولی الامر ہوتا ہے۔ گویا امیر المؤمنین ہوتا ہے۔

ہوئے جسے کے خودی پہلے تیز دہی دہی دہی آخر زمانے

اور ایسا ہی موصافات آخری ادب الامر صاحب العصر والزمانہ اور مہدی دور اس ہوتا ہے۔

● آج دنیا اقبال اقبال پکار رہی ہے۔ مگر اقبال خود کو پکارتا رہا۔ یہی وہ نفس مضمون ہے جسے عزیزی احسن عمرانی نے اپنی تصنیف لطیف "اقبال در مدح محمد دآل محمد" میں چھڑا ہے اور ایسے ایسے مضارب لگائے ہیں کہ یادگار زمانہ رہیں گے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ خود ابراہیم دآل ابراہیم کے بعد محمد دآل محمد کے ازکار ہیں کرتا رہا۔

دور میں لگا ہیں صاف دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے "سوزِ دروں" اس کے "پچ و تابِ رازی" اور اس کے "سوز و سازِ رومی" کے چھپے چھپے تھے۔ جسے وہ بخود ہیوں کبھی یوں کبھی دوں کہہ دیتا ہے۔

"اسے زمانے میں کوئی حیدر کر رہا ہے؟".....

"تافلہ حجاز میں ایکے حسین بھی نہیں؟".....

"وہ گئی رسمِ ازاں روحِ بالائی نہ رہی".....

"کبھی اسے حقیقتے منتظر نظر آلباس مجاز میں؟".....

پچ و تاب میں پکارتا ہے:-

اے سوارِ اشعب دورات بیا + اے فروغِ دیدہ امکاں بیا

(ترجمہ) اے زمانے کے گھوڑے کے سوار آئے امکاں کے آنکھ کے نور آ!

اور کبھی بخود میں چلاتا ہے:-

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کے ضرورت

ہو جس کے زلزلہ عالمِ افکار

● مردِ مسلم کے لئے محض قرآن کو کافی نہیں جانا بلکہ جہاں قرآن کے متعلق علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:-

گروہی خواہی مسلمان زیستنہ نیستے ممکنہ جز بہ قرآن زیستنہ

وہیں یہ یقین حکم بھی فرمیشہ فرمایا:-

زمر قرآن احسن آموزیم بہر زاتش ادشعلہ اند و ختم

اقبال یوں قرآن اور محمد دآل محمد کے ثقلین کو زیت مسلمان کے لئے ضروری جانتے تھے۔

● غرض اپنے شاعر کے اپنے فلسفہ، اپنے فکر، اپنے دین، اپنے پیغام اور اپنے مہن کے لئے علامہ علیہ الرحمہ

کو ایسے نمونہ لئے تقلید، ایسے اسوۂ حسنہ کی تلاش تھی جو ہر پہلو سے ماڈلز MODELS اور مثالی ہوں۔

اسے سرگردانی میں وہ برسوں بھرتے رہے یہاں تک کہ اولیوں کو شکش میں گور و ناکے تک کے متعلق کہہ دیا۔
 ”مہند کو اکے مرد کا دل نے جگایا خواب سے“ (ہائے دریا بنوانے ہائے) اور کبھی مہر یعنی کے طرف سے نگاہ التفات جہاں
 بلاخر اس کا سچا عیسائی نہیں حق کے طرف سے گیا اور انہیں دربار محمد دآلے محمد میں لے آیا۔ جو بولتے قرآن تھے۔
 جو قرآن کے (EMBODIMENTS) تھے۔ جس کے کہ دار قرآن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ جنے کا خلق
 قرآن تھا گویا وہ قرآن ناطق تھے۔ عشق محمد تو پہلے ہی سر پر سوار تھا پختہ پاک کے باقی افراد کے عشق سے بھی
 سرشار ہو گئے۔ اب اقبال کے مقدمہ کا ستارہ اقبال پہ ہوا۔ اور وہ سارے مسلمانوں کے محبوب ہو گئے۔
 اسے درد کے انہ کیفیات کو خود انہوں نے یوں شعر بند کیا ہے۔

تب دتا ہے بکدہ عجم نرسد لبوز و گداز من
 کہ بیکے نگاہ محمد عرب گرفتے حباب من
 ترجمہ: بکدہ عجم کے تب دتا ہے میرے دل میں سوز و گداز پیدا نہ کر سکے وہ
 اسے لئے کہ تو عرب کے ایک نگاہ نے میرے دل کے حجاز کو قابو کر لیا۔
 حسد ہے حمد مرخائے پاک را آں کہ آسمان داد شتہ خاک را
 بے حد ترفیع اس روح عرب کے جس نے منے خانے کو آسمان بنا دیا۔
 خیر نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ سر ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

—

از دلائل دودمانش زندہ ام در جہاں مثل گہر تابندہ ام
 میں تو مسلم اولیٰ شاہ مردان علیؑ بھی کے خاندان کے دلا و محبت سے زندہ ہوں اور دنیا میں موت کے طرح
 تابندہ ہوں۔ اسی سے میں اقبالی صاحب اقبال ہو گیا ہوں۔
 رشتہ آئین حق زنجیر پاستے پاس فرمانے جناب مصطفیٰ است
 ورنہ گرد و ترش گریدے سجدہ با بر خاک او پاشیدے!
 خدا کا آئین میرے پاؤں کے زنجیر ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ کے فرمان کا پاس ہے ورنہ میں تو نور چشم رحمتہ اللعالمین
 حضرت فاطمہ الزہرا سیدۃ النساء العالمین کے قبر پاک کے گرد طواف کرتا اور اس کے خاکے پر سجدوں کے
 بارش کرتا۔

اے صبا! اے پکیے دور افتادگان بہ اشک ماہر خاک پاک اور سات !!
 اے ماد صبا! اے دور افتادوں کے قاصد! ہمارے آنسو امام حسینؑ کے خاکے کے رہنما۔

نظریہ
مجدوبے رنگی نے باندھ دنگی !! ہمدی کے تخیل سے کیا زندہ دھن کو

اے وہ کہ تو ہمدی کے تخیل سے ہے بزار نوید نہ کر آہوئے شکسے سے خون کو

◎ غرضیکہ یہ ظاہر ہے کہ اسلامی مکاتب فکر میں سے اقبال کو ذہنی پناہ اگر کہیں ملی تو وہ شیعہ برانداز آف تھاٹے میں ملی۔ لہذا اس کے فکر و فن اور شعر و سخن اور پیغام و مثنوی میں یہی رنگ و رنگ غالب ہے۔ چھوے تو کہا گیا ہے۔
ہے اس کے طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا

تغییب علیؑ ہم نے سنی اس کے زبانی !! (باگ در)

علامہ اقبال اپنی دعاؤں میں اپنے لئے اور امت محمدیہ کے لئے جو مانگا کرتے تھے ان میں بھی یہی رنگ

ہے

جسے نان جو بن غشی ہے تو نے اے بازوئے حیدر بھی عطا کر !

ریگے سوائے منظر کشی محباز نشہ کام

خونِ حسین بازو کو نہ دشام خویش را

یا اللہ حیثی کے رسم یار کو پھر دنیا میں عام کر دے۔

◎ یہ سال تو سال اقبال ہے۔ اس کے تقریبات میں سب سے اہم اقبال و انبالیات پر کتب ہیں۔ عزائم کی ساری کہ دکاوش اور فکر و شعر و نگارش پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جائے گی۔ ان میں احسن عمان کے تصنیف ”اقبال در مسیح محمد وآل محمد“ انشاء اللہ سب سے اونچے ہوگی۔ کیونکہ اس کا نفسِ معینوں و بے ہے جو اقبال کے ہر بات کے اندر رمزد ہڑ اور کنایہ و اشارہ کے صورت میں پایا جاتا ہے۔ جسے وہ کہیں رمزِ مستطی کہتے ہیں۔ کہیں ہز کلیم اور کہیں ہز ابراہیمی کہتے ہیں۔ احسن عمان نے ایسے ہی اسرار و رموز اور کنایات و اشارات اور لفظیات و شاعرانہ علامات کے تشریح بڑی زدانی اور کمال جانفشانی سے کی ہے۔ زبانِ شگفتہ ہے، بیانِ شستہ ہے۔ سلیں ہونے کے باوجود با محاورہ ہے۔ روزمرہ ہے۔ حاشیہ پر اسلامی لٹریچر کے حوالہ جات سے چمن آرائی ہے۔ یوں لگے جیسے کہ ہمارا آئی ہے۔

احسن عمان اپنی شاعرانہ پختہ بیانی میں نامور ہیں۔ حلقہ شعرائے اہلبیت کے خاص رکن ہیں۔ کون سا مسالہ ہوگا جس میں احسن نہ ہوں۔ حلقہ میں خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ اختر مرحوم چنیوٹ سے غرض تلمذ رکھتے ہیں۔ چوٹی کی شخصیات کے مالک ادیب اپنے حلقہ یاران میں رکھتے ہیں۔ جن میں وہ اپنے ادیبانہ ذوق کے لئے سرد لعل بن ہیں۔ قومیں و کر کے حیثیت سے بے داغ گیر رکھتے ہیں۔

ادارہ معارف اسلام کے رکن رہیں گے علاوہ ماہنامہ معارف اسلام کے سابلٹ اسیری کے ایڈیٹر ہیں۔ یہاں میرا ان کو اپنا مخلص ترین رفیق کار پاتا ہوں۔ مذہبی ادب میں کارگزاری اور صحافت میں بڑی سرگرم عملداری کی بنا پر مجھے رائٹرز گلڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ اپنے عنوان اور اپنے شانے کے تقاضوں پر یہ کتاب اس کے مستحق ہے کہ اس کے نقاب کشائی کی تقریب رائٹرز گلڈ کی طرف سے ہو۔

اللہ تعالیٰ احسن عمرانی کے یہ عمل سعی قبول فرمائے اور ”اقبال در مدح محمد دآل محمد“ کو مقبول فرمائے :-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ
وَعَلٰی اٰلِهِ وَسَلِّمْ
وَعَلٰی اَبْرَاهِيْمَ دَاوُدَ اٰلِ اَبْرَاهِيْمَ وَسَلِّمْ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ

خاک پائے اہل بیت

بندہ ذلیل محمد ڈاکٹر ۶
عسکری بن احمد

رَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَطَاعُ بِإِذْنِ اللَّهِ
(التحرکات)

ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے
حکم سے۔ یعنی رسول مطاع مطلق ہے۔ (النساء)

کی محمدؐ سے وفاتوں نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(علامہ اقبالؒ)

يُسَبِّحُ لِنِهَا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهَا الْمَلٰٓئِكُ
وَلَهُ الْحَكْمُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

:- ترجمہ :-

(سُبْحِ کرتی ہے) اپنے پروردگار کی جو مخلوقات آسمانوں
میں ہے اور زمین میں۔ اسی کی حکومت ہے اسی کو شایاں
ہیں سب توفیض اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اہل حق زار مرز توحید از بر آست

اسرار در موز ۱۵

دَر اَتٰی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا مِّمَّ مَرَّاسْت

اقبال کے ہاں فلسفہ توحید داندہ کون ہے۔ اس حقیقت کا اندازہ علامہ مرحوم کے مندرجہ بالا شعر سے بخوبی کیا
جاسکتا ہے۔ وہ (اقبال) مرز آشتائے توحید والوہیت ان بندگانِ خدا کو قرار دیتا ہے جو حق شناس ہونے کے ساتھ ساتھ
حق پر قائم ہیں۔ اسی توحید سے علم و فضل و فرزانگی، حکمت و دانائی اور قوت و استحکام عید (بندے) میں وجود ہے۔

چوں مُقامِ عَبدِہٖ مُحْکَمٌ شُوْد

اسرار در موز ۱۵

کَاسَہٗ دَر یَوِزَہٗ حَبَامِ حَمِ شُوْد

حکیم الامت شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال مقام عید کے تعین کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ وہ (عبد) بات کا
دھنی، قول کا پکا، وعدے کا نیچا اور ارادے کا ناقابلِ تسخیر قلعہ ہوتا ہے۔ دیا اپنا رخ بدل سکتے ہیں، پہاڑ اپنی جگہ
سے ہٹ سکتے ہیں۔ برعکس اس کے بندہ حق کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش آنا، ناممکن، ناممکن، ناممکن اور جب

عبدِ رفعت کی منزل کو چھو جانے تو پھر گدائے بے نوا کا کارہ سر (کشکول) ساغر جمشید ہو کر تا ہے۔ اللہ اکبر!
علامہ موصوف نے کس خوبصورت انداز اور دلنشین پیرائے میں عظمتِ آدم کا فلسفہ پیش کیا ہے۔

از رسالت دو جہاں تکوین ما

از رسالت دین ما، اُمیر ہے ما
اسرار در موز ۱۹۱۱

علامہ صاحب! مقامِ عبد اور فلسفہٴ عظمتِ آدم کی گتھی سلجھانے کے بعد عبد کے وجودِ ذی جود کے عالمِ شہود میں آئے کا سبب "CAUSE" درحقیقت اُس ذاتِ بابرکات، لائقِ صلوة، احمدِ محبت، محمد مصطفیٰ کو بتاتے ہیں جن کے لئے حدیثِ قدسی میں ارشادِ رب العزت ہے: **لَوْلَا اَنَا لَمَا خُلِقْتُ اِلَّا فَلَاحٌ**، اے محبوبِ بندے میرے (محمد) اگر میں (اللہ) تجھے پیدا نہ کرتا تو پھر دنیا کی کوئی چیز پیدا نہ کرتا، یہ زمین کا فرشِ عنبریں اور آسمان کے ستاروں کی حسین جھلکیاں پادریوں کی بھیلاتا۔ یہ سب کچھ تیرے دم قدم کی بدولت ہے!

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد

اسرار در موز ۱۹۱۱

بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

شاعر مشرق فرماتے ہیں کہ خلاقِ دو جہاں، مالکِ کون و مہر، ہمارے نبی اکرم، مادی مکرم محمد مصطفیٰ والا شتم پر اختتام رسالت و نبوت کا اعلان کرتا ہے اور خود سرکارِ دو جہاں احمدِ محبت محمد مصطفیٰ نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے یوں ارشاد فرمایا: **"لَا نَبِيَّ بَعْدِي"** کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور اگر کوئی سہ پہرا، نبی ہونے کا دعویٰ کرے مگر وہ یقیناً کاذب ہوگا۔

جب ہم تاریخِ اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک ایسا اہم واقعہ بھی تاریخ کے اوراق میں جلی حروف میں ملتا ہے۔ جہاں پروردگارِ عالم اپنے محبوب کو یہ حکم دیتا ہے کہ اے میرے حبیب! پہنچا دے وہ پیغامِ بوتیری طرف

سے جمشید ملکِ ایران کا ایک فرمانروا گذر رہا ہے۔ جس کے پاس ایک ایسا ساغر (پیاد) تھا جس کے "IMPOSSIBLE" نامیت

اور نصویریت یہ تھی کہ وہ (جمشید) تمام دنیا کا کھسکے اس سے دیکھ لیتا تھا۔ ہم سے مراد جمشید ہے

نازل کیا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو، تو نے رسالت کا کوئی کام نہیں کیا۔ ادھر جبریل امین نے یہ پیغام رب جلیل پہنچایا، ادھر رسولؐ نے ”فدیٰ خیم“ پر پڑاؤ ڈالا۔ جو حاجی آگے جا چکے تھے انہیں اُلٹے پاؤں لوٹنے کو کہا، جو بچے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا، جب جانے اور آنے والے اکٹھے ہو گئے، تو علیؑ کا ہاتھ تھام کر فرمایا۔ سنو! سنو! مَن كُنْتُ مَوْلَاً فَهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاً کہ جس جس کا میں (محمدؐ) مولا داتا اس اس کا علیؑ مولا بھی ہے اور آقا بھی۔ جب خدا کا حبیبؑ پیغام رب جلیل پہنچا چکا تو فوراً یہ آیت اُتری: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا** کہ آج کے دن ہم نے دین کو مکمل اور نعمت کو اپنی تمام کر دیا۔

رَوَّلِقْ اِذَا مَا مُحْفَلِ اَيَّامِ رَا

اسرار در موز ص ۱۱۴

اَوْ رُسُلِ رَا خْتَمَ وَمَا اقْوَامِ رَا

دنیا نے اب دُگل میں یہ رونقِ دوام، زینتِ صبح، حسنِ شام کا حُسنِ امتزاج ہمارے ہی دَم سے بہم ہے۔ اور ہمارے پیارے نبی مکرّم، ہادیِ اعظم، سرکارِ دو عالم، محمد مصطفیٰؐ نے اپنے بعد

لَا نَبِيَّ بَعْدِي زَا احْسَانِ خُدا است

اسرار در موز ص ۱۱۷

پر وہ ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ است

کا اعلانِ عام کر کے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، رسالت و نبوت کا اختتام کر دیا۔ اگر اس واضح اعلان کے بعد بھی کوئی سُدبھڑا، دعویٰ نبوت کرے تو وہ سراسر کاذب ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی بے شمار لعنت۔

۱۔ بحکم ربّ العزت رسولِ اکرمؐ کا یہ فرمانِ شکوۃ شریف جلد ۲، مناقب علیؑ صفحہ ۲۵۹، جامع الترمذی ص ۶۱۶، تفسیر مفسر مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ اور علاوہ انہیں بارہ اور کتب احادیث میں یہ واقعہ موجود ہے۔ (عمرانی)

۲۔ سورۃ المائدہ پارہ ۴ (القدر آنے)۔ دینے کے کاملے والکل ہونے کے سنہ اور اپنے نعمت کے تمام ہونے کا اعلان ہے پروردگارِ عالم بعد اعلانِ دلالتِ علیؑ المرتضیٰ کرتا ہے جبکہ اس اعلان کے بغیر رسالت نامکمل اور نعمت ناقص ہو تو نفیِ اقرار دلاتے علیؑ کو نبی مسلمان کیسے ہو سکتا ہے۔ (عمرانی)

قوم را سرمایہ قوت ازو حفظ سر و حد بلت ازو

اسرار در موز ۱۱۸

قوم کی ہمت و طاقت، ملت کا تحفظ اور حفاظت کا راز بس اور بس اسی میں مضمون پوشیدہ ہے کہ وہ آپس میں اتحاد و اتفاق پیار اور محبت سے رہیں۔ اور یہی وہ دولت ہے بہا ہے جس کو زوال نہیں۔ اور یہ گرانمایہ سرمایہ یکجہتی دیگانگت، خلوص و مروت اور بھائی چارے کی فضا میں اُتھ آتا ہے۔ یہی شعور قوم، ملک اور ملت کی بقائے دوام کا ضامن بنتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا شعر کا محقق ترجمہ علامہ موصوف کے اس شعر سے کیا جائے تو کہیں زیادہ بہتر ہوگا۔

فردق اُم ربطِ ملت ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور برون دریا کچھ نہیں

کیا یہ حقیقت نہیں کہ دریا میں اٹھی ہوئی ایک لہر (موج) بڑی سے بڑی کشتی کو ڈبو دیتی ہے۔ جبکہ یہ دریا میں ہو۔ اور دریا و سمندر سے باہر یہ موج کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است

اسرار در موز ۱۲

ابروئے نازِ نامِ مصطفیٰ است

ارشادِ رب العزت "النَّبِيُّ أَوْ لَا يَأْتِي الْكُفَّارِينَ مِنْ أَفْسَحِهِ" نبی کو مومنین پر ان کے نفس سے زیادہ حق تعالیٰ تعریف ہے۔ مسلمان کا دل وہ جگہ ہے جہاں محمد مصطفیٰ کی محبت قیام پذیر ہے اور یہی چیز مسلم کیلئے فخر و مباہات اور آبرو کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ عاشقانِ رسول، کلمہ گویانِ محمد، مسلمانانِ عالم کے دلوں اور دماغوں پر اگر کسی کی بادشاہت دھکرائی ہے تو وہ صرف سرکارِ دو جہاں، رحمتِ کون و مکان، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جس طرح ہم پر اطاعت پروردگارِ دو عالم واجب ہے اسی طرح اتباعِ رسول اکرم بھی ہم پر لازم ہے۔ اسی اتباع میں ناموری اور خوشنودی حق تعالیٰ کا راز پنہاں ہے۔

طور موٹے از غبارِ خانہ اش

کعبہ را بیٹ الحرم کا شانہ اش

اسرار در موز ۱۳

سبحان اللہ! کس خوبصورت پیرائے میں حکیم الامت شاعر مشرق فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم کے بیت الشرف سے آیا ہوا "ہوا" کا ایک جھونکا پوری انسانیت کے لئے باعثِ راحت و اطمینان ٹھہرا۔ کفر و شرک، فسق و فجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا صرف گھٹا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافور ہو گیا۔ اور انوارِ الہی کے چراغ روشن ہو گئے۔ جیسا کہ کبھی کوہِ طور پر اس کے جلالِ جہاں آرا کی ایک ہلکی سی چھوٹ پڑی تھی۔ علامہ موصوف کے اشعار پر مغز، لاثانی و پر معانی اسی لئے ہیں کہ آپ کی نسِ نس میں عشقِ رسول جاگزیں ہو چکا تھا،

شعر لب ریز معانی گفت ام

اسرار در روزِ صفا

در شنائے خواجہ گوہرِ سفتہ ام

اس شعر سے ہمارے مندرجہ بالا بیانیہ کے تائید بخوبی ہو جاتی ہے۔

کثر از آنے ز اوقاتش ابد

اسرار در روزِ صفا

کاسب افزائش از ذاتش ابد

سرکارِ دو جہاں، رحمتِ کون و مکان، وجہِ تخلیقِ آدم، نبی اکرم، ہادیِ اعظم، نور مجسم، اتباعِ حق تعالیٰ اور مصلحتِ ایزدی کا اگر انقدر اعزاز پا کر اس اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچ چکے تھے۔ جس کو "مقامِ خسود" کہتے ہیں۔ حقیقت امر یہی ہے کہ دنیائے آپ ہی کی تعلیمات کی روشنی میں حل کر اعلیٰ منزل اور ارفع مقام حاصل کیا۔

لے جہاں تک حقائق و واقعات اور تحقیقات کا تعلق ہے، یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ادر حضرت موسیٰ کے پیہم امراء پر کہ اسے رتبہِ قدیر مجھے اپنا ہمالیہ جہاں اُرد کھا اور ادر سے جواب لے کر ترائی، سننے کے باوجود یہی ضد، آخر میں درخواستِ شرفِ قبولیت کے منزائے داخلے ہوئے کہ ہر طور پر مومنوں اور ان کے حواریوں کو بلا کر ایک سے ہلکے سے جھکے دکھائے تھے کہ حضرت موسیٰ کے ہوش جلتے رہے، مانتیوں کا ذکر تو ہی کیا۔ اور وہ ہلکے سے جھوٹے جس نے موسیٰ کے ہوش گم کر دیئے تھے، وہ سرکارِ دو جہاں محمد مصطفیٰ کے حسن و قدس کے رخِ روشن کے ذرا سی کرنے تھے۔ (عمرانی)

بوریا مینون خوابِ راقش

تاج کسری زیرِ پائے آتش

اسرار در موزعہ

علامہ مرحوم اس شعر میں یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری پس ماندگی کا سب سے بڑا سبب نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے دوری ہے۔ اگر آج بھی ہم اس گئے گزرے وقت میں اتفاق و اتحاد اور پیروی سرکار رسالت، آپ پر عمل کریں تو تخت و تاج قیصر و کسری آج بھی امت مسلمہ کے پاؤں کی ٹھوکریں میں ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ رسالت، آپ کے بتائے ہوئے اصول و ضوابطِ حیات پر گامزن ہوں، یہی فرزندِ اسلام، پرستارِ ان توحید کے لئے خیر اور منافع بخش ہے۔ حضور سرکار رسالت، آپ کی سادگی الْفَقْرُ قَعْوٰی کا یہ عالم تھا کہ کبھی حریر و دیا، کھواب و اٹلش کے بستر پر نہ سوتے جبکہ زمین و آسمان کی ہر چیز زیرِ نگین تھی۔ مگر آنحضور قریشِ خاک پر لیٹ کر راحت محسوس کرتے، اگر عبادتِ حق تعالیٰ سے فارغ ہو کر شب کے کسی جھٹے میں لیٹے بھی ہیں تو کھال کے بستر یا چٹائی پر و گرنہ خاک کا فرش آپ کا بستر ہوتا تھا۔

در شہستانِ حرّ اخلوتِ گزید

قوم و امین و حکومتِ افشید

اسرار در موزعہ

تاریخ اسلام کے قاری سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضورؐ نبی اکرمؐ کا اعلانِ بعثت سے پہلے معمول تھا کہ آپؐ آبادی سے دور ایک پہاڑ کی کھوہ میں تمجید و تقدیسِ الہی اور ذکرِ حق تعالیٰ میں محو رہتے، جہاں آپؐ یہ عمل کرتے تھے اس کو ”غارِ حرا“ کہا جاتا ہے۔ اسی مقام پر آپؐ پر وحیِ الہی کا نزول ہوا۔ آغازِ وحیِ الہی کے بعد سرکارؐ نے شب و روز کی محنتِ شاقہ، تکالیف و مصائب کی سختیاں جھیل کر پیغامِ الہی، ”بندگانِ الہی“ تک پہنچانے کی سعی جمیل کی۔ اور جلد ہی امتِ وسطا کو ترتیب دے کر، انہیں قانونِ الہی کے ساتھ ساتھ ایک مملکتِ خدا داد دے کر شترِ کینہ لوگوں میں جبر و وفا کی لوح پھونک دی۔ اسی مضمون کو مولانا الطاف حسین صاحبؒ نے ”سہ سب حاتی“ میں یوں پیش کیا ہے :

۱۔ آج تک ”فرشِ محمدی“ اسی لئے مشہور ہے۔ (ع)

۲۔ ”غار“ کھوہ کو کہتے ہیں۔ ”حرا“ اُس پہاڑ کا نام ہے جس کے دامن میں حضورؐ نے عبادتِ الہی میں مصروف رہتے یہ

پہاڑ مدینہ المنورہ سے کچھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ”غارِ حرا“ کا طول ۴ گز اور عرض ۲ گز ہے۔ (عمرانی)

اُتر کر جزائے سونے قوم آیا

اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

علامہ نے آنحضرتؐ نبی اکرمؐ کی شب بیداری کے شعلوں سے فرمایا :-

ماند شبہا چشم او شرم نوم

تابہ تخت خسروی خوابیدہ قوم

امرار و رموز ص ۲۱

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضورؐ پوری پوری رات عبادت الہی میں مصروف رہتے۔ تحفہ و تقدیس الہی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے پائے اقدس متورم ہو جایا کرتے تھے۔ جناب ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو جہاں ساری ساری رات ذکر الہی میں سرورِ قد کھڑے رہتے۔ صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ بہنے سرکارِ دو عالم، نورِ مجسم، محسنِ اعظم کو کبھی رات کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، اگر روایات کو کلام الہی سے پڑکھا جائے تو رب العزت کس ارشاد مبارک پر نظر پڑتی ہے **يَا أَيُّهَا الْمَوْءُودُ ۖ قُمْ الْقِيلَ الْأَقِيلَ ۖ لَا تَصِفْهُ أَوْ تَقْصُ مِنْهُ قَلِيلًا ۖ** اے میرے حبیب کالی کلی والے (موجود)، کھڑے رہا کریں رات کو مگر تھوڑا، آؤ بھی رات بلکہ اس سے بھی کم۔

دُرُوعَا۟ لِّصَرِّ ابْنِ تَيْغٍ اُو

قَاطِعِ نَسْلِ سَلَّاطِي۟نِ تَيْغٍ اُو

امرار و رموز ص ۲۱

نبی اکرمؐ کے نفسِ مطمئنہ کا یہ عالم تھا کہ آپؐ تیروں، تلواروں، نیزوں اور خنجروں کی کڑکٹی بجلیوں میں

۱۔ "سُوْرَةُ النَّحْلِ" (النحل آیت حکیم)

۲۔ جہاں فتح و نصرت کے دعاویہ آپؐ کے تلوار آمیزنے، کہتے تھے، دہات یہ تلوار میدانِ قتال میں نسلِ سلاطین کو ختم کرنے والی تھیں۔ (عمرانی)

نہایت اطمینان کے ساتھ خشوع و خضوع سے عبادت پروردگار اور ذکر الہی ادا کرتے۔ یہاں تک کہ اگر گھسان کی لڑائی میں نماز کا وقت آجاتا تو حیاتِ دہشت سے بے نیاز ہو کر خالقِ دو جہاں کے حضور حضور معیار و انصار سجدہ ریز ہو جاتے۔ حضور ختمی مرتبت نے اس ظلم و جور کے خلاف آوازِ حق بلند کیا، جو نسلِ بعد نسل ایک انسان نے دوسرے انسان پر روا سمجھا ہوا تھا۔ آپ نے انسان کے وضع کردہ قانون کو کالعدم قرار دے کر ایک نہایت عمدہ، صاف ستھرا، سیدھا سا رابطہ حیاتِ اندر دے کر ان ہم تک پہنچایا۔ جس کو عرفِ عام میں "اسلام" کہتے ہیں۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔ یہی وہ دین ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

وقتِ بیجا تنگ آؤ آہن گداز

اسرارِ درونِ ہند

دریدہ آؤ اشکبار اندر شمار

وہ شجاعانِ عرب و عجم جن کی شجاعت کا لوٹا مانا جاتا تھا وہ بھی سرکارِ رسالت مآب کو سب سے زیادہ شجاع ملتے تھے۔ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جب غزوہ بدر میں گھسان کا دین پڑا تو ہم لوگوں نے سرکارِ ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں پناہ لی۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ غزوہ حنین میں آنحضرتؐ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ جنگ شدت اختیار کر گئی تو لشکرِ اسلام نے آپؐ ہی کے پہلو میں عافیت تلاش کی۔ حضورؐ کی تلوار آہن گداز اور خراش کاف تھی، مگر قسم ربِّ ذوالجلال والا کرام کی کہ آپؐ ایسے شجاعِ اعزب جب مصلاًئے عبادت پر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو زار و قطار، روتے۔ آنکھوں سے سادون کی جھڑی لگ جاتی۔ قرینہ یہ بتلاتا ہے کہ نماز میں آہ و زاری اور اشکباری اللہ تعالیٰ کی بزرگی کے سامنے تھی جو اُمت کے لئے ایک درس تھا۔

درِ جہانِ آئینِ نوا آوازِ کرد

اسرارِ درونِ ہند

مندانِ اقوام پیشِ درِ نورِ د

جب تاریخِ عالم کا منظر غائر مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سرکارِ رسالت مآب کی بعثت سے قبل ایک بھوکا عالم تھا، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ اور ظلم و بربریت

کا بازار گرم تھا۔ اس عالم مجھ، دورِ چُرِ آشرب میں آزادی سے سانس لینا بھی انسان کے بس کی بات نہ تھی، انسان انسان کے حقوق کا غاصب تھا، اپنی طاقت و محبت اور بربریت کے بل بوتے پر مطلق العنان "ڈکٹیٹر شپ" حکومتیں قائم کرنا ایک معمول بن چکا تھا۔ یہ درندہ صفت، خونخوار بھیڑیے کی فرمانروایانِ عالم بے کس و لاچار انسانوں کے خون سے ہوئی کھیلنا ایک شغل سمجھتے تھے۔ غریب و نادار، مجبور اور دکھی انسانیت کی عزت و ناموس کا کسی کو پاس نہ تھا، ادھر سرکارِ دو جہاں کا وجودِ ذی جود عالمِ شہود میں آیا اور حالات نے کروٹ بدلی، صدیوں کا معتب و مغضوب، انسان، آزادی سے سانس لینے کا حق دار ہوا۔ سرکارِ دو عالم کی قیادت میں ظلم و تشدد اور جبر و استعصال کے خلاف اعلانِ جہاد کیا گیا، تائیدِ ایزدی نے عزت بخشی، بس پھر کیا تھا، انسان انسانیت کے اصل روپ میں آیا، آدمی میں آدمیت کی غوہ آگئی، تیرگی چھٹ گئی، زندگی کا نیا سورج بادشاہِ انداز میں طلوع ہوا۔ زمین کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا۔

از کلیدِ دینِ در دنیا کشاد

بہچو او بطنِ ام گیتی نژاد

اسرار در موز منہ ۲

اس میں کلام نہیں کہ سرکارِ دو جہاں کی آمد سے پیشتر دنیا نے عرب و عجم بالکل غیر مہذب تھی۔ بے حسی کا یہ عالم تھا کہ نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت تک مفقود ہو چکی تھی۔ یہ تو خلاقی دو جہاں کا احسان ہے یا سرکارِ دو عالم کی تعلیم کا اعجاز کہ اہل عرب و عجم کی یکسر کاپی لپٹ گئی۔ آپ کی سیرت طیبہ مسلمانانِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہے کہ جس کی روشنی میں ہم منزلِ مقصود تک باسانی پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آج بھی ہم (مسلمان) اسوہ رسالت مآبؐ کو اپنائیں تو دین اور دنیا دونوں کی کجی ہمارے ہاتھ ہو۔ مابو! جنابِ آمنہ سلام اللہ علیہا کے کوئی ماں روئے زمین پر نہ پہلے ہوئی نہ اب ہے اور نہ ہی آئندہ ہوگی جو شہکارِ ختمی مرتبت ایسی عظیم شخصیت کو جنم دے۔

در نگاہِ او یکے بالا و پسٹ

با غلامِ خویش بربیکِ خواں نشین

اسرار در موز منہ ۲

حضرت محمد مصطفیٰ اُمید بخش کی ایک نگاہِ کرم نے وہ حدِ فاصل صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالی جو انسان نے انسانیت کے مابین ایک مدتِ مدید سے کھینچی ہوئی تھی۔ یہ آپ کی تعلیم کا اثر تھا کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن، ایک جان دو قالب ہو گئے۔ نا آشنا، آشنا بن گئے۔ بیگانے یگانے بننے لگے۔ آپ نے امیر و غریب، آقا و غلام، خادم و مخدوم کا امتیاز ختم کر دیا۔ حدیثِ رسولؐ ہے کہ تم اپنے غلاموں پر بخشتی دکرو، انہیں اپنا بھائی تصور کرو، شفقت سے پیش آؤ، وہی انہیں پہناؤ جو خود پہنو، وہی کھانے کو دو جو خود کھاؤ، یہاں تک کہ نوکر (غلام) کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا بکھلاؤ؛

امتیازاتِ نسب زاپاکِ سوخت

اسرار در موز جلد ۲

آتشِ ادا میں خس و خاشاکِ سوخت

حضور نبی اکرمؐ کے وجودِ مسعود کے عالمِ ظہور میں آنے سے پہلے پوری دنیا نے عرب رنگ و نسل اور حسب و نسب کے ایک ناختم ہونے والے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے سب سے پہلے اسی لعنت کے خلاف جہاد کیا اور یہ سبق دیا کہ کسی شخص کو کسی پر اس وجہ سے عزت و فضیلت اور تکریم نہیں ہونا چاہیے کہ فلاں نسلی ہے تو وہ فضیلت مآب، فلاں نسلی ہے تو وہ صاحبِ عزت و تکریم۔ نہیں نہیں! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیاوی فضیلتیں اور عزتیں نہیں دیکھی جائیں گی۔ وہاں تو بہرِ دی، 'خصوص'، 'حسنِ سلوک'، 'محبت و مروت' اور اعمالِ صالح ہی کام آئیں گے۔ آپ نے یہ امتیازات حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی مٹا کر بھائی چارے اور اخوت کا درس دیا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ انسان کے کھینچے ہوئے امتیاز سے خطوط، جو کہ پوری انسانیت کے لئے وبالِ جان بنے ہوئے تھے یا تو مٹ گئے یا گھاس پھوس کی طرح حرارتِ انوارِ رسالت سے جل کر خاکستر ہو گئے۔

در مصائبِ پیشِ آں گروں سریر

اسرار در موز جلد ۲

دُترِ سدا رٹے اند اسیر

۱۔ مسیح سلم ۲۳۳ - اس حدیثِ پاک کا اطلاق گھر کے خادمہ، نوکرانے اور زرخیز لوگوں سے پر بھی ہوتا ہے۔ (عزائے)

۲۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ بِعِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (المائدہ: ۸۱) اللہ کے نزدیک تم میں سے وہی صاحبِ تکریم ہے جو زیادہ مستحق اور پرہیزگار ہے۔

جب سرکار امیر المومنین "مین" کے حاکم و فرمانروا تھے، سلسلہ کا ہجری کا واقعہ ہے کہ بنی ط کے ایک سرکش قبیلے نے اسلام کے خلاف سرکشی کی، علی المرتضیٰ کی قیادت میں اس بغاوت کو اتھائی حکیمانہ انداز میں فوکیا گیا۔ پہنٹک کہ پھر کبھی اسلام کے خلاف اس کو اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس جنگ میں کچھ کفار موت کے گھاٹ اتر گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے، اور باقی جو بچے انہیں عساکر اسلام نے اپنی حراست میں لے لیا اور قیدی بنا کر جناب امیر المومنین کی طرف سے مدینہ منورہ میں سرکار ختمی مرتبت کے حضور پیش کیا گیا۔ ان میں حاکم طائی کی بیٹی بھی موجود تھی۔

پائے در زنجیر ہم بے پردہ بود

اسرار در لوزہ ۲۱

گردن از شرم و حیا خم کردہ بود

جب دختر حاکم طائی کو حضور کے سامنے لایا گیا تو پاؤں میں اس کے زنجیر تھی، سر سے برہنہ تھی، اس عالم میں وہ مارے شرم و حیا کے گردن بھلائے، سرکار دو جہاں کے حضور عرض کرتی ہے کہ مجھ پر رحم و کرم کیا جائے، میں اس باپ کی بیٹی ہوں کہ جس کی سخاوت کے قصے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ وہ خود تو مر گیا ہے، بھائی شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر گیا اور میں قید کر لی گئی تو حضور سرکار دو جہاں رحمت کون و مکان کا یہ سننا تھا کہ دریائے حیرت نے جوش مارا۔ پاؤں کی زنجیر ٹوٹ گئی، حضور اٹھے اور آٹھ کر اپنی چادر سے اس کا کھلا سر ڈھانپ دیا۔ اس تاریخی واقعہ کو علامہ مرحوم نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا :-

دخترک را چوں نبی بے پردہ دید

اسرار در لوزہ ص ۲۱

چادر خود پیش روئے او کشید !!

مگر افسوس صد افسوس اللہ کے ان "مسلمان" پر کہ جنہوں نے نواسہ رسول جگر گوشہ بتول کو بے جرم و خطا مہ ان کے یاد و انصار کے تین دن کی بھوک پیاس میں شہید کر ڈالا اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعد شہادت مظلوم کر بلا ناموس رسول دختر ابن علی و بتول کو قیدی بنا کر بازاروں اور درباروں میں بے مقصد و چادر کے پھراتے

سہ حاکم طائی بنے طے کا حکمران گزرا ہے۔ جو نہایت فیاض، رحمدل اور سخی تھا جس کے سخاوت کے چرچے، کہاؤں نفوز

کے شکل اختیار کر چکے ہیں۔ یہ شخص غیر مسلم تھا۔ (عمرانی)

ہے اور خود تماشا بنی رہے۔ یہاں اختر مرحوم چینیٹا کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آتا ہے۔

جُبْ کبھی غیرتِ انسان کا سوال آتا ہے

بنتِ رُہِ اترے پرڈے کا خیال آتا ہے

(اختر مرحوم چینیٹا)

اگلے شعر میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ما زانِ خاتونِ طے عریاں تریم

پیشِ اقوامِ جہاں تے چپا دریم

اسرار در روزِ صلا

اے مسلمان تیری غیرت و حمیت کو کیا ہوا، یہ عالم ہے جسی کب تک؟ جاگ اور عقل کے ناخن لے۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ تو تو قہرِ مذلت کے گہرے گڑھے میں گر چکا ہے جو تیری ہلاکت کا سبب ہو سکتا ہے کیوں کہ تیری آنکھ سے حیا، دل سے خوفِ خدا جاتا رہا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ تو بے غیرتی و بے عزتی اور بے حیائی کو عزت، شہرت اور تکریم کا نام دیتا ہے۔ جھوٹ کو سچائی سے تعبیر کرتا ہے۔ تو، تو بنی طے کی اس لڑکی کی طرح سر رہتا ہے یعنی ذلیل و خوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل تو حاکم تھا آج محکوم ہے۔ کل مخدوم تھا آج خادم ہے۔ کبھی آقا تھا مگر اب غلام ہے۔ آخرش اس کا سبب؟ ایسا کیوں ہوا؟ نہیں خبر تو سن! کہ تو نے اپنے اسلاف کے اعلیٰ کردار، ارفع اوصاف، حمیدہ کے خلاف بغاوت کی ہے۔ ہم تو اس خاتونِ طے سے بھی زیادہ عریاں ہو گئے ہیں اور دوسری قوموں کے سامنے ہم بے چادر ہو رہے ہیں۔

رُوزِ محشر اعتبارِ ماست او

دُرِ جہاں ہم پر وہ دایرِ ماست او

اسرار در روزِ صلا

کہ تمام چیزوں کے باوجود بھی ہم کلمہ گویانِ محمدؐ (مسلمان) کی بخشش لازمی امر ہے۔ اس لئے کہ وہ شافعِ روزِ جزا جیبِ داور کی امت میں شمار ہیں جس کی امت میں آدمؑ سے لے کر خاتمِ تک، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ علیہم السلام

کہتے ہیں روزِ عمر ہمارے بخشش شافعِ روزِ جزا کے طفیل سے ہو گئی۔ وہ اس جہاں میں بھی پیادری پرودہ داری فرمائی گئی۔

لُطْفُ وَ قُہْمٌ اَوْ سِرَ اِپَارِ حَمْتِ

اَسْ بِنَارِاں اِسْ بَاْعَدُ اَرْحَمْتِ!

اسرارِ درموزِ ص ۲۱

خلاقِ عالم! اپنی کتاب لاریب فیہ میں ارشاد فرماتا ہے: **بَشِّرْ رَحْمَتَهُ مِنَ اللّٰهِ اَنْتَ لَہُمْ** (رحمہ، بغضِ حق تعالیٰ (مستعد) ان پر بے حد و حساب رحم والا ہے۔ جہاں خالق کائنات نے سرکارِ دو جہاں کو عالمین کے لئے **ذَمَّ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ** سرِ اِپارِ حمت بنا کر بھیجا، وہاں آپ کا قہر و غضب منافقین، مشرکین، کافرین اور دشمنانِ دین (اسلام) کے خلاف شدید سے شدید تر نہ تھا بلکہ وہ ان پر بھی نظرِ رحمت ہی رکھتے تھے، دوستوں اور دشمنوں سے یکساں لطف و کرم برتتے تھے۔

چُوں کُلِّ صَدِّ بَرِّکَ مَا رِ اِیْکِیْٹ

اُدُسٹ جَانِ اِسْ نِظَامِ دُ اَوِیْکِیْٹ

اسرارِ درموزِ ص ۲۲

علامہ مرحوم فرماتے کہ جیسے غلاب کے پھول کی بہت سی پتیاں ہوتی ہیں، یہی مثال ہماری مسلمانوں کی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے غلاب کی پتیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے رکھ دیا جائے تو بھی ہر ایک پتی سے غلاب کی بہک آئنگی۔ شکر ہے اس خلاقِ دو جہاں کا کہ ہم مسلمان نبیِ آخر الزماں کی امت میں ہیں جس کی امت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام شمار ہوتے ہیں۔

علامہ موصوف کے اس شعر سے اسے فلسفہ کی تردید ہوتی ہے جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ "اسلام" بڑا پشیمیر (تلوار) چار دانگے عالم میں پھیلا۔
 نہیں: نہیں: یہ سراسر غلط ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کہ اگرچہ یہ اسلام تلوار کے لئے ہوتے پر پہنچا دیا اسے کہ اسلام کے خلاف ہیں بعد میں
 مساجد میں تو ہے مگر گھر سے اذان سے کوئی مؤذن نے اللہ اکبر کو صدا بلند کرتا برا نہیں مانتا اور جہاں اسلام کا پیغام کر دار سے پہنچا دیا اسے آج

بھی صدا ہے اللہ اکبر کی گونج سنائے دیتے ہے۔ (عمرانی)

اگر تج بھی ہم نسلی و نسبی فرق کو پس پشت ڈال دیں اور سرکارِ دو جہاں کی تعلیم اور ان کے اسودِ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ پیار، محبت اور خلوص سے پیش آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنا کھویا ہوا دقار پھر حاصل نہ کر سکیں۔ اسی میں ہماری فلاح کا راز پنہاں ہے اور یہی آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اور یہی نظام (اسلام) خالق کائنات کو پسند ہے۔

مَرِّ مَكْنُوبِ دَلِ اَدْمَا بُدِّم

نَعْرِيبَا كَانَهُ زِدَانِ شَدِّم

اسرار و رموز ص ۲۲

علامہ فرماتے ہیں کہ جو نبی سرکارِ دو جہاں نے اعلانِ نبوت کیا، اور خوش نصیبوں نے لبیک کہی اور دل و جان سے اسلام کو خوش آمدید کہی اور کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا اقرار زبان سے کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑے ہی عرصے میں ایک کاروانِ حق آگاہ ترتیب پا گیا، جو نعرہ ستانہ و بیباکانہ بلند کرتا ہوا آگے بڑھا جس کے میر و سرخیل آنحضورؐ سرور کائناتؐ کی ذاتِ لائقِ صلوة تھی۔

شَوْرَ عَشْقَشْ دَرِنِے خَا مَوْشِ مَن

مَنِ تَبْدِ نَعْرِشْ دَرِ آغَوْشِ مَن

اگر علامہ مرحوم کے فلسفہ عشق و مستی، جذب و شوق، اسرار و رموزِ خودی و بخودِ کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ فیض ہے سرکارِ رسالت مآب کی محبت و عقیدت کا کہ جس نے اقبال کو بس خام سے کنڈن کر ڈالا کہ آج ہزار ہا غمزدہ بن گئے "اَنَا لَمَنِي" اقبال کی نگر جولان میں پنہاں ہیں اور یہی نغمہ ہائے عشق و مستی، جذب و شوق اور "تَحِبِّ مُحَمَّدًا" اقبال مرحوم کے لئے باعثِ سکون و اطمینانِ قلب و نظرِ ٹھہرے اور یہی ہر کلمہ گو (مسلمان) کے لئے وجہ تسکین ہیں۔

لے ایک کھل حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں آج کلے برادری ستم کا بہتے زور شور ہے۔ جو تعلیماتِ رسالت مآب کے سراسر خلاف ہے۔ یہ سب

غیر اسلامی اور غیر موزوں ہے۔ (عمرانی)

لے "اَنَا لَمَنِي" یہ وہ نعرہ ستانہ ہے جو منصور عالم دارنگی میں بلند کیا کرتا تھا۔ (عمرانی)

من چہ گویم از تو لالیش کہ چہیٹ!

اسرارہ در موزہ ص ۲۲

خشک چوبے در فراق او گر لیٹ

میں (اقبال) ، ششدر و حیران ، انگشت در و پاں ہوں کہ عشق سے رسالت مآب کی خلش کیسی ہے ۔ اگر یہ خلش نہ رہے تو لطفِ زندگی نہ رہے ۔ اس کی لذت ، تاثیر ، احاطہ تحریر سے باہر اور زبان اس کے بیان کرنے سے قاصر ہے ۔ بس میں (اقبال) ، ترا تھا ہی جانتا ہوں کہ عشق سرکار مدینہ نے خشک لکڑی پر بھی اپنی محبت کا اثر چھوڑا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ آپ کے فراق میں بیتاب ہو کر روئی تھی ۔ خشک لکڑی کا فراقِ مشہ لولاک میں گریاں ہونا ایک مشہور معجزہ ہے ۔ جو کتبِ احادیث میں کثرت سے نقل ہے ۔ علامہ موصوف جہاں نکتہ سنج و نکتہ بین تھے ، وہاں وہ عظیم فلاسفر بھی تھے ۔ بال کی کھال لگانا ایک فلسفی کی فطرت ثانیہ ہوا کرتی ہے ۔ مگر جہاں تک معجزات سرکار رسالت مآب کا تعلق ہے وہاں آپ نہایت محتاط انداز میں اپنی فکر جولاں کو چیمیز کرتے اور کبھی بھی معجزات کو فلسفے کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش نہ کرتے ۔ اس لئے کہ ”معجزہ“ کہتے ہی اسے ہیں جہاں عقل انسانی اور ادراک انسانیت اگر بے بس اور عاجز ہو جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ خشک لکڑی کا فراق سید البشر میں ”رونا“ ”معجزہ“ تسلیم کرتے ہوئے ضبطِ شعر میں لائے ہیں ۔

ہستی مسلم تبشلی گاہ او

اسرارہ در موزہ ص ۲۲

طور با ، بالاز گر در راہ او

اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ”اے خالق کائنات! میں (اقبال) تیری کن کن شفقت و عنایات کا فکریہ ادا کروں کہ تو نے مجھے سرکارِ دو جہاں کی امت میں پیدا کیا اور یہ بھی تیرا خاص لطف و کرم ہے کہ میرا پیکر ہستی نبی اکرم و کرم کی محبت کا آئینہ دار بنا دیا ہے ۔ علامہ مرحوم اپنی روشن ضمیری ، تابندہ خیالی اور فکرِ عالی کو عشقِ سرکار

۱۔ بخار کے عینِ رہایت نقش ہے ”ایکے مقولہ (حقانہ نامی) جس کے ساتھ آنحضرتؐ کی لکڑی کو کھڑے ہو ا کرتے تھے ۔ جب میں سرکار

دعالم زیرِ شریعتِ خدا ہونے لگے تھے تو اس سے متون (حقانہ) سے حامل اوتھنے کے ارادہ نہ کرتے تھے ۔ یہاں کہہ کر آپؐ اپنا دستِ مبارک شفقت رکھتے

تھے کہیں یہ آواز بند ہو جائے حقانہ مقولہ کا قراۃ حضورؐ میں آم و زاری کرتے عشقِ رسالت مآب کے وجہ سے غلام (مراۃ)

۲۔ ”معجزہ“ نہ کہہ کر پر واز حقوں کی لاپارگاہ اور شہر کے عاجز کے کا نام ہے (موقوف)

رسالت مآب کامرہون منت گردانتے ہیں اور اے صبحِ نور " قرار دیتے ہیں اور حقیقت واقعی ہے کہ خورشید رسالت مآب کی گردِ راہ سے ہزار ہا چراغِ طورِ عالم ظہور میں جلوہ ریز ہوتے ہیں۔ علامہ مرحوم عرفِ زبان سے اقرارِ لآلہ کے قائل نہیں جیسے انہوں نے درج ذیل شعر میں اپنا کافیِ التخیروں بیان کیا۔

زبان سے کہہ بھی دیا لآلہ مآب تو کیا حال دل و نگاہِ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

آپ اقرار باللسان کے ساتھ قلب و نظر سے پیروی سرکارِ دو جہاں کو خیر و برکت، امن و سلامتی (مسلمانی) سے تعبیر کرتے ہیں اور حضور کے لئے ہوئے دین (اسلام) کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہوئے اس راہ (اسلام) سے ہٹ کر تلاشِ منزلِ حق خواب ہے دیوانے کا جسکی تعبیر محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ امتِ صاحبِ معراج اسوۂ سرکارِ دو جہاں پر عمل پیرا ہو اور آنحضرت کے متعین کردہ خطوط پر گامزن ہو کر اپنی گم کردہ منزل کو تلاش کرے، اسی میں مسلم کی برتری، سروری اور نجاتِ اخروی کا راز پوشیدہ ہے۔

پیکرِ آفریدِ آیتِ اش و

اسرار و رازِ صلا

صبحِ من از آفتابِ لیندیش

مولائے گل، ختمِ رسل، دانائے سبل، سرکارِ رسالت مآب وہ آفتابِ ہدایت ہیں کہ جن کی محبت اور عشق نے بچے ایسے گنہگار و بے کردار پر یہ لطفِ عظیم کیا کہ میرا (اقبال کا) پتلانے خاکی آپ کی محبت کا آئینہ دار ٹھہرا، اللہ اکبر! علامہ مرحوم کا دل کس درجہ صاف و خفاف مثلِ آئینہ ہے کہ نورِ رسالت مآب کا ہلکے ان کے دل کو چلا دیا بندگی دینے کے ساتھ ساتھ روشن ضمیری کا بلخِ نظری، تابندہ خیال اور فکرِ عالی دے گیا۔ علامہ موصوف کی فکر سے یہاں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر آج بھی ہم (بنی آدم)، اس عالمِ بزم میں حضور کے بتائے ہوئے راستے (اسلام) پر صحیح معنوں میں گامزن ہو جائیں تو آج بھی اس عالمِ آفرینہ، ہوسِ ملک گیری، ظلم و جور، جبر و تشدد اور ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اور سرخروئی ہمارا مقوم بن سکتی ہے۔

وَقُلِيبٌ ذُرِّيَّتُ الْمُنْتَدِيَةِ الْكَاذِبِ

السلامة والبيئة

گرم تر از صبح محشر شامی

عاشق کے لئے ہر لمحہ غلٹ عشق پیام نور کا شردہ جانفزا ہو ا کرتی ہے اور یہی (خلش عشق) قلب صمد پارہ و پریشا
کے لئے باعث سکون و اطمینان ہوتی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ ایک سچا عاشق اسی کو گراںمایہ سرمایہ زندگی تصور کرتا
ہے۔ اقبال ایسے ہی نرسولی کے عاشق عارف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جو ہجر نرسولی میں دن رات تڑپ کر گزارتے ہیں
اور اس کو روزِ عمر شکر کی بے قراری و اضطراب سے کہیں زیادہ خیالی کرتے ہیں۔

ابراذراست و من بستان او

اصرام و دی موقتہ ۲۲

ثَمَّكَ مِنْ تَمَنَّاكَ اِزْ بَارِ اِیْ اُو

میرا (اقبال) وجود، اس عالم شہود میں ایک چمنستان کی حیثیت کا حامل ہے۔ اور سرگاہِ درد جہاں رحمت کوئی و مکان کی ذاتِ ستودہ صفاتِ سحابِ رحمت و نعمت ہے۔ جس طرح انبرِ آذر کی ہوندِ تاباندی باغِ عالم کیلئے مژدہ جافزا ہوا کرتی ہے اور غزال کے لئے پیغامِ موت اسی طرح خورشیدِ رسالتِ مآب سے انوار کی بارش ہوتی ہے۔ میرے دل و دماغ میں روشنی کا سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔

اس کہ براۓ خدا و رحمت کشاد

اسراء اور موسیٰ علیہ السلام

ملکہ راسیم لایشریب داد

جب وہاں پہنچے لادھو صاحبین کے مصداق، سید لولاک، نبی پاکؐ نے بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں قدم درجہ

۱۔ وہ مہتر دو گرامی ہوگی جو نہایت کڑی ہوگی، جہاں نفس نفس کے پکار پڑی ہوگی۔ کوئی کسی کے : سننے کا سب کو اپنے اپنے
پڑے ہوگی۔ اس کیفیت سے کہیں زیادہ علامہ اقبال کو قرآن سے کیا کہنے دکھائے دیتا ہے (عزائم)

۲۔ فتح مکہ مسطور ہوگی

تو دشمنانِ دین (اسلام) کو عام معافی کا مشرہ سنایا اور ان کے لئے لطف و کرم کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ اکبر! یہ لطف و عنایات ان دشمنوں کے لئے کہ جنہوں نے مکہ میں آنحضرتؐ پر عرصہٴ حیات تنگ سے تنگ کر دیا تھا، عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا لَا تَنْهَیْہِمْ عَنْ دِیْنِہِمْ کہ کج سے تم (اہل مکہ) آزاد ہو، تم پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں۔ یہ وہ مثالی کردار تھا کہ جس نے تلوار کی کاٹ سے زیادہ کام کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہوشمن تھے وہ ہمدرد و جانثار بن گئے جو درود و رستے تھے وہ قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ اور جلد ہی مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت بن گئی۔ حضور نبی اکرمؐ اپنے کردار و عمل اور حسنِ سلوک سے مسلمانوں کو یہ درس دے رہے تھے کہ دیکھو! جب کسی شہر یا کسی ملک میں بحیثیت غالب پہنچو تو مغلوب پر ظلم و ستم، جبر و جفا، تشدد و بربریت سے کاٹنا لینا۔ بلکہ ان سے پیار، محبت، خلوص و مروت اور شفقت سے پیش آنا۔ اسی میں خیر اور خوشنودی الہی مضمر ہے۔

مستقیم ساقی بنطحا ستیم

اسرار و درود و ملامت

درجہاں مثل شومینا ستیم

علامہ مرحوم، اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم (مسلمان) بہتر، بہتر فرقتے اور مسالک میں جتے ہوئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم (مسلمانوں) ایمان ایک، نبی ایک، کتاب (قرآن) ایک اور خدا ایک ہے۔ یہ تو سرکارِ دو عالم، نبی اکرم، محسنِ اعظم، والیِ عرب و عجم والا شتم کی محمود لگا ہی کا اعجاز اور فیض ہے۔ یا پھر اس شرابِ معرفت کا اثر ہے۔ جو ہم نے ”خمن خدا نالست“ سے پی لی ہے۔ جس کے پینے سے انسان میں شعور کی بہرہ دہن جاتی ہے اور آدمی میں آدمیت جنم لیتی ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم (مسلمان) میں کلمہ طیبہ وہ تکریم مشترک ہے کہ جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب رکھتا ہے۔ علامہ موصوف اسی مفہوم کو اپنی فلسفیانہ و شاعرانہ زبان میں صراحی و صبوچی کا نام دیتے ہیں جس طرح کلمہ سے مسلمان، مسلمان سے کلمہ جدا نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے سے مینا اور مینا سے مے الگ نہیں۔ علامہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں لاکھ اختلافات سہی۔ مگر بالکل کے خلاف ہم آج بھی کل کی طرح متحد ہیں۔

۱۔ موجودہ تحقیقات کے مطابق بہتر اور بہتر ہے تمام کی جیے۔ اس کے لئے ثلاثہ نہایت جگہوں کے کتابت فرمے اور سالک کے لاکھ فرمائے۔

۲۔ اس میں شک ہے کہ ہم باطل کے خلاف ایسا اختلافات بالائے طاقت لاکھ فرمے باطل پر ہمیشہ ضرب کاوی رسید کرتے ہیں۔ ہمارے

اتحاد و اتفاق کے اعلیٰ دار فاع شاک ہے۔ (مترجم)

خاکِ شیربازو و عالمِ خوشتر است

امراء در روزِ حد۲

ابے خنکِ شہر کہ اسجدِ لبر است

وہی اقبالِ حواپنی چیمِ بصیرت کے لئے خاکِ مدینہ و نجف کو بطورِ سرمدِ استعمال کرتا ہے۔ اس شعر میں وہ خاکِ شیربازو بٹھا کر دنیائے دوں، بلغ و بہشت، کو نزدِ تقسیم سے کہیں بالا و برتر تصور کرتے ہوئے شہرِ شیربازو کی تمازت کو ہوا خنک کے جھونکوں سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں رحمتِ کونین شاہِ مشرقین و المنورین جہاں حسن و الحسین محمد مصطفیٰؐ موعودِ اب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہرِ بٹھا سے آنے والی ہوا مشکبو لطیف و پر کیف اور مسحور کن ہونے کے ساتھ ساتھ باعثِ تسکین، راحتِ قلب و نظر اور سلامتی کا پیغام ہوتی ہے۔

زنانکہ ملتِ احیا از عشقِ او

بزرگِ سازِ کائنات از عشقِ او

علامہ مرحوم کے نزدیک امتِ مسلمہ (کلمہ گویانِ محمدؐ) یعنی مسلمانوں کی زندگی کا انحصار اگر کسی چیز پر ہو سکتا ہے تو عشقِ رسالتؐ کا بل و اتباعِ اسوۂ سرکارؐ دو جہاں ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ صاحب کے نزدیک ہماری ناکامی و نامرادی، رسوائی اور پریشانی محض اسی لئے ہے کہ ہم نے اپنا طرزِ زندگی ان روشن خطوط پر استوار نہیں کیا جو ہماری فلاح و بہبود کی ضمانت تھا۔ ہمارے دل و دماغ سے عشقِ رسولؐ اور خوفِ خدا جاتا رہا عشقِ رسولؐ کا اقرار صرف کلمہ طیبہ تک ہی محدود ہے۔ بقول علامہ مرحوم

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

دل و نگاہِ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس میں شک بھی کیا! صرف زبان سے اقرارِ مسلمان ہونے کا معیار نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل بعدِ شوق قبول نہ کرے۔ یہاں دعویٰ مسلمان تو لبا پوڑا مگر دعویٰ کے برعکس دلیل میں عملِ مدد و کردارِ مفقود سے مشغول رہے۔ اگر آج ہر مسلمان فرداً فرداً یا اجتماعی طور پر اپنے قولِ فعل، زبانِ بیان کا صدق سے مجاہد کرے تو لختِ نود

چشمِ چراغ تھے۔ ”مکہ مکرمہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپ پر مکہ مکرمہ میں ہی نزول وحی کا آغاز ”غابر سدا سے ہوا۔ اسی شہر (مکہ) میں آنحضرتؐ نے اعلانِ نبوت کیا اور یہیں سے تبلیغِ رسالت کا آغاز ہوا۔ اہلِ حجاز کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے اسلام کے پیغام سے روشناس ہوئے۔

علمِ حق غیر از شریعتِ مسیح نیست

اصلِ سنتِ جز محبتِ مسیح نیست

معرفتِ باری تعالیٰ اسلام کے شرعی اصول و ضوابط اپنانے اور رسالتِ مآب کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور محبتِ سرکارِ رسالتِ مآب اصل و اصولِ سنت ہے اور یہی عشقِ رسولؐ عرفانِ الہی کی معراج ہے۔

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات

شرعِ اولفیر آئینِ حیات

اسرارِ درودِ محمدؐ

علامہ فرماتے ہیں دینِ محمدی (اسلام) ہی وہ ضابطہٴ حیات ہے کہ جس میں زندگی کے تمام تر پہلو نہایت عمدگی سے وضع ہو چکے ہیں اور یہی وہ دین ہے جس کے بارے میں باری اپنی کتابِ باری میں ارشاد فرماتا ہے
 إِنَّ الدِّينَ بِحَسْبِ اللَّهِ الْإِسْلَامِ (سجہ، یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور یہی دین (اسلام) باوقار زندگی بسر کرنے کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ اسی دین کی اگر ”شرع“ تشریح و تفسیر کی جائے تو زندگی کے تمام محاسن کی مکمل اور جامع تفسیر اسی میں مضمر ہے۔

از پیامِ مصطفیٰ آگاہ شو!

فارغ از آربابِ دینِ اللہ شو!

رموزِ بیوزدی ۱۳۵۸ھ

بقیہٴ سلام کے بات آپ کے ولادت سے باعادت ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۸ھ عام الفیل ۱۳۵۸ھ درست خیال کے جاتے ہیں۔ مگر اہلِ سنت و جماعت

کے طے ۱۳۵۸ھ ۱۳۵۹ھ ربیع الاول بتائے جاتے ہیں۔ مگر ان میں اکثریت کا اتفاق ۱۲ ربیع الاول پر ہے۔ (عزرائے)

لے سورۃ الن عَمَّوَان ”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا“

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم کا ارشاد ہے "اے بندے! مسلمان ہونے سے پہلے کفر و شرک، الحاد و زندقیت کے مجسمہ کو ضرب" لا" سے پاش پاش کر۔ پھر صدقِ دل سے اِلَّا اللہ کا اقرار کر کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ وہ کیا ہے، وہ کون ہے، کیسا ہے تو کتابِ لَدُنَّیِّہ میں ارشادِ ربِّ العزت ہوتا ہے قُلْ هُوَ اللہُ أَحَدٌ ۝ اللہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ ذَٰلِكَ يَكُونُ لَکُمْ كُفْرًا اِذَا هَدَیْتُمْ (ترجمہ) کہہ دے (میرے محبوب محمد) کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے، وہ ایک ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور وہی ثانی۔

نہر کہ عشقِ مُصلطے سامانِ اوست

رموزِ میخندی صلا

بحر و بر در گوشہ دامنِ اوست

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ جس کی فُس فُس میں عشقِ رسالت تاب سما جائے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ کارخانہ قدرت پر مشغول نظر آتا ہے۔ اللہ کے نیک و برگزیدہ بندے نصائی خواہشات پر قابو پا کر اس کے (خالق) کائنات، ہر اُمور کے سامنے شہرِ تسلیم قائم کرتے ہیں اور پھر ایک وہ وقت آتا ہے کہ جب اُن کے زیرِ نگین خشکی و تری کی پہچان آجاتی ہے، اگر اس شوق کی علامت کے درج ذیل شریع و تصریح کر دی جائے تو لطف آجائے۔ فرماتے ہیں:

کی محمد سے وفاتونے تو ہم تیرے ہیں

ہنگب دراصل ۱۳۲

یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح و قلم تیرے ہیں

لو صاحب! قدرتِ محمدؐ عربی کی اتباع کرنے والوں کو مژدہ جالغز اسناد ہی ہے۔ رحمتِ معبود جو جس میں ہے۔ لوح و قلم پر حتیٰ تعریف دینے کو تیار، شرط وہی عشقِ رسولؐ اسی میں دنیا اور دین کے حصول کا راز پنہاں ہے۔

۱۔ سوئے اخلاص "پا" (افس کن حکیم)

۲۔ عشق و وجدان و سرسختی میں ایسا جکڑے جسے کہ بدولتِ موجدات کے تمام امرا و درویشوں کو مشکشف ہو سکتے ہیں (عراقی)

۳۔ صوفیاء کرام، اولیاءِ نظام، طورے، قلبیے، ابدال، قلندر، سب فنا فی اللہ ہوتے ہیں فنا فی اللہ کے جانبے حصول کہتے ہیں اسلئے ایک دقت ایسا بھی آجائے کہ جب وہ چاہیں جتنے دریاؤں کے جائیں، طوفانِ کفارہ نہ جائیں۔ یہ انگلی کا اشارہ کر دیں تو پہاڑ جگ

چھوڑ دیں، کشتی کے اگلے کے اگلے اشارے پر پلھو پڑیں جوتے ہیں (عراقی)

ہے۔ اتباعِ رسولِ عربیؐ، اطاعتِ خدا نے بزرگ و برتر ہے اور آپؐ سے محبت اللہ کے قُرب کا بہترین طریقہ ہے۔

عشقِ دمِ جبرائیلؑ، عشقِ دلِ مصطفیٰؐ

عشقِ خدا کا رسولؐ، عشقِ خدا کا کلامؑ

رب العزت حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے اَکُنْتُ كُنُفًا مَغْضُوبًا (میں اللہ) ایک غرور مغنی تھا۔ میں نے جاؤں میں پیچھا
جاؤں میں نے کائنات غنی کیا۔ معلوم یہ ہوا کہ عشق ہی اصل سببِ تکوینِ کائنات ہے۔ یہ عشق ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ یہ
دمِ جبریلؑ میں ہے تو کہیں یہ عشقِ رسولؐ ہے۔ کبھی قلبِ پیغمبر کا امین اور عشق ہی کلامِ حق (قرآن مجید) ہے۔ کتابِ باری
میں ارشادِ الہی ہے۔ وَ مَا خَلَقْتُ الْبَشَرُ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ کلامِ باری تعالیٰ کا آسان، سلیس، سیدھا اور سادا
ترجمہ اقبال مرحوم کے اس شعر سے کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ طاعتِ کبھلے کچھ کم نہ تھے کربیاں

اگر انسان انسان کے دکھ کا مداوا، درد کا چارہ بن جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہی دنیا جو خود پرستی اور نفسا
نفسی کا شکار ہے جس کو جہنم محسوس کیا جا رہا ہے، یہی خلدِ بد اماں کہلانے لگے۔ اگر اس میں پیار، محبت، غلوں و
مروت کی حکمرانی ہو۔

نازہ میسے ضمیر میں معرکہ کہمٹے ہوا!!

عشقِ تمام مصطفیٰؐ، عقلِ تمام لولہؑ

جس طرح روزِ ازل سے تمام ایں، حق و باطل و نیچے آزمائی اور صفِ آرائی چلی آ رہی ہے۔ بعینہٗ عقلِ عشق
مسمومی و خرد میں یہ جنگ صحیح ازل سے آج تک جاری و ساری ہے۔ عقلِ عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ عشقِ معصوم
ہے، سردار بھی چڑھ جاتا ہے۔ مگر اپنے دعویٰ "أَنَا الْحَقُّ" سے انحراف! چہ معنی عقل کی اساس پر فرعون خدا
بن بیٹھا، تو مولیٰ حبیبِ عشق کا قتل کر اٹھے، فرعون غرقِ نیل ہوا، موسیٰؑ ساتھ سلامتی کے اس پار جا لگے۔

نرد مرد عقل کی دہکتی چیتا میں عشقِ برابری کو جلا کر خاکستر کرنا چاہتا تھا۔ مگر عشق بے تاب تھا کہ آگ گلتاں کر دے، ابولہب عقل و خرد کا غلام، عشق کے امام (محمد عربی) کے پروگرام کی راہ میں رکاوٹ بنا، بتا رہا، مگر نافرمان عشق دونا، سرچشمہ صدق و صفا محمد مصطفیٰ کی سرکردگی میں اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہی رہا اور آخرش عقل کا مطیع، خرد کا غلام، ابولہب اپنی ناکامی و نامرادی پر کفِ افسوس مقرر ہو گیا۔

عقل کے شاہِ طربنِ امیہ کے سروار ————— عشق کے امام، کل ایمان، جانِ اسلام ابولہب کے تحت جگر، فاطمہ بنت اسد کے نورِ نظر (علیؑ) سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں کہ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کون کامیاب ہوا۔ ایمان و ایقان، حق و انصاف سے تہی عقل و خرد کے بھی خواہ مخواہ موزنین امیرِ شام (معاویہ) کی نسبت سرکارِ امیرِ المؤمنین سید الوصیین کو سیاست دنیوی میں ناکام قرار دیتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ عشق میں مصلحت اندیشی، جھوٹ، خرب دھوکہ، مکاری، عیاری، چالبازی اور چالاکی کی کوئی گنجائش نہیں جب کہ سیاست دنیوی نام ہے جھوٹ، خرب دھوکہ دہی، مکاری، عیاری، چالبازی اور چالاکی کا

عشق کی معراج اسی کا نام ہے کہ مسجد کو فذ میں حضرت علیؑ علیہ السلام ابنِ تحیم کی تلوار کا گھاؤ کھا کر بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں۔ "فَوَيْلٌ لِلَّهِ الْعَظِيمِ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب رہا اپنے مشن میں۔ اسی طرح معاویہ کے چہیتے یزید اور حضرت علی المرتضیٰ کے نورِ نظر، سرکارِ امام حسین علیہ السلام کے مابین ایک عظیم معرکہ میدان کر بلا میں پیش آیا۔ بظاہر تو میلان یزید کے ہاتھ رہا، مگر دائمی کامیابی و کامرانی اور دلوں پر حکمرانی صرف حسین علیہ السلام ہی کے حصہ میں آئی۔ اور آج یزید نام سے نفرت ہے اہلِ عالم کو

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دینِ ہمہ اورست

اگر بہ اوزر سیدی تمام بولہبی اسست

بحیثیتِ مسلمان ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم آنحضرتؐ کے بتائے ہوئے اصول و ضوابطِ حیات پر گامزن ہوں۔ اسی میں خوشنودی خدا، رضائے مصطفیٰؐ کا راز مضمر ہے۔ اتباعِ رسولؐ ہی ذریعہٴ نجات اور صحیح راستہٴ حیات ہے۔ اگر ہم اس غافل ہو جائیں تو ہماری یہ غازیں، یہ روزے، یہ حج یہ زکوٰۃ تمام کی تمام لا حاصل دے بھی ہو کر

رہ جاتے ہیں۔ ابولہب راندہ درگاہِ ایزدی ہوا کہ وہ آنحضرتؐ کی تعلیمات کے خلاف برسرِ پیکار رہا اور کلمہ توحید سے محروم رہا۔ جیسے ابلیس بارگاہِ رب العزت میں حکمِ عدولی کا مرتکب ہونے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، ”مرجیحا“ کہلوا کر صفِ ملائکہ سے نکال دیا گیا۔ اگر تعمیلِ حکمِ رب جبریل میں بغیر کسی تاخیر اور چوں و چرا کے سر تسلیم خم کر لیتا تو بقول کسی شاعر کے کچھ اور ہی بات ہوتی۔

ابلیس تھا فرشتہ، آدم کو سمجھا سجدہ

حکمِ خدا سمجھتا تو کچھ اور بات ہوتی!

علامہ مرحوم کے نزدیک از روئے قرآن، اطاعتِ رسولِ عربیؐ سے انحراف ہی گناہِ ابولہب ہے۔

سلیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز!!

چراغِ مصطفویؐ سے شرابِ بولہبی

یہ حقیقت ہے، انکار و انحراف کی جرأت و مجال کہاں، یہ تو مہرِ ذی شہور اور فہم و ادراک رکھنے والا اور تاریخِ اسلام کا عام قاری بھی جانتا اور مانتا ہے کہ مابین حق و باطل، روزِ ازل سے آج تک اُن بن چلی آرہی ہے۔ اور یہ جنگ تا ابد رہے گی۔ وہ اس لئے کہ حق و باطل، کفر و اسلام کے خیال و افکار، سیرت و کردار، قول و قرار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ باطل (کفر) جھوٹ، فریب، مکاری و عیاری کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ حق (اسلام) پاکیزہ خیالی، ارفع سوچ، بلند سیرت اور اعلیٰ کردار سے مشق ہے۔ یہ (اسلام) اصول پر ڈٹ جانے اور کٹ مرنے کا سبق دیتا ہے۔ جبکہ باطل (کفر) بے راہروی اور اصولوں سے انحراف کرتا ہے۔ از روئے فلسفہ و حکمت ”دو متضاد“ باتوں کا یکجا ہو جانا محال و ناممکن ہے۔

ع کہ جیسے ارتباض شعلہ و شبنم نہیں ہوتا

ابتدائے آفرینش سے ابلیس و آدم، ہابیل و قابیل، نرعون و موٹسی، نمرود و ابراہیمؑ، ابولہب و

لے ”ابلیس“ جسکو شیطان نے جمع کہا جانے ہے ”فرشتہ نہ تھا بلکہ قومِ انجانیوں سے تھا جس کا اعتراف اس نے خود آدم کو سجدہ نہ کرتے ہوئے کیا اور کہا کہ میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی ”طین“ سے خلق کیا جبکہ میری تخلیق ”نار“ (آگ) سے ہوئی، تعلیم یہ ہوا کہ ابلیس نار ہے تھا، ”مُتَدَاہِمْتُمْ“ کا ایندھن بنا۔ سچ ہے ہر چیز اپنے اصل پر لاٹ جاتی ہے۔ یہی ابلیس کے ساتھ ہوا۔ جان

محمد مصطفیٰ، معاویہ دغلی، یزید و امام حسین علیہ السلام کے درمیان یہی حق و باطل کی کشمکش جاری نظر آتی ہے۔ یہی محرک حق و باطل سلسلہ جبری میں میدانِ کربلا (ارضِ نینوا) میں برپا ہوا۔ جیت اصولوں کی ہوئی۔ حسینؑ اپنی اور عزیزوں کی قربانی دے کر سرخرو ہوئے اور لائقِ درود و سلام ٹھہرے اور یزید باطل (کفر) کی نمائندگی کرنے پر لعنت کا نشان بن گیا اور نامراد کا نام داخلِ دشنام ہو گیا۔

مُوسٰی و فرعون، شبیر و یزید

اِس دُوقُوٹ از حیاتِ مدِ پدید

علامہ مرحوم یہاں اس شعر میں بھی دہی ”ستیزہ کا دھلے ازل تا امروز“ والے فلسفے کو دوسرے رخ سے پیش کرتے ہیں، موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید، یعنی حق و باطل کے نمائندوں کو نامزد کر کے تاریخی حقائق و اوقات کی وضاحت کی ہے۔ جہاں تک مطالب و محاسنِ شعری کا تعلق ہے اس کا ذکر اس سے پہلے والے شعر میں کیا جا چکا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حق و باطل، کفر و اسلام کے مابین تصادم میں نتیجہ خیر کس کے حق میں رہا۔ علامہ مرحوم نے اس گوشہ کو بھی نہیں چھوڑا۔ فرماتے ہیں :-

زَندہ حق از قُوْتِ شُبَّیری است

باطلِ آخرِ داغِ حُمرِ میثری است

علامہ صاحب کے اسی شعر کے فلسفے کو سامنے رکھ کر بخوبی، تالیفِ اسلام سے حق کے نمائندے اور اُن کے مدِ مقابل باطل کے داعی و سرپرست چہرے نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

وہ دَانَاے سُبُل، ختمِ الرُّسُلِ مولاے کُلِّ جِنَّةِ

عُبَّارِ رَاہِ کُوْبُخْشَا فِردَوْغِ وادیِ سِینَا

وَمَا یَنْطَلِقُ لَکِنِ الْهَوٰی کا مصداق فرماتا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم کا پتلا آب و گل کے درمیان تھا۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت آدم کا مجسمہ آپ کے سامنے بنا۔ لہذا آپ آدم سے بہت پہلے موجود تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ ابھی عرش کی نیل گوں ستاروں ٹکی چادر تھی نہ تھی، فرشتے ٹھیکیں بچھا نہ تھا، پہاڑوں کا لامتناہی سلسلہ چلا نہ تھا، نہ سورج تھا، نہ چاند نہ ستارے، نہ گل تھے نہ بوٹے، نہ دریاؤں میں روانی تھی، نہ آبشاروں کے نغمہ خوانی تھی، نہ بلبل کی چہک تھی، نہ گل کی مہک، صرف آپ تھے یا وہ تھا، تھے تو حضور سب سے پہلے گرائے سب نبیوں کے بعد میں۔ روزِ اُلت ربِّ التَّوْت نے جس کی نصرت و مدد کا حلف تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا تھا وہ سرکارِ ختمی مرتبت ہی کی ذات والا صفات تھی۔

حضور نبی اکرم فاران کی چوٹیوں سے یہ اعلان کرتے ہوئے بڑھے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں، یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نبی نہیں آئے گا۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، لہذا اس واضح اعلان کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اب تا قیام قیامت کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہوا ملے کہ میں نبی ہوں تو وہ سراسر کاذب ہے اور اس کے حواری، ہی خواہ خارج از اسلام ہوں گے۔

آنحضور سرکارِ دو عالم نے کفر و الحاد اور زندلیقیت کے منہ بھاڑتے اور چنگھاڑتے ہوئے طوفان میں پیغامِ الہی بندگانِ الہی تک پہنچانے کی سعی مشکور کی۔ آپ نے ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو ایک مرکز پر لاکھڑا کیا۔ اور یہ اعجاز ہے سرکارِ دو جہاں کی آمد کا کہ ایسے بے آب دگیا، خشک ترین خطے کو جہاں تاحدِ نظر چشیل میدان، اُرتی ریت اور چٹانوں کے لامتناہی سلسلے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس ٹکڑے کو خطہٴ فردوس بریں، بہاروں کا امیں، رشکِ صد گلستان بنا ڈالا، آپ نے عرب کے اُجد، جاہل و بے ادب و نامحجہ، گمراہ و بے دین بدوؤں میں شعور و ادراک کی روح پھونک دی اور عقلِ سلیم کی منزل میں داخل کر کے تاجِ خسروی سے سرفراز فرمایا اور وہ لوگ جو کبھی داغِ منزل تھے اب وہ بقیضِ سرکارِ دو عالم چراغِ راہ بن گئے۔ ان کے قدموں کی دھول چراغِ طور میں فِشَق ہونے لگی۔

لِگاہِ عشقِ وستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقان وہی لیس وہی ظلم

علامہ مرحوم نے فی الحقیقت، حقیقتِ واقعی کی خوب وضاحت کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضور کی ذات ستودہ مہمما ہی کمالِ عشق کی ابتدا، جمالِ مستی کی انتہا ہے۔ بقول رسالت مآب خالق نے کائنات میں جو سب سے اول تخلیق کی وہ میرا نور تھا۔ لہذا اول ہونے کا ثبوت تو حدیثِ مذکور سے مل گیا اور آخری ہونے کی دلیل بھی آپ ہی کے اس زمانِ وحیِ ترجمان سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي "کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ قرآن پاک کیا ہے؟

رسول پاکؐ کے کردار و افکار کی نشاندہی کرتا ہے۔ فرقان بھی آپؐ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ کیونکہ آپؐ ہی نے اکِ حق و باطل میں فرق ظاہر فرمایا اور عقلِ انسانی کو کھوٹے کھرے کی پہچان بخشی، لہذا سرکارِ ختمی مرتبتِ فرقان کہلائے۔ سورۃ یٰسین کلامِ باری تعالیٰ کی اہم ترین سورۃ ہے۔ جسکو کلامِ معجزیان کا دل تسلیم کیا جاتا، اور ہے۔ ظہ بھی کلامِ خدا کی سورۃ ہے۔ جیسے انما، مزل اور ظہ، الدلیل بھی سورتیں سرکارِ دو جہاں کی شان میں رطب اللسان ملتی ہیں۔ اسی طرح سورۃ ظہ بھی حضورِ اکرمؐ کی تعریف و توصیف، عزت و تکریم میں قصیدہ خواں نظر آتی ہیں۔

زندگی تجھ سے ہے اے فخرِ براہیمؑ اپنی

کردِ عاقل سے کہ مشکل ہو اجینا اپنا

اس میں کلام نہیں، ہر صاحبِ عقل و فہم یہ جانتا ہے اور مانتا بھی ہے کہ سعید و صلح، نیک و پاکیزہ اور صاحبِ طہنت بچہ اپنے پورے خاندان کے لئے باعثِ صد فخر و مہمات ہونے کے ساتھ ساتھ سببِ زینت ہوا کرتا ہے۔ اللہ اللہ، جنابِ ابراہیمؑ خلیل اللہ اور جنابِ اسماعیلؑ ذبیح اللہ کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا کہ جس کی ذریت میں جنابِ محمد مصطفیٰؐ، سرورِ کونین، شاہِ مشرقین، عبدُ الحسینؑ و الحسینؑ، صاحبِ طہارت و کتاب، نبیِ آخر الزماں دنیا میں تشریف لائے۔ خلیل حق، بجائے۔ آپؐ جتنا بھی فخر کریں کم ہے، یہ عزت و شرف حق تعالیٰ نے آپؐ (ابراہیمؑ) کو ہی بخشا۔ کہ حضور کو آپؐ کی نسل میں مہوٹ فرمایا۔

دوسرے مصرع میں علامہ مرحوم، فخرِ براہیمؑ، نبی کریمؐ، صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہ! کرم کیجیے، واسطہ آپؐ کو اپنی جد، جنابِ ابراہیمؑ کا کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے، گناہوں سے چشم پوشی فرما کہ ہماری عظمتِ رفعت ہمیں لوٹا دے۔ ہمیں عزت کی زندگی دے، ذلت کی موت سے بچا۔ دنیائے دوں میں ہمارا رہنا سہنا اور آزادی سے سانس لینا تک دو بھر ہو چکا ہے، ہماری اس مشکل کو آسان فرما، تو غفور و رحیم ہے، تیرے نام لیوا، تیرے حبیب (محمد مصطفیٰؐ) کے کلمہ گو آج جن آفات و مشکلات سے دوچار ہیں وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ہماری خطاؤں کو معاف فرما، ذلت و رسوائی ہمارے دشمنوں کا مقدر بنے۔ آمین بحقِ معصومین آمین تم آمین۔ کاش علامہ نے اس دعائیہ شعر میں جہاں رسول اللہ کے جدِ اجد حضرت ابراہیمؑ کو شامل کیا ہے وہاں وہ حضورؐ کی آلِ پاک کو بھی شامل کرتے تو بہت خوب ہوتا۔

عرب خود را بنورِ مصطفیٰ سوخت

چراغِ مُردہٗ مشرقِ برافروخت

و یسکن اسِ خلافِ راہِ گم کرد

کہ اولِ مومناں را شاہی آموخت

ارخان مجاز ص ۱۲۶

یہ حقیقتِ واقعی ہے، اور کتبِ تاریخِ دسیر میں تفصیل سے ملتا ہے کہ دنیائے عرب آمدِ سرکارِ دو جہاں سے قبل گھٹا ٹوپ اندھیروں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ علامہ فرماتے ہیں یہ تو حضور نبی اکرم کے دہود ذی جود کے عالمِ شہود میں جسوہِ افروز ہونے کا اعجاز ہے کہ مشرق کے خاموش چراغ میں روشنی پیدا ہوئی۔ لیکن ہوا کیا کہ اس خلافت نے جو بعد میں آئی، اس راہِ گم کر دیا، جو سبیلِ نجات تھی۔ اور جس نے اس کو آدابِ شاہی کا شعورِ حقیقی دیا تھا، یہ کب ہوا؟ بقولِ اختر مرحوم

جب کر چکا جہاں سے سفرِ آخری رسول

بدلی ہوا تو دین کے بدلے گئے اصول

معلوم یہ ہوا کہ وہ اصول جو زندگی بسر کرنے کے لئے حضور نبی اکرم نے متعین فرمائے تھے، ان میں رد و بدل سرکار کے اٹھ جانے کے بعد کر دی گئی اور یہی وہ وجہ تھی جس نے مسلمانوں کو حقیقی صراطِ مستقیم سے دور کر دیا۔ اور نوبت یہ اس جارید کہ ملتِ مسلمہ گروہِ بندیوں کا شکار ہونا شروع ہو گئی۔ اور آج تک اسی چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔ اسی لئے ترجمانِ علامہ فرماتے ہیں :-

بے اتا کار اے اُمّتِ بسا زیم

قمارِ زندگی مُردانہ با زیم

چُناں نالیم اندر مسجدِ شہر

کہ دلِ در سینہٗ مَلا گدازیم؛

علامہ موصوف کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا فتنہ اگر کوئی ہے تو وہ ملا ہے جس نے سادہ لوح کلمہ گویان محمد کو اپنی گروہ بندیوں کا شکار کر دیا۔ اور ایک دوسرے کے دل میں نفرت کا ایسا بیج بویا ہے کہ جو کاٹے نہیں کٹتا۔ اسی لئے آپ کا ملا کے خلاف یہ نعرہ رہا۔

دیرِ مَلّانی سَبیلِ اللہ فساد

لہذا آپ اہل اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ وہی سبق یاد کریں جو حضورؐ نے ہمیں پڑھایا ہے۔ اسی میں فلاح ہے۔ اور آؤ آپس میں مل کر زندگی کا کھیل مردانہ انداز میں کھیلیں اور تمام شہر کی مساجد میں اتنا روئیں کہ سنگ دل ملا بھی موم ہو جائے۔ جہاں علامہ مرحوم دینِ ملا کے خلاف نعرہ زن نظر آتے ہیں وہاں وہ ان علامہ غظام اور صوفیاء کرام کے بارے میں جاوید نامہ میں اس شعر سے ان کی بزرگی و شدافت کا پردہ چاک کر ڈالتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

عَالَمًاں اَز عِلْمِ تہ اُن بے نیاز

صُوفِیَّاء دُرُندہ گرگ و مُودِ راز

حقیقت بھی یہی ہے کہ آج کے علامہ و فہامہ علم سے بے بہرہ، تعلیم قرآن سے دور، نہیں، دور ہے نہیں بلکہ بے پروا ہیں اور خانقاہوں پر بھبھوت لگاتے، دھوئی رماٹے، لمبی لمبی لٹوں والے جعلی صوفیاء خونخوار بھیڑیے کی طرح براجمان ہیں۔

یہ سب کچھ دین اسلام کے برعکس اور سرکارِ رسالت مآب کی تعلیمات کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم (مسلمان) قہر الہی کے زیرِ عتاب آچکے ہیں۔ لہذا یہ ہمارا فرضِ ادین ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر اپنا اپنا محاسبہ خود کرے اور پھر اپنی اصلاح کی طرف توجہ دے۔ اسی میں خوشنودمی خدا در سوگ کار از پوشیدہ ہے۔

شعلہ ہا اَوْ صَدِ ابراہیمِ سوخت

تا پیرا غایتِ محمدؐ برفروخت

اسرار و رموز ۱۳

صورت میں پیش کرتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ مجھے قسم ہے ذاتِ احدیت کی کہ میرے مددِ وح کی شان یہ ہے کہ کروڑ بار عرشِ نازِ نرود میں کودا ہے۔ خودی کے ہزار ہا شعلوں نے کئی سو براہیموں کو آگ میں پھینکا ہے۔ تو تب کہیں جا کر ایک شمع رسالت بشکلِ احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ روشن ہوئی ہے۔ اسی لئے تو آنحضرتؐ نگاہِ عشقِ دوستی میں اول و آخر قرار پائے۔ جب کچھ نہ تھا تو آپؐ تھے اور جب کچھ نہ ہو گا تو وہی ہوں گے۔

علم و حکمت کے مدینے کی کشش ہے مجھ کو

لطفِ دجانتا ہے کیا کیا مجھے نادان ہونا

ہایاتِ اقبال ص ۲

جہاں علامہ موصوف نے تاریخِ اسلام کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا ہے وہاں آپؐ نے نکاتِ درموزہ پائے۔ حدیثِ رسالت مآب کا بھی بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ اور بعد ازاں اپنی فکرِ جولان سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے حکمت کے گھر اور علم کے شہر سے دلیانہ عقیدت ہے۔ اسی عقیدت و محبت، عشقِ دوستی کی خلش میں کشش وارنگی پاتا ہوں۔ اسی میں زندگی کا لطف ہے۔ میں اس سے بخوبی واقف ہوں کہ حقیقت نا آشنا، کانوں سے بہرے آنکھوں سے اندھے اور عقل سے مبرا، فرزندانِ تہذیب جدید مجھے دیوانہ قرار دیتے ہیں اور کچی کچی ردی کا فاضل ملا اپنی تقریر و تحریر میں مجھے کا زرِ گردانتا ہے۔ لیکن میں (اقبال) تو اسی دیوانہ پن میں لطفِ حقیقی محسوس کرتا ہوں اور ملا کے فتوے میرے لئے سودمند ہیں۔ میں اس میں حقیقی مسرت، فخر و انبساط محسوس کرتا ہوں۔

۱۔ رسول اکرم کا ارشاد ہے "انادارا حکمت"، پھر فرماتے ہیں:-

۲۔ "انامدیننا العلم"

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں آوازِ حق جہنم کرنے والے کے خلاف ایسے ہی کم علم، ملاؤں نے کفر کے فتوے لگائے۔ اسی قسم کے حالات سے اپنے دور میں علامہ صاحب کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ مکہ کے اس کوٹے سے لے کر اس کوٹے تک ملنے لانے لے کر آپؐ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ لیکن بعد میں، ہم آج تک دیکھتے ہیں کہ یہی ملا اپنے کلامِ دیباچہ اور خطبات میں جہاں قرآن کا حوالہ دیتے ہیں وہاں احادیثِ نبویؐ کو بھی لاتے ہیں اور کلامِ باری اور حدیثِ نبویؐ کے ساتھ ساتھ آپؐ کے کلام کو جھوم جھوم کرنے سے بیان کرتے ہیں۔ یہی، قائمِ اعظمؐ کے واسطے فتویٰ کفر صادر فرمایا تھا۔ مگر آج انہی مرد و شخصیات کے ذکر میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ (عمرانی)

بِمَنْزِلِ كُوشٍ مَانِدٍ مَثَبِهِ نُو

دِرِیں نیلی فِضائِ ہر دمِ فزونی شو

مقامِ خویش اگر خواہی دِرِیے دہر

بِحَقِّ دِلِ بِنْدِ وِراہِ مِصْلَکِ رَوَا

اردغانِ عجازِ مرثیہ

خدا نے بزرگ و برتر نے جہاں تجھے عقل کی دولت سے نوازا ہے۔ وہاں دیکھنے کے لئے تجھے دیدہ بینا بھی تو دی ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان نیلگوں پر پہلی رات کا چاند جسے ہلال کہتے ہیں کتنا باریک ہوتا ہے کہ بہت دیر کے بعد نظر پڑتا ہے۔ مگر یہی باریک و خفیف سا چاند جوں جوں اپنی منزلی کی طرف بڑھتا ہے ہلال سے بدرجہا کامل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ علامہ موصوف اس فلسفے سے مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور اسیانِ ہند کو بالخصوص یہ یاد رکھ کر دانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنی منزلِ گم کردہ کو تلاش کر کے اس پر تیزی کے ساتھ بڑھیں اور اس مقام پر پہنچ جائیں جس کو معراجِ انسانیت کہا جاتا ہے۔ لیکن راہِ ناتھ آجانے سے ہی کام نہیں چلے گا نہ ہی عقل و خرد کی مدد ہی منزلِ نمک پہنچا سکے گی۔ اس کے لئے فردی ہے کہ تعلیماتِ سرکارِ دو جہاں کی روشنی میں یہ قافلہٴ حیات سونے نجات گامزن ہو۔ سورہٴ نساء میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے کہ ”جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی“ معلوم ہوا کہ فرمانبرداری رسولِ انام میں ہی انعام و اکرام کی دولت اور صراطِ مستقیم کا راز پوشیدہ ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ راستہ کونسا ہے، رسولِ اکرمؐ نے اپنے بعد اپنی امت کے لئے کن کو اس کا وارث قرار دیا ہے۔ جب ہم اس موڑ پر پہنچ کر فکر سے کام لیتے ہیں تو بآسانی رسالتِ مآب کی زبانِ وحی ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات ملتے ہیں کہ تمہیں اپنے بعد تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہی ہوں۔ ایک میری اہل بیت اور دوسری کتابِ خدا ہے یعنی قرآن پاک، اگر تم نے ان سے تمک رکھا تو نجات پاؤ گے۔ کتابِ خدا کا تعین تو ہو گیا کہ کلامِ باری

لَعَزَّ وَرَمَنَ لَطِيعِ الرَّسُولِ فَتَعَدَّ اَطَاعَ اللّٰہُ (القرآن)

ہے اِنِّیْ تَلَدْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ عِشْرَتِیْ اَہْلُ بَیْتِی (حدیثِ رسول) بحوالہ ترمذی

پادری جابر بن عبد اللہ

ایک ہوں۔ مسلم حرم کی پاسبان کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر ہانچاک کا شجر

قَابِ قَوْسَيْنِ بھی، دعویٰ بھی عبودیت کا!

کبھی چٹمن کو اٹھاتا، کبھی نہایت سے ہونا

ارشادِ رب العزت ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب (محمدؐ) کہہ دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ مگر مجھ پر وحی الہی نازل ہوتی ہے۔ ایک طرف تو اپنے حبیب سے یہ دعویٰ عبودیت کہہ دانا اور دوسری طرف شبِ معراجِ سدرۃ المنتہی کے اس پار ہلا کر قابِ توسیعِ اَدْنٰی کا مصداق ٹھہرانا۔ یہ وہ اسرار و رموزِ مائے الہیہ میں کہ جہاں عقلِ انسانی کی رسائی محال و ناممکن دکھائی دیتی ہے۔ کبھی تو یہ دعویٰ عبودیت ہو۔ اور کبھی شبِ معراجِ قربِ الہی کا یہ عالم دو کمانوں سے بھی نزدیک تر علامہ موسوف کا مندرجہ بالا شعر **وہلکے کے ملاؤں کے لئے کھلا چیلنج ہے۔ جو طوطے کی طرح ایک ہی رٹ لگاتے چلے جا رہے ہیں کہ آنحضرتؐ ایسے ہی تھے۔** مگر وہ قرآنِ پاک کے اگلے الفاظ بھول کیدوں جاتے ہیں۔ جہاں یہ ارشاد ہوتا ہے **يُوحٰى اِلَیَّ** مگر مجھ پر وحی

۱۰۔ یہ حقیقت اہل من الشمس ہے کہ آنحضرتؐ نے اگر مرنے لفظ اہل بیت کا مصداق حضرت علی علیہ السلام، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا، امام حسن اور امام حسینؑ کو ہی قرار دیا۔ یہی وہ ذوات مقدسہ و مظاہرہ میرے۔ انہی کی محبت احبہ رسالت ہے۔ (محرانی)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنِ اتَّبِعُوا مَن يَدْعُوا إِلَىٰ دِينِ اللَّهِ عِزًّا لَّنَا أَجْرُ رَبِّهِمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (الكهف : ١١٠)

ہوتی ہے۔ وحی وہ پیغام الہی ہے جو جبریل امین پروردگار عالم کی جانب سے اس کے پیغمبر کو پہنچاتا ہے، اب بتلائیں وہ جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضور ہمارے جیسے ہی بشر تو ہیں۔ ان میں سے کتنے ایسے ہیں۔ جن پر جبریل امین پیغامِ احدیت بصورتِ وحی لے کر نازل ہوا ہے۔ اور کتنے ہیں وہ جنہوں نے قابِ قوسین کی منزل کو چھوٹا ہے۔ جو اب ہر دردِ سوال کا نفی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

مَا عَرَفْنَا نَظِيرَ كَيْفِ عِظَمِ تِيرِي

قَابِ قَوْسَيْنِ سَهْلَتِي هِيَ حَقِيقَتِ تِيرِي

فزادامت ص ۱۱۱

اس شعر میں بھی وہی تلخ ہے جسے پہلے شعر میں ہے۔ دہاں "قُلْ" کہہ دے تاکید ہے۔ منجانبِ اللہ یہاں مَا عَرَفْنَا خود فرمانِ رسالت مآب ہے۔ کہ میں نے نہیں پہچانا تجھے جیسا پہچانے کا حق ہے۔ غالب کی زبان میں حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

والا مسئلہ ہے۔ ایک طرف تو عجزِ انکساری کا یہ عالم ہے۔ اسی مَا عَرَفْنَا اور "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" ایسے ہی زمودات نے آنحضور نبی اکرم کی عظمت و رفعت کو چھپا رکھا ہے اور شاید یہ حقائق چھپے ہی رہتے، اگر شبِ معراج مسبود اپنے عبد (محمدؐ) کو قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کی منزل میں داخل نہ کرتا۔ بہر کیف شبِ معراج سے بہت سے راز منکشف ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس واقعہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں۔

کبھی شرب میں ادیس قرن سے چھپنا

کبھی برقِ نگرِ موسیٰؑ عِمران سے ہونا

فزادامت ص ۱۱۱

جب سرکارِ دہماں کا وجودِ ذی جود، عالمِ وجود میں جلوہ گر ہوا۔ تو اطرافِ عالم میں آنحضورؐ کا شہرہ پہنچا۔ آپ کی دید کے طالب کشاں کشاں دور دراز علاقوں سے مسافت طے کر کے مدینے پہنچے لگے۔

لے مَا عَرَفْنَا اِنَّكَ حَقٌّ مَعْرُوفٌ

یہ حضورؐ کے ایک عاشق صادق کا نام نامی ہے۔

سے موسیٰؑ عِمران سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ابنی اللہ والوں اور رسول اکرم کے چاہنے والوں میں ادیس قرنی نامی شخصیت بھی آتی ہے۔ آپ نے آنحضرت کے اوصاف حمیدہ اور پیغامِ سنجیدہ پر لبیک کہی اور کوسوں دور بیٹھے ایمان لائے اور حلقہٴ گوش اسلام ہوئے۔ حضرت ادیس قرنی نے حضورِ ختمی مرتبت کو دیکھا نہیں۔ اشتیاقِ زیارت نے شدت اختیار کی۔ قلعہ طویل ہے مختصر یہ کہ گھر سے چلے، مدینہ پہنچے، مگر آنحضرت کی زیارت سے مشرف نہ ہو پائے۔ اسی حسرت کو لئے گھر کو لوٹ آئے۔ ایک طرف تو یہ ہوا کیونکہ والدہ گرامی کی خدمت ادران سے پل بھر کی دوری آپ کو پسند نہ تھی۔ یہی چیز تھی جو سب راہ رہی۔ جس نے شرفِ زیارت سرکارِ رسالت مآب سے محروم رکھا۔ ادھر موسیٰ عمران کے پیہم اصرار پر کوہ طور پر جلوہ افروز ہونا، یہ عجیب طرزِ تشابہ ہے کہ جب عالم وجود میں تھے تو ادیس قرنی سے چھپے رہے۔ اور جب عالم وجود میں نہ تھے تو طور پر ہلکا سا جلوہ دکھا کر موسیٰ کے ہوش گم کر دیے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کا اصرار بڑھتا چلا گیا کہ مجھے اپنا دیدار دے تو ایک روز کوہ طور پر ہلکا کر حضرت موسیٰ کی ضد پوری کر دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تختی جو کوہ طور پر چکی تھی۔ جس نے موسیٰ ایسے نبی کے ہوش گم کر دیے تھے وہ سرکارِ رسالت مآب کے نور کی ہلکی سی تھپوٹ تھی۔

گرچہ پوشیدہ رہا حسن تیرا پر دوسے میں

ہے غیاں معنی لولاک سے پایا تیرا

آنحضرت نبی اکرم کے بارے میں کتبِ تاریخ و سیر میں یہ ملتا ہے کہ آپ جب سے ہیں جب کچھ نہ تھا۔ دن تھا نہ رات، گھڑیاں تھیں نہ گھڑیاں، ماہ تھے نہ سال، غرضیکہ کائنات کی کوئی شے وجود میں نہ آئی نہ تھی۔ وہ مجبور تھا یہ عابد، وہ مسجود تھا یہ ساجد، وہ حمد تھا یہ حامد، وہ شکر تھا یہ شاکر۔ وہ احمد تھا یہ احمد۔ نبی اکرم کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی آبِ دگل کے درمیان تھے۔ وہ مٹی جس سے حضرت آدم بنے وہ ان کے سامنے خمیر ہوئی۔ جب آدم کا پتلا تیار ہو گیا تو حکمِ رب العزت ہوا کہ دیکھو ملائک جب میں اس خاک کے پتلے میں روح بھونک دوں تو تم اس کے حضور سجدہ ریز ہو جانا۔ سب نے تعمیل کی ماسوا ابلیس کے جو قوم اجنا میں سے تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق ڈال کر صاف

لَمْ كُنْتُ نَبِيًّا دَاوُدَ بَيْنَ مَاءٍ وَطَيْنِ

(حدیث مبارکہ)

ملائک سے نکال دیا گیا۔ تیری عظمت کیا کہنا ! ارشادِ قدرت کہ اے حبیب! (محمدؐ) اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ تو دنیاٹے دلوں کی کوئی شے معرضِ وجود میں نہ آتی۔ نہ زمین ہوتی نہ آسمان ، نہ سورج ہوتا نہ چاند تارے۔ یہ زمین کافر شِ غمخیز اور یہ فلک کی ستاروں کی چادر اس پر دکھتا ہوا سورج ، چمکتا ہوا چاند صرف تیری بدولت پیدا کئے گئے ہیں۔ غرضیکہ آنحضور ہی زبدۂ کائنات ہیں۔

از وجود تو سرفرازیم

بس بہ سوز این جہاں سوزیم

قدم بوسنی سرکارِ دو جہاں کے ضمن میں علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ حضور کی حیات طیبہ ، اور اعلیٰ دارِ فرج سیرت ہی ہماری سرفرازی ، اقبال مندی اور سعادت کا سبب ہے۔ بس آپ کی محبت جس دل میں گھر کر جائے۔ اُس دل کا جواب نہیں اور اُس انسان سے بڑھ کر کوئی مقدر کا دھنی نہیں۔ آپ کی محبت سوزِ دنیاٹے دلوں کی محبت کو نیست و نابود کر دینے کے لئے کافی ہے۔

متفرقات اقبال

سرودِ فرستہ علامہ اقبال کے اس مجودے کا نام ہے جو مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے ترتیب دیا۔ یہ ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے۔ اس میں علامہ صاحب کا وہ کلام ملتا ہے جو بال جبریل، بانگ درا، مہربان کلیم، پیام مشرق، زبورِ محم، اسرارِ درموز، بخودی اور جاوید نام میں سے رہ گیا تھا۔ ہم نے سرودِ فرستہ سے صرف وہ اشعار جو ہمارے عنوان سے متعلق ہو سکتے تھے حضور نبی اکرمؐ کے باب کے آخر میں رکھ دیئے ہیں تاکہ قارئین کو علامہ صاحب کی نعت گوئی کا اندازہ ہو سکے۔

نالہائیتیم، جسکو "فریادِ امت" بھی کہا جاتا ہے یہی وہ نظم ہے جو علامہ مرحوم نے 'انجمنِ حمایتِ اسلام' کے سالانہ جلسہ منتقدہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ فروری ۱۹۰۰ء میں پڑھی تھی۔ صدارت کے فرائض شمس العمار مولانا نذیر احمد خاں صاحب نے انجام دیئے تھے۔

تیرے نظارے کا موسیٰ میں کہاں مقدر ہے

تو ظہورِ لُٹِ ترائی گوئے اُدجِ طور ہے !! سرودِ فرستہ

بلاشبہ حضرت موسیٰ میں یہ تاب، یہ جمال کہاں کہ وہ خالق کائنات کا دیدار کر سکیں۔ وہ تو اس کے محبوب محمدؐ کے جمالِ جہاں آرا کی ہلکی سی جھلک دیکھ کر بوشِ گم کر بیٹھے تھے۔ علامہ صاحب کا اشارہ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف ہے جو جناب موسیٰ کے ساتھ کوہِ طور پر پیش آیا۔ حضورؐ وہی ظہورِ لُٹِ ترائی کے مصداق ہیں۔ آپؐ ہی کے نور کے

ہلکی سی چھوٹ کوہِ طور کی شہرت کا سبب بنی اور حضرت موسیٰ اور ان کے حواریوں کے پیہم اہرار کا جواب!

ہاں ادبِ اکبرؑ دل بڑھا اعزازِ مشتبِ خاک کا

میں مخاطب ہوں جنابِ سیدِ لولاک کا

سرودِ رفتہ

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ! کہاں میں گنہگار و ذلیل! کہاں نصیبِ سرکارِ دو جہاں! مگر اے دل ذرا ادبِ محفوظِ خاطر رہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ سیدِ ولک کی مدحت کا فریضہ ادا کرے گی تو یہی مشتبِ خاک لائقِ تعظیم و تکریم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ میں حضورِ ختمی مرتبت کی شان میں صبح و سارِ طرب اللسان ہوں محمد ایسا عبدِ ذلیل جو صرف ایک مٹھی خاک کے سوا کچھ بھی نہیں، یقیناً یہی ایک مشتبِ خاک جب نبی پاک

ابراہیمؑ بارہ — یہ بھی سرودِ رفتہ کی ایک نظم ہے جو تمام کی تمام علامہ صاحب نے نعت کے انداز میں کہی۔ اور یکم مارچ ۱۹۰۲ء کو پڑھی گئی۔

پیرِ بن جب عشق کا حُسنِ ازل نے پہنا

بُج کے تیرب میں وہ آپ اپنا خریدار آیا

سرودِ رفتہ

اقبال مرحوم کا یہ شعر حدیثِ قدسی کا ترجمان ہے۔ جہاں ارشادِ قدرت ہوتا ہے کہ میں ایک مٹھی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں، اس لئے اے محبوب میں نے تجھے پیدا کیا۔

میں نے سو گلشنِ جنت کو کیا اس پہ نثار

دشتِ تیرب میں اگر زیرِ قدمِ خار آیا

سرودِ رفتہ

علامہ فرماتے ہیں کہ میں تیرب کی طرف گامزن ہوں۔ اگر اس دیارِ تک پہنچنے میں کوئی کاٹنا بھی میرے پاؤں میں چبھا تو میں نے اسے بھی خوش آمدید کہا اور اس کاٹنے پر سینکڑوں گلشنِ جنت نچا دو کر دیئے ہیں۔ علامہ اقبال عشقِ رسالت میں یہاں تک کہہ گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے عشق میں مرنے کے بعد بھی اقبال، اقبال سو رہے ہیں۔

عشق کی راہ میں اک سیر تھی ہر منزل پر

نجد کا دشت کہیں، مصر کا بازار آیا !!! سرود رفتہ ۱۱

عقلمند کہتے ہیں کہ عشق کی راہ میں ہر منزل پر طرہ نما تھا۔ نجد کے دشت کی سختیاں ہوں یا مصر کے بازار میں خریداروں کی بولیاں ہوں ہم نے راہ عشق میں یہ سب کچھ سہا۔

لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا

عرق شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا! سرود رفتہ ۱۲

یا رسول اللہ آپ کی شفاعت نے مجھ ایسے گنہگار کو اپنے سایہ رحمت میں لے لیا۔ حالانکہ میں تو مارے شرم کے سر بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔ مگر آپ کی شفقت و مہربانی، رحم و کرم نے میرا بھرم رکھ لیا۔ ورنہ یہ عیبِ ذلیل، ربِّ جلیل کے سامنے ہر محشر ذلیل و رسوا ہو جاتا۔

وہ میری شرم گنہ اور وہ سفارش تیری

ہائے اس پیار پہ کیا کیا نہ مجھے پیار آیا سرود رفتہ ۱۳

یہ تو سرکارِ دو جہاں کی سفارش تھی جو میں بچ گیا۔ آپ کی اس بروقت شفاعت اور شفقت پر یا رسول اللہ مجھے بھی آپ کی اس ادائے خاص پر بہت ہی پیار آیا۔

مجھے کیا کیا پیار آیا؟ یہ بیان سے باہر ہے۔ زبان گنگ عقل کی پرواز محدود اور الفاظ میں وسعت نہیں جو اس پیار کی کیفیت کو بیان کر سکیں۔

خاک ہو کر یہ بلا اوج تیری اکفت میں

کہ فرشتوں نے لیا بہرِ تیمم مجھ کو !!! سرود رفتہ ۱۴

علامہ فرماتے ہیں، یہ شرف و منزلت یا رسول اللہ مجھے آپ ہی کا محبت میں فنا ہو کر ملا ہے کہ آج مجھ ایسے
بے بدلیل کی مشہور خاک کو ملائکہ بہرِ تم استعالم کر رہے ہیں۔

موٹ آجائے جو یثرب کے کسی کو چے میں

میں نہ اٹھوں جو مسیحا بھی کہے قہم مجھ کو

اللہ جانتا ہے کہ اگر مجھ (اقبال) کو دیارِ یثرب کے کسی کو چے میں موت آجائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ اور
یقین جانو! کہ میں پھر کبھی نہ اٹھوں، لاکھ مجھے مسیحا بھی تم باذن اللہ کیوں نہ کہہ کہہ کر تھک جائے۔

اے کہ تھا نوح کو طوفاں ہیں تہا راتیرا

اور براہِ میم کو آتش میں بھروسہ تیرا

جب کشتی نوح گردابِ بلا میں آن پھنسی تو انہوں نے مدد کے لئے آپ ہی کا سہارا لیا۔ اس طرح جب ابراہیم
خیل اللہ کو نادرود میں پھینکا گیا تو اس وقت بھی آپ ہی کا نام لایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کام بھی کر داتے
تھے وہ بذریعہ حضرت علی کر داتے تھے۔ اسی لئے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ہر نبی کی چھپی ہوئی مدد
کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر و باطن۔

(حدیث نبوی)

اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا

تَرْجِيحُ: ہنس علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے

فیض اقبالؒ ہے اسی در کا
بندہ شاہِ لاجپتیؒ ہوں میں

ہم مسلم اول شہ مردان علیؑ

عشق رائے ایمان علیؑ

اسرار دہ موزع ۵۲

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنے ممدوح، مولائے کائنات، مشکل کشائے شش جہات علی المرتضیٰؑ کو ہنپتے، شگفتہ و شائستہ انداز میں خراج عقیدت پیش کیا جو حقائق و معارف پر مبنی ہے۔ اللہ کے خانہ زاد انبیؑ کے داماد، جبرائیل کے استاد، دانائے بُل، عقلِ کل، وارثِ ختم الرسل کی تین خصوصیات کو اپنے فلسفیانہ اور شاعرانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ علیؑ وہ ہے کہ جن کو مسلم ہونے کا اگر القدر اول اعزاز نصیب ہوا۔ ابن عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی۔ اسی ضمن میں حضرت جابرؓ سے بھی روایت ملتی ہے۔ فرمایا رسول پاکؐ نے کہ میں پیر کے دن مبعوث ہوا اور علیؑ نے بروز منگل نماز پڑھی۔

زید بن ارقم علی المرتضیٰ کے مسلم اول ہونے کے سلسلے میں رسول اکرمؐ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ عَلِيُّ أَوْلُ مَنْ دُئِلَ۔ سب سے پہلے جو (محمدؐ) مجھ پر ایمان لائے، وہ علیؑ ابن ابیطالب ہیں۔ اسی حدیث میں تائید میں ابی بکرؓ رضی اللہ عنہما بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر یہاں پہنچ کر ہر ذمی شعور جس کو تھوڑا بہت بھی تاریخ اسلام سے مَس ان روایان کی ان روایات پر اختلاف کثیر پایا۔ المستود میں یہ رقم ہے کہ انہوں (علیؑ) نے کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ اور نہ ہی کسی اور ملک سے منسلک رہے۔ وہ تو اتباعِ رسولِ اکرمؐ، نبیِ مکرمؐ کو اپنا اور ٹھہنا بچھونا سمجھتے تھے اور اسی منسلک (اسلام)

۱۔ اَوَّلُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ (تاریخ طبری)

۲۔ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ يَوْمَ لَا يُنْفَخُ عَنْ يَوْمِ الثَّلَاثَةِ (تاریخ طبری)

و اتباع سرکارِ دو جہاں میں حق شعور میں قدم رنجہ ہوئے۔ اور اسی پر انجام بخیر ہوا۔ اپنے بارے میں خود سرکارِ امیرِ المؤمنین فرماتے ہیں۔ فَإِنِّي دَلَلْتُ عَلَى الْفُطْرَاتِ وَسَيَقَتْ إِلَى الْإِيْمَانِ - اسی ذیل میں حضورِ سید الوصیین کا ایک شعر بھی ملتا ہے۔
فما سئیت !

سبقتکم الی الاسلام طفلا

صغیرا ما بلغت اوان حلی

جیسے آپ کے سابق الاسلام ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ملتا۔ ویسے ہی آپ کی شجاعت و بہادری، دلیری و جوانمردی اور ثبات قدمی میں کلام نہیں۔ اگر بالغ نظری سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی ایسی جنگ نہیں جو عہدِ رسولؐ میں کفر و الحاد اور زندقیت کے خلاف لڑی گئی ہوئی اور علی المرتضیٰ اس میں شریک نہ ہوں۔ ہم تاریخ کے اس ائینہ میں اسی شخصیت کو بدرِ واحد، خندق و خیبر میں سر بلندی اسلام، یقائے دین اور تحفظِ حریتِ نبوت میں سرگرم عمل پاتے ہیں۔ رب العزت نے اسی جذبہ ایثار و قربانی کو دیکھ کر عزت افزائی کے طور پر کاہنی کا تاج پہنایا۔ یہی علیؑ وہ مردِ آہن ہے جس نے دوشِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر لات، منات و جہل ایسے خود ساختہ خداؤں کی گردن توڑ دی، بدرِ واحد میں سردارانِ کفر کے سر قلم کئے۔ خندق میں عمر بن عبدود کا سر قلم کر کے ضربتِ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین کا اعزاز پایا اور خیبر میں مرحب و عتتر ایسے نامی گرامی شہ زور کا زورِ غیور اور گھمنڈ چشم زدن میں خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

خیبر میں رسولؐ اکرم نے کراہ غیر فرار، مرد میدان اور علم اسلام کا محافظ و نگہبان قرار دیا۔ جنگِ خندق میں عمر بن عبدود کے مقابل بھیجے وقت خاتم الرسلؐ نے علیؑ کو کل ایمان کہہ کر بدرِ مقابل کے کل کفر ہونے کی نشاندہی کر دی اور قیامت تک کے لئے ایک اُسول پھوٹ گئے۔ وہ یہ کہ جو بھی کل ایمان، علی المرتضیٰ کے سامنے آئے گا وہ کل کفر ہوگا چلے اس میں مرد ہو یا عورت۔ جب علیؑ غمو کا کام تمام کر کے خرا ماں خرا ماں واپس سرکارِ دو جہاں کے حضور حاضر ہوئے تو فرطِ مسرت سے رسولؐ نے بڑھ کر گلے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا، بازوؤں کو چومایا اور زبانِ وحی ترجمان سے فرمایا کہ علیؑ! تمہاری آج کی ایک ضرب کا دی ثقلین کی عبادت سے کہیں بھاری ہے۔

سہ مسجد کو ذیہ رمضان المبارک کے ایسویں شبے کو ابنِ طلحہ کے تلوار کا زخم کھا کر فرماتے ہیں ”مَوْتُ جُؤَبْ کَعْبَہ“۔ یہ دہی کہہ سکتا ہے جس نے کامیاب زندگی گزاری ہو۔ (عزرائی)

تیسری خصوصیت سرکارِ امیر المومنین کی علامہ مرحوم نے یہ متحین کی ہے کہ علیؑ اعلیٰ دارِ فِتنہ شخصیت ہے کہ جو بعد از رسولؐ، بزرگ و برتر نظر آتی ہے۔ اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس کو عزیز اور دوست رکھتے ہیں۔ جو علیؑ کو دوست رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے سرکارِ نجف، امیر المومنین، سید الوصیین سے خلوص و عقیدت اور والہانہ محبت ہے۔ یہی محبت مومن کے لئے سرمایہٴ ایمان و ایقان ہوا کرتی ہے۔

از ولایے دُومانش زندام

اسرار در موزہ ۵۵

در جہاں مثل گہر تابندہ ام

علامہ صاحب کا تمام کلام، اردو کا ہویا فارسی کا، بتدریج پڑھ جائیے جہاں بھی انہوں نے امیر المومنین کے متعلق کچھ کہا ہے وہ انہوں نے خلوص و محبت اور دریلے معرفت میں ڈوب کر کہا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آپ (اقبال) کو سرکارِ شاہِ نجف سے والہانہ محبت تھی۔ آپ کا نظریہ زندگی کے بارے میں یہ ہے کہ زندگی جسم اور روح کے ربط و ضبط کا نام نہیں ہے۔ بلکہ حیات بے ثبات کو قیام و دوام اگر ہو سکتا ہے تو علیؑ کی محبت سے ہو سکتا ہے اور یہی انسان کے لئے معراجِ زندگی اور اسی میں حق کی بندگی کا فرما ہے۔ جس کے دل و دماغ میں علیؑ کی محبت روح بس جلتے وہ مرنے نہیں وہ بعد از مرگ بھی زندہ و پائندہ رہتا ہے۔

زیر گم وارفہ نظر اہ ام

اسرار در موزہ ۵۶

در خیابانش پو پو آوارہ ام

علامہ اقبال پر یورپ کا جدید فلسفہ اور مغربی تہذیب اس لئے اثر انداز نہ ہو سکی کہ ان کے پیش نظر بابِ مدینۃِ اعلم اور مدینۃِ الحکمہ کا فلسفہ و حکمت اور اسوۂ حسنہ تھا۔ وہ فلسفہٴ سقراط، حکمتِ ارسطو اور تیز کنی ادراکِ افلاطون پر کبھی راضی نہیں ہوئے اور نہ ہی کبھی ان مکاتیبِ فکر سے اپنی دانش و بینش کو صیقل کیا۔ وہ تو سرکارِ امیر المومنین کو دانے بسُل، عقلِ کل اور علم و حکمت کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں۔

جب اقبال مرحوم کو علیؑ کے جمالِ جہاں آرا کا نظارہ ہو گیا تو وہ پھر، پل بھر کے لئے اس نظارے سے غافل نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو معرفتِ امیر المومنین علی المرتضیٰ حاصل ہو گئی تو پھر آپ کی نظریں بعد از خدا و رسول سوائے علی المرتضیٰ کے کوئی نہ چھو سکا۔ اور نہ ہی دل میں سما سکا، اور نہ ہی کسی کو عقل نے

زَمِ زَمِ اَر جَوْشِ زِخَاکِ مَنِ اَز دُوسْتِ

مے اگَر ریزِ دِزِ تَاکِ مَنِ اَز دُوسْتِ

اسرار در موز حد ۵۲

اگر تو انین شریعیہ اور شریعت محمدیہ کے دقیق و عین مسائل پر نظر غائر ڈالیں تو حیدر کرار کی ذات والا صفات ہی وہ اَوَّل و آخر سرچشمہ فیض و کرم نظر آئے گی اور اسی طرح تصورِ ہائے تصوف اور نقطہ ہائے طریقت پر مبنی کتابوں کی ورق گردانی کی جائے تو یہ بات باسانی پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تصوف و طریقت کا منبع بھی علی ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ بایں وجہ علامہ مرحوم آپ کو علم و حکمت، قضا و قدر، عشق و مستی، جذب و شوق اور علمِ خفی و خلی کا محرم و رازِ دانا سمجھے ہیں۔ آپ کو یہ اعتراف ہے کہ میری نغمہ سرائی و زمزمہ خوانی سے چشمہ زمزم موجبِ نفع ہے تو اس میں میرا اپنا کوئی کمال فن نہیں ہے۔ یہ تو اس ممدوح کے مدح سرائی کا اعجاز ہے کہ میرے انگور سے (اس گئے گئے گزرے وقت میں بھی) نے حُبِ علی ٹپک رہی ہے یہ محمد دال محمد کی دین ہے۔

خاکم از مہرِ او آئینہ ام

می تو اں دیدن نوادرِ سلینہ ام

اسرار در موز حد ۵۲

لاریب میں خاک کا ایک حقیر و ذلیل پتلا سی مگر صاحبِ لاکھ لاکھ شکر ہے اس خدائے بزرگ و برتر کا کہ جس نے عشقِ رسولؐ، حُبِ آلِ رسولؐ اور ولائے حیدر کرار سے میرے دل کی کٹافوں اور کہ درتوں کو کافور و نابود کر دیا ہے اور میرے دل کے آئینہ کو وہ جلا بخشی کہ میری آنکھوں کو بصیرت مل گئی۔ میرے سینے میں سوز، جگر میں گداز اور دل میں اللہ ہو کا سا زنجیر سب کچھ امیرِ عرب، شاہِ نجف کے محبت کا اعجاز ہے۔ اسی سے میں نے عشقِ حقیقی کی منزل کا تعین کیا ہے۔

اَز رُخِ اَوْفَالِ مَغِیْبِ گِرِفْتِ

مِلّتِ حَقِّ اَز شِکْوِشِ فَرِ گِرِفْتِ

اسرار در موز حد ۵۲

جہاں اللہ کے پیارے رسولؐ نے غدیخہ پر علیؑ کا ہاتھ تھام کر یہ کہا تھا "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَلِهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاكَ"

جس کا میں مولا ہوں، علی اس کا مولا ہے۔ جہاں کتب احادیث میں علی المرتضیٰ کی شان میں ان گنت احادیث موجود ہیں مثلاً فرمان رسالت مآب ہے کہ اپنی مجالس و محافل کو علی ابن ابی طالب کے ذکر سے زینت دو، اسی طرح ایک اور حدیث جس کی راویہ جنابہ عائشہ ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول مقبول کو یہ کہتے سنا ہے کہ علی ابن ابی طالب کے چہرے کو دیکھنا عین عبادت ہے۔ اسی حدیث کو صحابی رسول حضرت عمر ابن حصین روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ علی کے چہرے کو دیکھ لینا عبادت ہے۔ اسی لئے علامہ مرحوم نے اپنے شعری انداز میں مسلم اول شہ مرداں (علی) کے چہرے سے فال نیک لی ہے۔ ملت اسلامیہ کی سر بلندی، شان و شوکت اور اسلام کے عروج و غزوات النبی میں کامیابی میں علی کی ذات گرامی کا حد تک دخل ہے۔

قوتِ دینِ مبیں فرمودہ آتش

کائنات آئیں پذیرِ آزدودہ آتش

اسرارِ درموز ص ۵۲

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے نفرت حق، احیائے اسلام، بقائے دین و ملت کے سلسلہ میں وہ مثالی کردار ادا کیا جس کی نظیر تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ اور جنگ احد وہ جنگ ہے کہ جس میں سرکارِ عرب و عجم، رحمت عالم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اور میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے لوگوں نے مدینہ میں یہ خبر عام کر دی کہ نصیب دشمنان نبی اکرم قتل کر دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ کے قوتِ بازو علی المرتضیٰ ہمراہ ہوں اور سرکار رسالت مآب کو کوئی نقصان پہنچے۔ امیر المومنین اس عالمِ افراتفری میں تحفظِ تاجدارِ نبوت کے لئے سینہ سپر نظر آتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو۔ آخر جگر جگر ہے دگر دگر ہے۔ علی علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے دعوتِ ذی العترہ کے روز سرکار رسالت مآب کی نبوت کے واحد گواہی دے کر دینِ مبیں (اسلام) میں قوت و استحکام اور بقائے دوام کی روح پھونک دی۔ سچ تو یہ ہے کہ علی اور اولادِ علی اسلام کے ہر اڑے اور اڑے وقت میں کام آئی اور شجرِ اسلام کی آبیا ری اپنے خون سے کرتی رہی، بقولِ کہی شاعر کے:-

لہ ریاض النضر ج (۱) ص ۱۵۳ - مدارج النبوة ج (۲) ص ۵۲۱ - کنز العمال ج (۶) ص ۲۹۴

لے عن عمر ابن العاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول النظر الی وجہ عبادۃ - صواعق محرقة ص ۲۵

یونہی سلام کیے پیر میں مضبوطی نہیں آئی

بڑی انمول جانیں دی ہیں اولادِ پیچیدہ

علی المرتضیٰ کی ذاتِ بابریات وہ ہے کہ جس کے دم قدم سے قانونِ الہی کو فروغ اور دینِ اسلام کو قوت و استحکام نصیب ہوا۔

مُرسل حق کردہ نامشِ بو ترابؑ

حق یدِ اللہ خواند در اُم الکلیثا

"بو تراب" کے لغوی معنی "مٹی کا باپ" ہے۔ یہ لقب سرکارِ نجف کو دائی دو جہاں محمد مصطفیٰؐ نے اس وقت دیا تھا جب علی المرتضیٰ عبادتِ الہی سے فارغ ہو کر صحنِ مسجد میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے نبی اکرمؐ کو سونے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ پیار سے فرمایا: قم یا ابو تراب! وہی علیؑ جن کا فرشِ خاک پر سونا محمد مصطفیٰؐ کو بھایا اور بسترِ رسولؐ پر شبِ ہجرت بھی سونا اللہ تعالیٰ کو پسند آیا کہ مہرِ ضلالت اللہ کے بالوں سے یہ سونا نکلا۔ معرہ ثانی میں علامہ مرحوم نے فرمایا ہے کہ سرکارِ امیر المومنین کو یدِ اللہ (یعنی اللہ کا ہاتھ) کہہ کر کتابِ لاریبانیہ میں خود حق نے کہا ہے۔ جو نبی اکرمؐ کے دستِ مبارک سے پھینکے ہوئے کنکروں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ اے میرے جیب! یہ کنکر تم نے نہیں، میں (اللہ) نے پھینکے ہیں۔ وہاں کنکر پھینکنے کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہاں علیؑ کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔

۱۔ اولادِ پیچیدہ میں وہ سب کے سب نفوسِ قدسیہ شامل ہیں جو اولادِ علیؑ و بتولہؑ سے ہیں۔ یعنی امام حسنؑ سے لے کر امام آخر الزماں تک

۲۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
(القرآن حکیم)

۳۔ و ما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی

سورہ البقرہ آیت ۲۵۴، القرآن حکیم

ہر کہ زیں بر مرکب تن تنگ نشٹ

اسرار در موزم

پوں نگیں بر دولاب خاتم نشٹ

انسان کا نفس وہ سرکش تیر اور منہ زور گھوڑا ہے کہ اگر یہ انسان کے ہاتھ سے چھٹ جائیں تو پھر اس کا ترکش میں آنا امر محال ہے۔ اسی طرح منہ زور مرکب جب اپنے راکب کے نیچے سے نکل جائے تو پھر اس کو بس میں کرنا انسان کے بس کی بات نہیں رہتی۔ اقبال مرحوم نے اسی بلاک اس شعر میں بند کیا ہے۔ آپ (اقبال) کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر قابو رکھنا چاہیے تب ہی دنیائے دلوں میں وہ مؤثر و معزز رہ سکتا ہے۔ اور اگر وہ اس کے برعکس خواہشات نفسانی کے تابع ہو گیا تو انجام بخیر نہ ہو گیا۔ علی مرتضیٰ کی زباں سے نکلا ہوا ہر لفظ بلاغت کی جان فصاحت کی آن بان ہوتا۔ مثلاً

اٹھا کر ذرا دیکھو فیہج البلاغہ

کہ کتنی علیؑ کی زباں محترم ہے! (عمرانیہ)

یہی وجہ ہے کہ سرکارِ امیر کے ارشادات و خطبات کو ”بیج البلاغہ“ کہا جاتا ہے۔

زیر پاش اینجاہ شکوہ خیر است

اسرار در موزم

دست او انجب قسیم کوثر است

جس (علیؑ) نے اپنے نفس (نفس امارہ) پر قابو پایا ہو جس نے اپنی مرضی، مرضاتِ الہی کے سپرد کر دی ہو اور زندگی اتباعِ رسولؐ، نصرتِ اسلام اور بقائے دین حق کے لئے وقف کر دی ہو، خیر ایسے آہنی قلعے (قلعہ قموس) کو وہی فتح کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم رکھتا ہے۔ قلعہ قموس (خیبر) کوئی ایسا ویسا قلعہ نہ تھا، خود جناب امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں کہ قلعہ خیبر میں نے قوتِ بشری سے نہیں اکھاڑا بلکہ تائیدِ ایزدی شامل حال تھی اور قوتِ ربانی کی مہربانی سے یہ فتح نصیب ہوئی۔ اس ضمن میں عربی شاعر ابن الحدیدؒ نے

ایک قصیدے میں فتح خیر کو معجزہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

یا قالم الباب الذی عن ہرہ

عجزت الکف اراجون واربع

:- (ترجمہ) :-

اے دروازہ خیر کو اکھاڑنے والے! جسے کو بیکے وقتے چوالیس (۴۴)

آدمی لے کر اکھاڑنے کے تو باتے کیا ہلانے تکے سے نامرد عاجز رہتے۔

دوسرے مصرعہ میں علامہ مرحوم نے آپ کے لقب کو نہایت نپے تلے، شگفتہ و شائستہ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ علی ہی ساقی کوثر ہیں۔ آپ ہی روز محشر اپنے دست مبارک سے محبتیں و مخلصین، فرمانبرداروں حق پرستوں، حق شعاروں، صادقین اور عابدین کو جام کوثر سے سیراب فرمائیں گے۔ بغرض کہنے کی یہ ہے کہ جو حق پرستوں، نفسانی پر قابو رکھے وہی اس دنیا میں خیر کشا ہوتا ہے اور آخرت میں قسیم کوثر ہوتا ہے۔

اَزْخُودِ اَکْاہِی، یَدِ اللّٰہِ کُنْد

اسرار در موز ۵۳

اَزْیَدِ اللّٰہِ شَہَنشَاہِی کُنْد

قوله معصوم ہے: مَنْ عَرَفَ فَضْلًا فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ (عجب جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب

کی معرفت حاصل کر لی۔

سرکار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معرفت باری تعالیٰ میں اس منزل پر پہنچ چکے تھے کہ جہاں آپ نے فرمایا کہ اگر میری نظروں کے سامنے سے آسمانوں کے حجابات ہٹا بھی دیئے جائیں تو میرے علم و یقین میں راتے برابر فرق نہ آئے گا۔

حکیم الامت شاعر مشرق کے نزدیک سرکار امیر نے معرفت باری تعالیٰ سے ید اللہ کا شرف پایا اور ید اللہ سے شہنشاہی دین و دنیا کی فضیلت و عظمت حاصل کی۔ پروردگار، دو جہاں نے سرکار امیر کو کہیں ید اللہ، کہیں وجہ اللہ، کہیں عین اللہ اور کہیں لسان اللہ ایسے گرانقدر اعزاز و نوازشات سے نواز کر اپنی ذات کا منظر بنا دیا۔

لے اسے لے سرکار امیر المومنین کو مظہر العجائب کہا جاتا ہے۔ (عزائے)

ذاتِ اودر وازہ شہرِ علوم

زیرِ فرمائش حبِ ازوچین و روم
اسرار و دوز صلا

منہر ذاتِ خدا، شہِ لائقی، علی المرتضیٰ کو شہرِ علوم کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ علامہ مرحوم نے تاریخ اسلام، کتب احادیث، اقوال ائمہ، فرمانِ الہی (قرآن پاک) کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اسی لئے پہلے مصرے میں رسولِ پاک ﷺ کی وہ مشہور حدیث کوٹ QUOTE کی ہے۔ ارشادِ رسالت مآب ہے۔ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا، کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ اسی ضمن میں ایک اور حدیث بھی ملتی ہے، جس میں یہ اضافی حصہ بھی ملتا ہے: مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ کہ جو بھی علم حاصل کرنا چاہے، وہ دروازے سے آئے، اور کسی شہر یا گھر میں داخل ہونے کا مہذب و شائستہ طریقہ بھی یہی ہے کہ دروازے سے داخل ہوں۔ گر در چھوڑ کر دیوار پھلانگ کر آنے والا چور کہلاتا ہے۔ خود پروردگار عالم اپنی کتاب (قرآن پاک) میں ارشاد فرماتا ہے۔ ”گھروں میں دروازوں سے آؤ“ دوسرے مصرے میں علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ علی وہ شہنشاہ اور بادشاہ ہیں کہ جس کے زیرِ نگین حجاز، چین اور روم ہیں۔ کیونکر ہیں؟ کیا تاریخ اسلام اس کی نشاندہی کر سکتی ہے کہ علی واقعی فرمانروائے حجاز و چین و روم ہیں۔ کیا علی نے کوئی لاؤشکر لے کر ان ممالک پر چڑھائی کی تھی۔ جواب تاریخ یہی دے گی۔ نہیں صاحب ”علیؑ نے بزور تیغ کسی ملک، سلطنت یا اس خطہ ارضی پر تسلط قائم نہیں کیا۔ بلکہ جہاں جہاں بزورِ تلوار اسلام پہنچا، وہاں اسلام کے نقوش دھندلا گئے اور جہاں جہاں اسوۂ حیدر کرار اور کردارِ اہل بیت کی ضیا پاشیاں فروغ اسلام کا باعث بنیں وہاں آج بھی اسلام کے نام لیوا اسلام کی عزت و حرمت پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ یہاں پر یہ بات سرِ امر غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ نہیں نہیں صاحب ایسا نہیں بلکہ اخلاق، خلق، مہر و وفا، خلوص و مروت اور پیار سے پروان چڑھا۔ اس میں حیدر کرار کا بے داغ کردار، محمدؐ و آلِ محمدؐ کی بے مثل و لادال قربانیاں اور جذبہ ایثار کا فرمانظر آتا ہے۔

۱۔ طبرانی اور حاکم نے ابنِ عمرؓ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے

۲۔ وَالْوَلَسُّوتِ مِنَ الْوَابِعَا (القرآن الحکیم)

حکمران بایں شدن بر خاک خویش

اسرار در موز ۵۴

تا منے روشن خور می از خاک خویش

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کو قابو میں رکھے، جس طرح اقبال مرحوم کے حمد و تحفہ حضرت علی علیہ السلام نے بوترابی فرمائی ہے۔ جہاں تک ہو سکے "نفس مارہ" کو شکست دے اور اسے غالب نہ آنے دے۔ آخر کو تو کامیاب ہوگا۔ اپنے ہی انگور سے کشید کردہ شراب (شراب معرفت) پی کر اپنے اعلیٰ دار فہ مقصد میں آگے بڑھ۔ زمانہ خوش آمدید کہے گا۔

ہم کہ دانا ئے رموز زندگیت

اسرار در موز ۵۲

بہر آسمان علی داند کہ چسیت

جو کوئی عاقل و فرزانه 'دانا اور بینا ہے اور جسے رموز زندگی کے نشیب و فراز سے کماحقہ واقفیت ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ اسرار و رموز اور ماہیت زندگی کے تمام تر راز ہائے مہربان علی المرتضیٰ کے نام نامی اسم گرامی میں پنہاں ہیں۔ علامہ اقبال کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی معرفت نہایت ضروری ہے۔ اور اس پر فرمان رسول یوں دلالت کرتا ہے کہ جس نے وقت کے امام کو نہیں پہچانا اور اسی عالم میں اس عالم فانی سے کوچ کر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا، علی علیہ السلام صرف امام وقت ہی نہیں بلکہ ابوالکلام ہیں۔

خاک تاریکے کہ نام او تن است

اسرار در موز ۵۲

عقل از بیدار او در شیون است

۱۰ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ فَقَدْ مَاتَ مَيِّتًا جَاهِلِيَّةً (حدیث رسول)

۱۱ یعنی علی المرتضیٰ بعد از رسولؐ سب سے افضل ترین شخصیت اور اعلانِ غمِ غدیر کے مطابق سب کے مولا و آقا

جیسے نبی اکرم ہیں۔ آپؐ کے اولاد سے امام مٹے سے لے کر مہدیؑ آخر الزماں علیہ السلام تک کے بعد دیگرے

(ماہنامہ صفحہ)

انسان کی حقیقت اگر دیکھی جائے کہ وہ کیا ہے۔ بقول کسی شاعر کے :-

آدمی بلبہ ہے پانی کا

مگر صاحبِ علامہ مرحوم اس کو تیرہ دتار مٹی کا ٹوک خاک کہتے ہیں اور یہ حرکت بھی روح کے اعتبار سے ظہور میں آتی ہے۔ خود اس تاریکی تن بدن کے ظلم و جور سے مسلسل فریاد کناں ہے۔ پھر فرماتے ہیں :-

شیرِ حقِ ایں خاک را تسخیر کرد

ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد

اسرار در رموز ص ۵۳

اللہ کے شیر، حیدرِ کرار، غیرِ فرار نے اس تیرہ دتار یک خاک کو ضوِ پاشی بخشی اور آپ نے اسی تاریک مٹی کو تسخیر کر کے اکسیر بنا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ (علی المرتضیٰ) نے خواہشاتِ نفسانی کی آلائشوں سے روح کی بالادستی کی خاطر جنگِ لڑی اور اپنے اس مقصد میں کامیاب و کامران ہوئے اور آخر کار جسم پر روح کی بالادستی کا راج ہوا۔ اور یہی تیرہ دتار خاک منہجِ انوار بنی۔ کبھی مہِ خام تھی اب آن کر کندن مہی

مرْتَضٰی کز تنِ اَوْ حَقِ روشن است

بُو تَراب از فتحِ قَلیم تن است

اسرار در رموز ص ۵۳

علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو یہ فضیلتیں حاصل ہیں کہ وہ خدا کے خانہ زاد، نبی کے داماد، جبرائیل کے استاد، فاطمہ کے شوہر نامدار، اور حسینؑ شریفین کے پدربزرگوار ہیں۔ لیکن ان تمام فضیلتوں سے ایک لحظے کے لئے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اگر علی علیہ السلام کی ذاتِ عالی صفات پر غور و فکر کریں تو بھی آپ کی شخصیت فقط عروج پر نظر آتی ہے۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی حکمِ الہی اور اتبعِ رسولِ مقبول کے لئے وقف کر دی تھی اور اسی کو آپ (علیؑ) سرِ بابِ دین و دنیا تصور کرتے تھے۔ آپ کی تلوار (ذوالفقار) جب بھی نیام سے نکلی تو پئے نصرت حق نکلی اور میان حق و باطل حد فاصل ٹھہری، باطل (کفر) کے

(المصنف ۹۸) بادیانِ برحق حق کے تائید، بقائے دین، احیائے اسلام، تحفظِ ناموس و رسالت کے لئے دنیا میں تشریف لائے، حق سے کائنات کا آخری امام (امامِ مہدی علیہ السلام) بن گئے۔ اللہ امامِ حق کا ظہور جلد فرمائے۔ آمین (عمرانی)

خلاف آپ کی شیر برتاں کبھی خندق میں کوندی، کبھی اُحد میں چلکی، کبھی بدر میں برق بن کر گری اور کبھی خیبر میں فرق کفر و الحاد پر موت بن کر برسی۔ تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ جس میدان میں آپ ﷺ نے قدم رکھا، فتح و نصرت نے خوش آمدید کہا۔ حق نے لافتنی کا تاج پہنایا۔ جس کی تیغ سے حق روشن ہوا۔ باطل تنگ و تار گھاٹیوں میں گر گیا۔ اسی حیدرِ کرار علی المرتضیٰ نے جب اقلیم تن کو فتح کر لیا تو بُتراب بنا۔

مردِ کشور گیس از کراری است

گوهرش ز ابر و خود داری است

اسرارِ دروز ص ۳۵

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ میدانِ جہاد میں اسی مردِ حق آگاہ کو ثبات و قرار ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں عشقِ رسولؐ اور محبتِ علیؑ موجزن ہو۔ وہ کراہِ غیر فرار ہو، "کراہ" کے لغوی معنی، بار بار حملہ کرنے والے کے ہیں۔ اور یہ صفتِ خاص بدرِ جہانم، حق دلی، شیر جلی، مولا علیؑ علیہ السلام میں موجود تھی، رسول اکرمؐ کے دُور میں جتنی بھی جنگیں گزرنے لگیں ان کا عظیم فاتح اور سپہ سالارِ اعظم علیؑ دلی کی ذات والا تبار رہی ہے۔ صرف ایک جنگ (جنگِ خیبر)، ہی ایسی ہے کہ ہمیں آنحضورؐ علی المرتضیٰ کو بوجہ آشوبِ چشم، مدینے میں اپنے پیچھے اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ گئے تھے اور اللہ کے حبیبؐ نے اپنے یارِ انفاس کے ساتھ قلعہ قموص کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ میدانِ کارزار گرم ہوا اور پورے اتالیس روز عساکرِ اسلام، لشکرِ کفار کے مقابلے میں آتی رہی۔ مگر ایو سی، کے بڑا کچھ ہاتھ نہ آتا تھا۔ آخر اللہ کے حبیبؐ نے، دستِ دعا، بارگاہِ ایزدی میں بند کمر کے فرمایا کہ دیکھو میرے دوستو اور ساتھیو! "بیش کل علم اس کو دوں گا جو مرد ہوگا" اور پھر اسی پر اکتفا نہیں دثائی بلکہ اس کی نشانی یہ بتلائی کہ جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا۔ اور خدا اور خدا کا رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔ وہی کراہِ غیر فرار ہوگا۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا۔ ادرہ و ما یطبق عن الہوی ابنِ ہوٰی الا دسحیٰ یوحیٰ کے مصداق کی زبانِ وحی ترجمان سے یہ الفاظ نکلے۔ ادرہ اگلی صبح کا سورج اسلام کی فتح و نصرت کا نقیب بن کر اُبھرا۔ حضرت علیؑ نے مدینے سے قلعہ قموص کا رخ کیا، سلمانِ فارسی کو چشمِ براہ پایا۔ علیؑ نے، رسولؐ نے بڑھ کر پیشوائی کی گلے سے لگایا، پیشانی کو چوما، بازوؤں پر

۱۔ قلعہ خیبر میں کئے قلعے تھے جسے مضبوط قلعہ کو نام قمرہ تھا۔

۲۔ لا اعطین الرایتہ غذا از جلا کوار غیر فرار۔

۳۔ بعث اللہ رسولہ وبعثنا اللہ رسولہ۔ (تذکرۃ النبیؐ)

دعائے فتح و نصرت پھونکی اور پرچم اسلام دے کر قلعہ قنوص (خیبر) کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کا شیر بے نیاز لاؤ لشکر، گھوڑا دوڑاتا، پرچم اسلام لہراتا، قلعہ قنوص کی جانب لپکا۔ دونوں جانب سے رجز پڑھا گیا، حضرت علیؑ نے اپنے تعارف میں بس اپنا کہا کہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ پس دونوں طرف سے تیغیں ہوا میں لہرائیں دوسرے ہی لمحے صدائے تکبیر (اللہ اکبر) بلند ہوئی۔ مطلب یہ کہ اسلام غالب آیا، کفر مغلوب ہوا اور عظیم و مضبوط ترین قلعہ کفر، علیؑ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ رسول اکرمؐ کے قول کی لاج رہ گئی۔ یاروں کی جان میں جان آئی۔

یہاں پر علامہ اقبال علیہ الرحمہ ”کربلائی“ سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ میدان جنگ میں وہی قوم، ملک، سلطنت یا فرد واحد کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ جس کے عزم میں پختگی، عمل میں استواری، دل میں حب علیؑ اور پاؤں میں پامردگی ہوگی۔ وہی کشور کشائے عالم ہوگا اور اُسی کے لئے ذاتِ حیدرِ کرار، غیر فرار، مینارہ نور ہوگی۔

مہر کہ در آفاق گرد و دلو ترابؑ

باز گردند ز مغرب آفتابؑ

اسرار و رموز ص ۳۳

علامہ مرحوم کا خیال ”معجزہ رجعت شمس“ کی جانب ہے۔ جیسا کہ کتب معتبرہ میں ”معجزہ رجعت شمس“ جلی حروف میں ملتا ہے کہ سکاگرد و جہاں نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو کر دیا تھا اسی طرح نائب رسولؐ ’زودج بتول‘، علی المرتضیٰ نے بھی انگلی کے ایک اشارے سے مغرب میں ڈوبا ہوا آفتاب پھر سے طلوع کرایا تھا۔

اس واقعہ کی تاریخ کتب دبیر میں دو معتبر شہادتیں ملتی ہیں۔ بروایت حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہ سکاگرد و عالم، رسول اکرمؐ پر نزولِ وحی کا عالم تھا، آنحضرتؐ ختمی مرتبت حضرت علیؑ کے زانو پر سر دھرے تھے، اسی عالم میں سورج اپنی مسافت طے کرتا ہوا، مغرب میں غروب ہو گیا اور آپؐ (علیؑ) عصر کی نماز سے رہ گئے۔ اسی لئے کہ اگر میں نے نماز کے لئے اٹھنے کی کوشش کی تو اتباع میں فرق آئے گا۔ لہذا، جب رسول اکرمؐ وحی سے فارغ ہو چکے تو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ آپؐ (نبی اکرمؐ) نے دعا کی یا مولا کہ یہ علیؑ تیری اطاعت اور میری اتباع میں نماز عصر پڑھ سکا۔ اسے پروردگار عالم واسطہ تجھے اپنی قدرت کا سورج کو پھر طلوع کرتا کہ علیؑ نماز عصر پڑھ سکے۔ بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں

۱۔ انا الذی سَمِعْتُ اُمِّ حَیْدَرَ (تاریخ الاموال ابن اثیر جلد ۱، ص ۸۷، سیرۃ النبی جلد ۱، ص ۲۳۵، سیرت النبی جلد ۲، ص ۲۸۷)

۲۔ بنت عمیسؓ کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ (رجعت شمس) خیبر اور مدینہ کے درمیان وقوع پذیر ہوا۔ جس کے ”مقام مہیا“ کہتا جاتا ہے

(فکک النہایہ ج ۱ ص ۴۶، حذیفہؓ بحوالہ احضار شعبہ کبریٰ، سیوطی و طبرانی وغیرہ وغیرہ۔)

نے دیکھا کہ ڈوبا ہوا سورج مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ لیکن دوسری روایت جس کی راویہ جنابہ ام سلمہؓ ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ سورج مغرب سے حضرت علیؑ کے اشارے پر طلوع ہوا تھا۔ بہر کیف جیسے بھی تسلیم کر لیا جائے بجائے اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جو بھی اس کارگاہ جہاں میں نفسِ امارہ پر گرفت مضبوط ہے مضبوط کر لیتا ہے۔ وہی بارگاہِ ایزدی میں عزت و کرم پاتا ہے۔ اسی میں چاند کو شوق کرنے کی طاقت اور ڈوبے ہوئے سورج کو طلوع کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دیے بھی ارشادِ رب العزت ہوتا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور جب موفقت حق تعالیٰ حاصل ہو جائے تو پھر کرامتِ رسولِ شمسؐ یا معجزہ شفقِ افسرؐ اس کی دسترس سے باہر نہیں ہو سکتا۔

یاعقل کی روباہی یا عشقِ یدِ الہی

یا حیلہ افرنگی یا حیلہ ترکانہ

بال جبریل ص ۹۲

یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ عقل (خرد) نزاکتِ وقت اور حالات کو بھانپ کر دور اندیشی و مصلحت سے کام لیتی ہے۔ مگر پھر بھی عقل فریبِ کار ہے، عیار ہے اور مکار ہے۔ سو بھیس بدل لیتی ہے۔ بقولِ اقبال حکیم و داناکے

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

اس کے برعکس عشق جذبہ ہے، ایتار ہے، قربانی ہے۔ یہی عشق حقیقی تھا کہ مولائے کائنات جناب امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام باطل (کفر) کے خلاف حق (اسلام) کی تائید و حمایت میں سرکف کفنِ بردوش نظر آتے ہیں۔ شامِ مشرق فرماتے ہیں کہ مسلمانِ عالم جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہیں ان حالات سے بچ نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہمیں عقل کی عیاری، خرد کی مکاری اور افرنگی سراج کی حیلہ سازی کے خلاف متحد ہو کر نہایت نچے تلے انداز میں سنبھل سنبھلا کر حملہ ترکانہ سے کام لینا چاہیے اور میدانِ کارزار میں عشقِ یدِ الہی کو اپنا قائد اور سپہ سالار تسلیم کرتے ہوئے فرقِ کفر و وہ مغرب شدید رسید کرنا چاہیے کہ باطل (کفر) کو پھر کبھی حق (اسلام) کے خلاف سرکشی اور بغاوت کی ہمت نہ پڑے۔

ام سلمہؓ (حرمِ رسولؐ) بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ (ام سلمہؓ) اس واقعہ کو جنگِ صفین سے واپسی کے حوالے سے پیش کرتے ہیں (ارشادِ اکتوب ص ۲۹)۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جمالِ عشق و مستی نے نوازی

جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی طرفِ حیدر

زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

بالِ جبریلؑ

علامہ صاحب کی یہ رباعی بالِ جبریل میں ملتی ہے۔ علامہ موصوف مولائے کائنات ، لائقِ میلوت علی المرتضیٰ کو دانائے سبلی، عقلِ مکمل گردانتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عشق و مستی کی جمال آرائی اپنے نقطہٴ عروج کو حیدرِ کرار کے ثباتِ قدم اور جذبہٴ ایثار و قربانی کی بدولت پہنچی اور جلالِ عشق و مستی نے حیدرِ کرار کو بے نیازِ غم و درداں کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکارِ امیرِ المومنین کا جمال و جلال اور کمالِ عشق و مستی کے اس مقام پر نظر آتے ہیں جہاں کوئی اور نہیں۔ فلسفہٴ رازی کو علامہ موصوف جمالِ عشق و جلالِ مستی کے لئے ذہرِ لابل تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے برعکس کمالِ عشق و مستی حیدرِ کرار کی ہستی کو گردانتے ہیں۔ آپ (حیدرِ کرار) کی شخصیت جامعِ کمالات ہے۔ علامہ مرحوم اس رباعی میں مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دے رہے ہیں۔ آپ کا مطمحہٴ نظریہ ہے کہ مسلمانوں میں ہوش پیدا ہو مگر ہوش ساتھ رہے۔ اسی میں سلامتی، خیر اور برکت ہے اور اگر خدا نخواستہ ایسا نہ کیا تو پھر سوائے زوال اور زبوں حالی کچھ بھی نہیں۔ اللہ مسلمانوں کو اس بُری گھڑی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

تڑپنے پھر کُننے کی توفیق دے!

دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیقی دے!

بالِ جبریلؑ

بلاشبہ، اقبال مرحوم، عشق و مستی، خودی دیخودی اور سوز و گداز کے پیغمبر ہیں۔ آپ اپنے اس شعر میں دعائیہ انداز اختیار کئے ہوئے ہیں کہ اے پروردگارِ عالم تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے محبوب کی اُمت جس کو مسلمان کہا جاتا ہے، اپنے اسلاف کے اوصافِ حمیدہ اور پاکیزہ کردار کو کیسے فراموش کر چکی ہے۔ اور کیا کہوں، ان پر تو جمود و طاری ہو چکا ہے۔ میرے اللہ کرم کہ اور دلِ مسلم میں احساس کی تڑپ، شعلے کی یک

بازدوں میں کسک اور آنکھوں میں طہر سینا کی چمک پیدا کر دے۔ ان کو (یعنی مسلمانوں کو) ایسا دل دے جس میں جلالِ حیدر اور صدیقِ اکبر کا سوز و گداز موجزن ہو۔

امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائےِ سلطانی

بالِ جبریل ص ۱۹۲

علامہ مرحوم، امارت کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا اظہار علامہ مرحوم نے اپنے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک خط تحریر کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا :-

میرا طریقِ امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر !! اقبال

علامہ کے نزدیک جلالِ خسروی باعثِ تنگ ہے اور ایک لالچ یعنی سی شے ہے جسے قرار نہیں۔ مصرعہ ثانی میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو امارت و عمارت، حکومت و منصب اور شان و شوکت حیدرِ کرار کی عالی مہمتی اور جنابِ سلمانِ فارسی کی خود اعتمادی سے خالی ہو وہ پریشانی و پشیمانی اور آخر کو فانی ہے۔ ہاں اگر اے مسلمان! تجھے امارت حاصل ہے تو امیرِ علیہ السلام کی زندگی کو مشعلِ راہ بنا اور الفقرِ فحشی پر ناز کر اور اگر شکوہِ خسروی نصیب ہو تو پھر ابوذرؓ کی بے سروسامانی اور سلمانِ فارسی کی مسلمانی سے ملنے لے۔ جو مسلمان فارسی، عمر بھر درِ رسولؐ و علیؑ و بتولؑ پر اپنی ریش مبارک سے جا رہا رہا کشتی کرتے رہے۔ اگر مسلمانوں میں زورِ حیدری، استغنائے سلطانی آجائے تو یہ شکوہِ خسروی سے کہیں اہم ہے۔

لے "صدیقِ اکبر" کے لغوی معنی ہیں بچ بولنے والے کے۔ اکبر یعنی بہتے ہیں بڑا بچ بولنے والا۔ یہاں علامہ مرحوم کے مراد "صدیقِ اکبر" سے (حضرتِ اکبرؐ) نہیں بلکہ میرے لفظِ نظر سے "نبی اکرمؐ" کے ذاتی ستودہ صفات سے چونکہ آپؐ ہی "صدیقِ اکبر" ہیں۔ جنہ کے صداقت و دشمنانِ اسلام اس وقت کو تے ہیں جب آپؐ ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے ہیں کہ سنو! اے گروہِ انسانی اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک بہتے بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو سچ مانو گے؟ سب نے ایک زبان سے ہو کر اقرار کیا کہ ہاں میں تسلیم ہے۔ اس لئے کہ آپؐ نے آج تک کہیں سے جھوٹے نہیں بولا۔ لہذا صدیقِ اکبرؐ نبی اکرمؐ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جبکہ چالیس سال بعد اسلام لانے والے اکثر دشمنِ قبل از قبولِ اسلام جھوٹے بولنے کے مرتکب ہوئے رہے ہوں گے (عرائفی)

میں کے لئے ہے فقط زورِ حیدری کافی

تیرے نصیب فلاطون کی تیزی اور اک ضربِ کلیمؐ

طاقت و ہمت کے ساتھ تیزی اور اک بھی خداداد ہوا کرتی ہے۔ پہلوانوں اور شہ زوروں کے بارے میں یہ مثل مشہور ہے کہ یہ عقل کے موٹے اور دماغ کے پھوٹے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنا سارا زور جسم پروری اور تن سازی پر صرف کیا ہوتا ہے۔ دماغ کی پرورش سے وہ بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پروردگار عالم نے اپنی کتاب قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ عَلَيْنَا دَاوُدَ إِسْمٰعٰلًا فِي الْوَعْدِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكًا مَّن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ** (ترجمہ) یقیناً اللہ نے اسے تم پر منتخب کر لیا ہے اور علم و جسم کی اہلیتوں میں اُسے بڑھا دیا ہے اور اپنا ملک اللہ جسے چاہے دے دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا سب کچھ جانتے والا ہے۔

علامہ مرحوم کو سرکارِ امیر المومنین سے والہانہ عقیدت و محبت ہے۔ جس کا اظہار وہ مختلف مقامات پر مختلف انداز میں کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کی ترقی کا دار و مدار، حیدرِ کرار کی اعلیٰ ہمتی، بلند حوصلگی، خود داری و خود اعتمادی اور بیدار مغزی کی پیروی کو قرار دیتے ہیں۔ علامہ موصوف کے نزدیک جہاں منطقِ رازی کو کوئی اہمیت۔ وہاں وہ فلسفہٴ افلاطون و سقراط اور ادراک کی تیزی و طراری کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ کیونکہ ان کے ممدوح حضرت علی علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے جو کہ ایک ہی وقت میں مزدور بھی ہے، سپاہی بھی، غازی بھی، مصلائے عبادت پر قابلِ رشک نمازی بھی اور مسندِ عدالت پر بہترین قاضی بھی جو فلسفہ و حکمت کی منزل انتہائی معراج پر نظر آتے ہیں۔ خود من یُطِيقُ مِنَ الْهُدٰى کا مصداق رسولِ اپنی زبانِ وحی ترجمان سے اعلان فرماتا ہے **أَنَا ذُو الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا** یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ علامہ موصوف چاہتے ہیں کہ مسلمان فلسفہٴ افلاطون، منطقِ سقراط کو بالائے طاق رکھ کر قوتِ حیدرِ کرار کا مظہر بنیں۔ اسی میں فلاح و ترقی اور کامیابی و کامرانی کا جو ہر پوشیدہ ہے۔

۱۔ قوتِ حیدریہ کے ساتھ ساتھ حکمتِ حیدریہ بھی ہونا چاہیے۔ تب ہی مسلمانوں میں زورِ حیدری اور استفائے سلمانی آسکتی ہے۔ (عمرانی)

خدا نے اُسکو دیبا ہے شکوہِ سُلطانی

کہ اُسکے فقر میں ہے حیدری و کز آری

مربا کلیم

یقیناً یہ بات شک و شبہ سے کہیں بالا ہے کہ خداوندِ قدوس نے اسی مردِ حق آگاہ و درویشِ صفت شخصیت کو جلالِ خسروانہ، جمالِ شانہ، کمالِ شکوہِ سلطانہ کا وارث و امین کر دیا کہ جس نے اَلْفَقْدُ فَقَدِی اور حیدری عشقِ دمستی کو اپنایا اور ثباتِ قدمی میں کز آری و غیر فرآری کو محفوظِ خاطر رکھا وہی فلاح پائے گا۔ اقبال کا یہ پیغام اہلِ اسلام کو دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے۔

بے جُرأتِ رندانہ ہر عشق ہے رُوباہی

بازو ہے قومی جس کا وہ عشقِ یَدِ اللہ ہے

مربا کلیم

اقبال جہاں پیامِ خودی ہے، وہاں ان کا تصورِ عشقِ دمستی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ عشق کو جراتِ بہمت، حوصلہ، جذبہ و ایثار اور قربانی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے برعکس خوف و خطر، ڈر اور ہراس کو مکاری عیاری، چالاکی اور چال بازی کو عشقِ دمستی کے حق میں زہرِ لہلہا گردانتے ہیں۔ جس میں اول الذکر نام کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہوں وہ انسان، انسانِ کامل اور باوقار مقام کا حامل ہوتا ہے۔ یہی حضرت انسان اگر عیاری و مکاری کو اپنا اور حقنا بھپونا بنالے تو پھر یہ انسانیت کے منہ پر بدنامِ داغ اور عشق کے لئے جبہ ننگ اور دمستی کے لئے باعثِ رسوائی و شرمساری بنتا ہے۔

بدہ اور اجوانِ پاکباز نے

سروشِ از شرابِ خاساز نے

قومی بازوئے اومانندِ حیدر

دلِ اوازِ دو گیتی بے نیاز نے

ایمانِ حجاز مریدی

شاعر مشرق، حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ، سچید سعادت مند، نیک و صالح لوجوان ملت اسلامیہ کے لئے، توسط سرکارِ دو عالم بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اسے خلاقِ دو جہاں تجھے واسطہ اپنی رحیمی و کربھی اور اپنے محبوب سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال کا، انہیں پاکباز و پاک طینت بنادے اور انہیں وہ شرابِ معرفت عطا کرے جس کا نشہ ان کو بے نیازِ غم و دریاں کر دے اور ان کا ہر فعلِ خالص نیک ثابت ہو ان کے بازوؤں میں زور و توانائی بھر دے تاکہ نصرتِ دینِ مبین پئے حفاظتِ حق اور احیائے اسلام کے لئے عہدِ ماضی میں شمشیرِ کف رہیں۔ ان کے دلوں میں جذبہِ جہاد، بازوؤں میں زورِ یدِ الہی بھر دے اسی میں تیرے پسندیدہ دین (اسلام) کی بقا و سلامتی کا راز پنہاں ہے۔

گلہ نامے ز خاکِ من برا نگلیڈ

نم چشمِ بخونِ لالہ آمیڈ

اگرشایانِ نیم تیغِ علیؑ را

نگاہے وہ چو شمشیرِ علیؑ تیز

اردغانِ حجازؑ

جہاں علامہ مرحوم بارگاہِ ایزدی میں دعا فرماتے ہیں وہاں سرکارِ رسالتؐ آپ کے حضور بھی دست بدعا نظر آتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ انہیں (اقبال کو) دیدہ بینا عطا کرے تاکہ بصیرت اور سعی جمیل ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا سبب ہو اور سوز و ساز اور گدازِ عشق و مستی عطا کرے کہ معشوقِ حقیقی کے وصال میں خون کے آنسو بہاؤں اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی اگر وہ گوہرِ یک دانہ ہاتھ نہ لے لے تو اسے زورِ بازوئے حیدرِ کرار مرحمت فرما۔ جس میں تیغِ بُراں اٹھانے کی سکت ہو۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر کم از کم اتنا تو ہو کہ اس کی نگاہ میں وہ اثر پیدا کر دے جو علی علیہ السلام کی شمشیر (ذوالفقار) میں تھا۔ تاکہ وہ زورِ بازوئے حیدر کا کام نگاہ سے لے سکے۔ کیونکہ

لے گوہرِ یک دانہ سے راقم الحروف کے مراد شیعہ عالم، دہلی نبی مکرم، سیدنا حضرت علیؑ سے ہے اور اسے قلعہ بند میے علامہ

صاحب نے علی المرتضیٰ کو اپنے فکر کا محور و مرکز بنا رکھا ہے: (مترجم)

ۛ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مَقْصِدِ لَعْنَتِكَ لَعْنَتِي پَہ کھلی اُن کی زباں

یہ تو اک راہ سے تجھے کوبھی بُرا کہتے ہیںؕ

باقیاتِ اقبال ص ۲۵

حکیم مشرق، علامہ اقبال کی ایک نظم بعنوان ”فریادِ اُمت“ جو باقیاتِ اقبال میں ملتی ہے اس میں مندرجہ بالا شعر بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ علامہ موصوف مصرعہ ادلی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث **فَعَلَى مَنِّي وَأَنَا مِمَّنْ لَعْنَتِكَ لَعْنَتِي** (یعنی، یا مَی تو مجھ سے ہے، میں تجھ سے ہوں۔ تیرا گوشت رُحم، میرا گوشت ہے۔) انحصور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مزید فرماتے ہیں: **كَمْ لَكَ دَمِي جَسْمَكَ جَسْمِي نَفْسَكَ نَفْسِي**۔ مصرعہ ادلی کا دوسرا حصہ ”پہ کھلی ان کی زباں“ تاریخی حقائق و واقعات کا آئینہ دار ہے اور مصرعہ ثانی میں ان دو دھکے کے ملاؤں کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اور اس مصرعہ میں بھی تاریخی حقائق سے پردہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ اور نہایت اچھوتے انداز میں ایک حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے طے پی اگر تاریخ اسلام کی ورق گردانی کی جائے تو یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں“ کی تائید و تصدیق آسانی سے ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ بغض و عناد اور تعصب کی اندھی عینک اتار کر پڑھا جائے۔ مصرعہ ثانی میں لفظ ”راہ“ کا جواب نہیں، اللہ اکبر کس انداز اور رخ سے پتے کی بات کر گئے۔

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب نبی اکرم نے حضرت علی علیہ السلام کو خراج تحسین پیش کیا تو پاس بیٹھنے والوں کی پیشانی پر بل پڑ گئے، چہرے اتر گئے، دلوں میں شک و شبہات جنم لینے لگے۔ اور آخر کار دل کے ہاتھوں تنگ آکر کہہ بھی گئے وہ نہ سکے۔ قول و فعل رسول پر ناپسندیدگی کا اظہار کھلے دے لفظوں

ۛ حدیثِ قرطاس اس بات کے تیرے دلیل ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کے دعویدار نے آپ پر آپ کے زندگے میں ہی ”ہمتِ بزیات“ لگا کر جودل میں تھا اور اس کا کھلے بند دے اظہار کر دیا، علامہ موصوف نے سچ ہی تو کہا ”یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں“۔ انہی کے پردے میں ان کے پردکار ملاؤں نے طے کے دشمنوں میں حضور نبی اکرم پر اپنے نئے تحقیق کے دروازے کھول دیے اور اب دن رات اس بات پر زور دے کہ انحصور ہمارے جیسے بشر تھے۔ کبھی بڑے بھائے کی حیثیت دیتے ہیں اور مدہو گئی کہ آپ کو عطا کار بھی گے دانے میں بھیجے محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی کچھ

میں کرتے بھی رہے۔ اسی لئے تو علامہ موصوف نے کسی جگہ یہ فرمایا ہے۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ الا تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پاس بیٹھنے والے بہت سے صرف جان کی اماں کے کارن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور لا الہ الا کا اقرار صرف زبان سے کرتے رہے۔ دلوں میں وہی کدورت اور نگاہوں میں بتوں کی صورت، بہر صورت رہی اور سبب انتقال رسالت مآب اور قتل ائمہ ہدی علیہم السلام کا باعث بنی۔ یہی وہ کدورت تھی کہ جس سے لعنۃ الرسول جناب عذرا بنزل کا پہلو شکستہ ہوا اور سبب رحلت بنا۔ یہ سب کچھ بغض علی میں ہوا اور یہاں تک کہ آنحضرت کو بھی ایک رخ سے برا بھلا کہنے لگے۔

فیض اقبالؒ ہے اُسی در کا

بندہ شاہ لافٹی ہوں میں

باقیات اقبال ص ۶۹

علامہ مرحوم اپنے لئے اسے فخر اور اعزاز کا باعث تصور کرتے ہیں کہ وہ بغض رب العزت، شاہ مرداں شیریزداں، علی المرتضیٰ، شاہ لافٹی کے غلام کمترین ہیں اور یہ ٹرم ہے نیاز مندِ در رسول کا، شاہ لافٹی کا اگر انقدر اعزاز علی المرتضیٰ کو جنگ احد میں ملا۔ جب کہ آپ سرداران قریش کو تیغ کر چکے تو حضور سرکار رسالت مآب کی نظر مشرکین کے ایک جتھے پر پڑی۔ حضور نے جناب امیر کو آواز دی۔ علیؑ ان پر حملہ کرو۔ حکم کی دیر تھی کہ اللہ کا شیر مشرکین کے غول پر موت بن کر ٹوٹ پڑا۔ مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے۔ "حضرت علیؑ کی یہ ثبات قدمی دیکھ کر زمین و آسمان کے درمیان یہ آواز ہنٹائی دی۔

لے "لَافَتِي إِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفُ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ"

کسی شاعر نے نہایت چابکدستی سے مصرعہ ادنیٰ لگا کر اس مصرعے کو شعر کی شکل دے دی جو آج تک زبانِ زود عام ہے۔ سنئے شاعر کہتا ہے۔

شاہ مرداں، شیریزداں، قوت پروردگار

لافٹی الا علی لا سیف الا ذو الفقار

جنگ احد میں جب یارِ راہ فرار اختیار کر گئے اور پہاڑوں پر چڑھ گئے تو دشمن کے ہر حملے کا جواب صرف علی کی ذات دے رہی تھی اور جب دفاع کرتے کرتے آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرتؐ نے اپنی تلوار علیؑ کے سپرد کی جب وہ بھی ٹوٹ گئی تو کارخانہ قدرت کی تیار کردہ تلوار عرش سے اتری۔ جس پر مندرجہ بالا کلمات کندہ تھے۔ علامہ موصوف مصرؒ ثانی میں خود کو ”بندہ شاہِ لافنی“ کہتے ہیں۔ یہ معرفت اور عشقِ یدِ الہی کی معراج ہے۔ وگرنہ بندہ شاہِ لافنی ہونا کوئی منسی کھیل نہیں اور یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں ہے۔ یہاں تو نظام الدینؒ یہ فرماتے ہوئے ملتے ہیں:-

نظام الدین حیا دار دک گوید بندہ شاہ ام !!
و لیکن قبرت اور اکینہ یک گدا باشد !!!

دیکھا آپ نے کہ علامہ موصوف محبتِ آئمہ اطہار اور عشقِ حیدرِ کرار میں کس قدر ڈوب چکے تھے کہ خود ہی زہانے ہیں کہ میں علیؑ کا بندہ ہوں، یہ دعویٰ صرف مرد قلندر ہی کر سکتا ہے۔

حیدریم قلندرم مستم ، بندہ مرقضی علی ہستم

اور یہ عجز و انکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔ جس کا اظہار نظام الدین ادلیا ’سرکارِ ذریٰ ذہبؒ نے اپنے شعر میں کیا۔
سینہ پاک جن کا امانت دار تھا !!!

اے شاہِ ذی جاہ تو واقفِ جوانِ اسرار سے باقیات اقبال ص ۸۳

علامہ صاحب ’سرکارِ نظام الدین ادلیا کے حضور عرض پرداز ہیں جن کے سینے میں وہ دل بیدار جو معرفتِ مدینۃ العلم و بابِ ہائے سرشار تھا۔ ان کے نظروں میں جلوہ طوبیٰ حقیقت ’تجلائے سرکارِ مدینہ‘ مینارۃ العشق شہ نجف وجہ سرور تھا۔ اسی لئے علامہ موصوف کی نظروں میں وہ مرد فقیرِ اعلیٰ دارِ فح ہے کہ جس کی دیدہ بینائے جلوۃ رسالت مآب اور تجلائے سرکارِ نجف دیکھا ہو۔ وہی مردِ کامل اسرار و رموزِ الہی کی کماحقہ معرفت رکھتا ہے۔

۱۔ قرآنِ پاک سے ارشادِ رب العزت ہے۔

۲۔ علیؑ کے ذاتے ستودہ صفات ہیں ادلیا، ادھیار، غوث و قطب، ابدالِ قلندر کے حشرِ دفعیے ذکر ہے اور

یہی ذاتِ گرامی اہلِ فقر کے لئے باعثِ فخر و ہمت ہے۔

یہ ہے اقبال فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰ جس میں

نگاہِ فکر میں خلوتِ سرا کے لامکاں تکھے

باقیاتِ اقبال ص ۱۴۸

اس میں کلام نہیں کہ حکیم مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے والہانہ عقیدت اور جنوں کی حد تک محبت تھی جس کا ذکر وہ بار بار اپنے کلام میں مختلف انداز میں کرتے ہوئے ملتے ہیں اور اسی ذکر میں رطب اللسان ہیں۔ آپ کو اعتراف ہے کہ مجھے بصیرت و بصارت، دل بیدار، شعور و ادراک کی دولت بے بہا حیدر کرار کی محبت کے علاقے میں نصیب ہوئی ہے اور اب بہ فضلِ ایزدی، بہ طفیلِ سرکارِ شاہ نجف، بسببِ شاہِ مدینہ میری نظروں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹ چکے ہیں۔ آخر اس قدر تیز آنکھ کہاں سے ملی۔ خود فرماتے ہیں

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

دیکھا آپ نے خاکِ مدینہ اور نجف کی تاثیر! جس آنکھ میں یہ خاک لگاٹی جلے تو پھر وہ کسی لالیتی و بے معنی شے پر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ وہ تو کون و مکاں کو چرتی ہوئی لامکاں تک پہنچ جاتی ہے۔

کرم کرم کہ غریبِ الدیار ہے اقبال

مریدِ پیرِ نجف ہے غلامِ ہے تیرا

باقیاتِ اقبال ص ۱۵۰

سرکارِ شاہ نجف سے اسی خاص لگاؤ اور عقیدت و محبت کی وجہ سے علامہ موصوف اولیاء کرام، صوفیا کے کلامِ بلاغت نظام میں خاص لطف لیتے اور ان کے آستانہِ علم پر حاضری دیتے ہیں۔ ان کے کشف و کرامات غور اور تعلیم کا عمیق نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات، ارشادات و فرمودات سے اپنی فکر کو جلا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ نظم اس وقت کہی تھی جب وہ حصولِ تعلیم کی خاطر سندھ سے عازمِ یورپ ہونے والے تھے۔ آپ سرکارِ نظام الدین اولیاء سے کرم کی بھیک مانگتے ضرور ہیں۔ مگر درجہ

۱۔ یہ شعر ایک غزل سے اخذ کیا گیا ہے جو علامہ موصوف نے غالباً ۱۹۰۲ء میں کہی تھی جو باقیاتِ اقبال میں ص ۱۴۸

پر ثبت ہے۔ (۲)

اور حسب مراتب کو اس عالم وارفنگی میں بھی نہیں بھولتے۔ معرہ ثانی میں صاف اعلان کرتے ہیں۔ اے دلی و دلیٰ
بند سرکار میں آپ کا غلام کمتر ضرور ہوں۔ اس میں شک نہیں مگر میرا پیر و مرشد، رہبر و راہنما، امیر عرب، شاہ نجف
جدا الحسن و الحسین، شاہ مشرقین، علی بن ابی طالب، غالب علی کل غالب، امام المشارق و المغارب کو تسلیم کرتا ہوں۔
اور آپ کی وساطت سے کرم کی بھیک مانگنا یہ دلیل معرفت ہے۔

دل میں ہر مجھ بے عمل کے داغ عشق اہلبیت

دھونڈتا پھر تلے ظل و امین حیدر مجھے! بانیات اقبال مدظلہ

علامہ مرحوم پہلے معرہ میں اپنی کوتاہیوں، بد اعمالیوں، کاکھلے بندوں اقرار کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ مگر اسی
معرہ کے دوسرے اور آخری حصے میں، نہایت عمدگی سے فرماتے ہیں کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان سیاہ کاریوں
کے باوجود، اس نے مجھے اہل بیت محمد کا عشق عطا کیا ہے۔ مجھے ڈر، خوف و ہراس کبھی، میرے اعمال و افعال
لاکھ بُرے بھی۔ مگر مگر دو جہاں، رحمت کون و مکان، صاحبِ لولاک کی آلِ پاک کی محبت و الفت میری نَسْ نَسْ
میں رچ بس گئی ہے۔ اسی لئے محشر کے دن کی دھوپ کا مجھے کچھ خوف نہیں اور یہی وہ محبت ہے جس کا دَیْمَانُ
عَنِ النَّهْوِ کے مصداق نے اپنی شبِ دروز کی محنتِ شاقہ کے صلہ میں چاہی ہے۔ (یعنی الفتِ آلِ محمد)۔
میں تو وہ خوش نصیب ہوں کہ جب میدانِ محشر برپا ہوگا، ہر طرف نفسا نفسی کی پکار ہوگی کان پڑی آواز سنائی نہ
دے گی۔ اس وقت محبتِ آلِ محمد کا اعجاز دیکھنا کہ اس عالم میں مجھ ایسے گنہگار کو حیدر کرآر، مساتی حوضِ کوثر والدہ
شبیر و شبیر کا دامنِ رحمت مجھ پر اس کڑی دھوپ میں سایہ کسے کسے لئے بیقرار ہوگا۔ اور آلِ محمد مجھے اپنے دامنِ
عاطفت میں لے لیں گے۔ علامہ موصوف یہاں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کلمہ گویانِ محمد، فرمانِ رسالت مآب کی روشنی
میں دامنِ اہل بیت مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ کل یہی روزِ محشر، حشر کی چلچلاتی دھوپ میں تمہارے سروں پر
سایہ نلگن ہوگا۔

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقَوْلِ کہ میں تم سے کابرد رسالت کے کوئےِ اجرت نہیں چاہتا، صرف اتنا چاہتا ہوں
کہ میرے آل سے محبت کرنا۔ علامہ موصوف نے رسولِ مقبول کے اسے حدیث کے پیشِ نظر دامنِ اہلبیت کو نہیں چھوڑا
یہی وجہ ہے کہ آج اقبال زندہ دباؤندہ ہے۔ اور یقیناً اقبال زندہ ہے چونکہ بغیر انبے رسالت مآب کے جو اہل بیت
اہلار کے محبت میں مرجئے، وہ مرنا نہیں، وہ زندہ نہیں (عمرانی)۔

چوں علیؑ در ساز بانان شعیبؑ

گردنِ مرجبِ کن، خیر بگیبؑ

اسرار و رموز ص ۱۸۳

شاعر مشرق، حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال اپنی کتاب اسرار و رموز میں فرماتے کہ اے بندہ مومن (مسلمان) "جو" کی رد ٹی کھا کر اپنی بسر اوقات کر، اسی نانِ شعیب (جو کی رد ٹی) میں آمہنی عزم اور بے پناہ طاقت کا راز پوشیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ تیرا کردار اعلیٰ و ارفع سیرت، پاکیزہ اور طینت مین اور سنجیدہ ہونا چاہیے، تو پھر تو خیر شکن اور مرجب و عنتر نکل ہو سکتا ہے۔ علامہ صاحب دراصل پیغام یہ دینا چاہتے ہیں کہ اے مسلمان! تیرا کردار حیدر کو تار کے اسوہ حسنہ کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تو اسوہ حیدر کو تار سے کوسوں دور ہے۔ خدا کے لئے عقل کے ناخن لے، خوابِ خرگوش سے جاگ۔ حیدر کو تار کے افکار و کردار کی روشنی میں اسبابِ زندگی کو ہمیز کر، یہی تیری فلاح کی ضمانت ہے۔

پنختہ ساز و فطرتِ ہر خام را

از حرمِ پیروں کند اِصنام را!

سچ بتا کہ کبھی اے انسان تو نے اس پر ایمانِ نظر سے غور و فکر کی کہ مسِ خام کب اور کس وقت کندن ہوتی ہے۔ جب وہ حرارت کی نزل سے گزر جاتا ہے، یہی انسانی نچر (یعنی فطرت) کے لئے کندن ہونے کی بین دلیل ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ کا نمائندہ اور امام برحق وہی ہو سکتا ہے جو خام فطرت کو پنختہ سے پنختہ تر اور مستحکم سے مستحکم ترین بنادے۔ دوسرے مصرعہ میں وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک اہم ترین واقعہ کی نشاندہی کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ جیسے اسی خیال کو اس رُخ سے علامہ صاحب کے پیش رو مرزا اسد اللہ خان غالب نے یوں بیان کیا ہے۔

گو واں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہمیں

کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی ۱۱ غالب

اب دیکھنا یہ ہے کہ کعبے سے بتوں کو کیا نسبت؟ جب کہ مذہبِ اسلام میں بت پرستی گناہِ کبیرہ میں شمار ہوتی اور پھر اللہ کا گھر ہو اور بتوں کا راج؛ چہ معنی؟ ہاں تو صاحب آمد سرکارؒ دو جہاں سے پہلے خانہ خدا پر ۲۶۰ بت ناحق قابض تھے۔ جن میں بڑے نامی لات و منات و پہل گئے جاتے تھے۔ یہ بڑے خدا تھے۔

باتی سب ان سے چھوٹے۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے سے پہلے پتہ چلتا ہے کہ ان ناجائز کالجوں کو اللہ کے گھر سے اللہ کے دلی شیر علی مولا علیؑ نے دوش رسالت مآب پر بلند ہو کر ان جھوٹے خداؤں کی خوب خبر لی اور خانہ خدا سے نکال باہر کیا۔ اور عالمین کے لئے قبلہ بنا دیا۔ یہاں پہنچ کر کسی شاعر کے قصیدے کا یہ بند یاد آتا ہے۔

میں نے مانا تیرا گھر مقدم سہی پر تمہوں سے مگر یونہی ویران تھا

مادرِ مرقضی کا یہ احسان ہے آج آباد تیرا مکان سے ہو گیا

حقیقت بھی یہی ہے کہ فاطمہ بنت اسد مادرِ گرامی سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ایسے حق کے دلی بھائی کو جنم دیا کہ جس نے اللہ کے گھر کو بتوں سے صاف اور پاک کر دیا۔

نغمہ زاتارِ دل از مضرابِ او

بہر حق بیداری او خوابِ او

اس وقت کی مسحور کن صاحت کا کیا کہنا سبب ایک نغمہ پر کیف فضاؤں میں بکھر جاتا ہے۔ جب کوئی دل کے تارِ دل کو مضراب کی لطیف چھڑ چھاپٹ سے شروع کرتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں پھر علامہ موصوف وہی اسلاف تاریخ کے دو اہم باب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ اول الذکر میں آپ سیدنا حضرت علیؑ علیہ السلام کی عبادت و ریاضت الہی کا ذکر کرتے ہیں۔ تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت علیؑ کی بیداری شب کا یہ عالم تھا کہ آپ ہر رات کو ایک ہزار رکعت نماز و نوافل ادا کرتے تھے۔ ہاں ایک رات بھی بھر کر خوابِ راحت کے مزے لوٹے۔ یہ سونا بھی اللہ کو ایسا پسند آیا کہ اپنی رضا کے عوض، سودا کر لیا اور دَمِنَ النَّاسِ مَن لَّيْشَبْرِي نَفْسِي ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ کے گرانقدر اعزاز سے سرفراز فرمایا :-

لے سرکارِ امیر المومنین کے عبادت کیا کہنا۔ حالتِ نماز میں انگشتیں زکوٰۃ دے کر بارگاہِ ایزدی سے اِنَّمَا وَلِيُّكَ اللَّهُ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وهم راکعون کا خطاب پایا۔

از عصا و سب سفیدش محکم است

قدرتِ کاملِ بعلمش توأم است

چشمک وہ ہاتھ عصا سے کہیں مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ جوید اللہ کا مصداق ہو، اسی ہاتھ کے لئے اللہ نے آسمان سے لوہا نازل کیا۔ اور اسی کو حق نے لافتنی کا تاج پہنایا اور اسی کی دوسری نشانی علامہ موصوف اپنے اسی شعر کے موصوف ثانی میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس قوی ہاتھ کی طاقتِ خدا واد کے ساتھ علم کی طاقت بھی لازمی امر ہے جسے کلام پاک میں ارشادِ قدرت ہو رہا ہے۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰ عَلٰی کُمْ ذُرّٰیًا لَّا یَسْطٰی فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (ترجمہ: یقیناً حق تعالیٰ نے تم پر ترجیح دی اور علم و جسم کی اہلیتوں میں اسے بڑھا دیا ہے۔ اس شعر کی ہیئت اور شگفتہ بندش اس بات کی محکم دلیل ہے کہ علامہ مرحوم کا قرآنِ پاک سے گہرا نگاہ و رہا ہے۔

نوع انسان البشیر و ہم تذیر

ہم سپاہی ہم سپہ گیر ہم امیر

جب ہم حضرت علی ابن ابی طالب کی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ صفحہ گیتی پر یہی وہ فرد واحد ہے کہ جو ایک ہی وقت میں بشیر بھی ہے اور نذیر بھی، وہ میدانِ جنگ میں جہاں جاننا نہ پڑی ہے وہاں وہ عظیم سالار لشکر بھی ہے۔ امیروں میں امیر المومنین، غزویوں میں غریب الغریا، مزدوروں میں مزدور اور محنت کشوں میں محنت کش نظر آتے ہیں، نصرتِ رسولؐ اور احیائے دین اسلام کی جس انداز سے آپؐ نے دست گیری آزمائی وہ آپؐ ہی کا حصہ ہے۔

زحیدیم من و تو زما عجیب نبود

گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

جاویدہ مرصفا

علامہ فرماتے ہیں کہ اس میں اچھنبے کی بات کیا ہے۔ میں بھی حیدری ہوں اور تو بھی تو پھر یہ کوئی مشکل مشکل تو نہیں کہ ہم ڈوبا ہوا سورج مغرب سے دوبارہ لوٹا نہ سکیں۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ہم پہلے

اپنی زندگی کو تابعِ فرمانِ الہی، عشقِ رسول اللہ اور ولایتِ حیدر کرار کے لئے وقف کر دیں تو پھر ہمیں بھی یہ حق تعارف حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم گردشِ میل و نہار روک سکتے ہیں۔ دلیل اس امر کی علامہ موصوف کے درج ذیل شعر سے اخذ کی جا سکتی ہے۔

کی محمد سے وفا کرنے تو ہم تیرے میرے
یہ جہاں چننے کیا لوحِ قلم تیرے ہیں

غور کیا آپ نے کہ محمدؐ کی غلامی، جہاں دیں حق کی شرطِ اول ہے، وہاں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سے وفا کا انعام حق تعالیٰ اپنے بندوں کو لوح و قلم کا وارث قرار دے رہا ہے۔

اے پرہیزگارِ حیدر کافِ تو

ذوالفقارِ حیدر از اسلافِ تو
اسرارِ دروزد

کاش کہ اے امتِ مسلمہ تو نے کبھی اس بات پر غور نہ کر کی ہوتی۔ اور کبھی یہ تو سوچا ہوتا کہ تیغِ حیدری (ذوالفقار) جو جنگِ بدر میں، حیدر کرار کے لئے عرشِ اعظم سے اتاری تھی وہ تیری میراث ہے۔ افسوس تیرے اٹھ ہیں وہ تیغِ آبدارِ بذرِ ہی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ترے خون میں جذبہِ ایمانی، منجمد ہو چکا ہے تو نے ایتار و قربانی کا درسِ فراموش کر دیا ہے۔ آج جب کہ کفر و الحاد و زندقیت کا طوفان بڑھا چلا کر رہا ہے۔ اٹھ حیدری عزم و ہمت سے کام لے! تیغِ بے نیام کر اور شیرِ حق کی طرف حق و انصاف کی فرمانروائی کے لئے کفر و الحاد سے نبرد آزما ہو جا۔

بڑھ کے خیر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن

اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے
بالِ جبریلؑ

علامہ موصوف، ہندوستان میں مسلمانوں کی بے بسی و بے حسی کو دیکھ کر کفرِ افسوس ملتے۔ اس لئے کہ انہوں نے اسلام و تاریخِ اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا وہ ہندوستان میں ہندو سامراج کے خلاف اپنے اشعار میں سراپا احتجاج کی صورت اختیار کر گئے۔ آپ کے نزدیک ہندوستان میں ہندوؤں

کی مسلسل ریشہ دوانیاں، سادہ لوح مسلمانوں کے لئے، مستقل پریشانیاں بنتی جا رہی تھیں۔ جس طرح رسول اکرمؐ کے دور میں کفر نے منظم ہو کر قلعہ قموص (خیبر) میں مسلمانوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اقبال کے نزدیک وہی صورت حال ہندوستان میں پیدا ہو چکی تھی اور ادھر مسلمانوں کا یہ حال بقول علامہ اقبال:۔

دیکھ مسجدیں شکستہ، تسبیح ہنگام شیخ

کہ مسلمان آپس میں دست و گریباں، اور اس طرح سے منتشر جیسے تسبیح کے دانے دھلا گئے سے جدا ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد رب العزت ہو رہا ہے کہ آپس میں تفرقہ مت ڈالو اور پھر حکم ملتا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ مقصد یہ کہ آپس میں بھوٹ ایک کر دے۔ جس سے دشمنی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر ہم تسبیح کے دانوں کی طرح متحد ہو کر اللہ کی رسی کو کپڑ لیں گے تو پھر کوئی بھی عیار و مکار دشمن یا منافق ہماری صفوں میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی شعر کے مصرعہ ثانی میں ہندو سامراج کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں۔

شکرے میں برہمن کی نچتہ زناری بھی دیکھ

یعنی کفر کے پیروکار منظم طور پر اسلام کے درپے آزار ہیں اور قلعہ بندیوں میں شب و روز مصروف ہیں۔ مگر اس نکتہ و شر کا قلع قمع کرنے کے لئے کوئی حیدر کمر اڑ رہی ہو تو بات بنے۔ کوئی ہے جو ناموس اسلام کے تحفظ کے لئے

سرکف میدان میں لئے جوش ایمانی کے ساتھ

قوم کی حالت بدل دے اپنی قدر بانی کے ساتھ

حقیقت بھی یہی ہے کہ قوموں کی تقدیر، تدبیر سے کہیں بڑھ کر جانی و مالی قربانیوں ہی سے بدلی جاسکتی ہے۔ جہاں علامہ موصوف اس زمانہ ناگفتہ بہ میں کسی "حیدر کمر" کے متکاشی نظر آتے ہیں وہاں وہ مسلمانوں کی جانب سے بے قرار ہو کر کبھی یوں بھی فرماتے ہیں:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

اس لئے کہ کفر والی دکان دور دورہ ہے۔ ہر طرف سراپا کیل کا عالم ہے۔ پوری دنیا آگ کی پیٹ میں آچکی ہے کوئی ہے جو اس آتش غرور میں کود پڑے اور اسے ٹھنڈا کر دے اور یہ کام تو صرف ملتِ ابراہیم ہی کے کسی رمزِ آشئلے مشیت، حق آگاہ سے ممکن ہے۔ لہذا اس کی تلاش کر اگر اس جہنم کو گلزار دیکھنا چاہتا ہے۔

باطن پیوست و از خود گذشت

دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت
چادید نامہ ص ۲۷

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ نے تاریخ اسلام کے اس عظیم سپوت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ جس کی تیغ نے بڑے بڑے سوراخوں کو زیر اور سرکشوں کو ڈھیر کر ڈالا، اگر اس کی موجودگی میں کسی فتنے نے سر اٹھایا تو اسے سختی سے پھل ڈالا، اس کی شجاعت، بہادری اور دلیری کا سکھ تاریخ عالم کے ہر مردِ جمہی کے دل پر نقش ہے۔ جس کو ہر قوم کا سپاہی عقیدت و احترام سے جھک کر سلام کرتا ہے، جس کو ہر خطہٴ ارضی کا دالی چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل، مذہب اور ملت سے تعلق رکھتا ہو۔ اُسے اپنا ہیرو اور قائد تسلیم کرتا ہے۔ اور اسی عظیم شخصیت سے رشتہ استوار کرنا اور اپنے لئے فخر و مہابت گردانتا ہے۔ مگر حیف ہے اس مسلمان پر جو تجھے چھوڑ کر ”رستم“ کی بہادری اور شہزادری کے راگ الاپتے ہیں۔ اس سے حب الوطنی، سرفروش اور بہت کا سبق لیتے ہیں۔ حالانکہ ”رستم“ صرف علاقائی شہرت کا حامل تھا۔ اس کے برعکس عساکر اسلام کا کمانڈر انچیف علی ابن ابی طالب وہ جانباز و سرفروش، دلیر و بہادر اور مردِ جمہی ہے۔ کہ جس کی پادشاہی و فرمانروائی روزِ ازل سے تادمِ این اور تابِ ابد ملک شجاعت پر مستم ہے اور نہ ہی گئی، لہذا تاریخ عالم اور بالخصوص تاریخ اسلام کے اس عظیم جرنیل (حیدر گزارد) کی پیروی کرنا، ہر مردِ حق پسند، جانباز و سرفروش کا فرضِ ادقین ہے، اسی میں اس کی سرازاری کا رازِ مہم ہے۔

پنچہ حیدر کہ گیسر بود

قوتِ اواز ہمیں شیر بود
اسرار و رموز ص ۸

سلم! اگر تجھے تاریخ اسلام سے سس ہو تو یہ بات تجھ پر واضح ہو جائے کہ علی ابن ابی طالب کی طاقت و قوت کا یہ عالم تھا کہ قلعہ قموص (خبر) کو علی ابن ابی طالب نے بقول کسی شاعر کے لیا تھا کام بس دو انگلیوں سے بابِ خیبر میں

لے رستم و سہراب نامی دو پہوانے آج سے صدیوں پہلے سرزمینِ ایران پر گزرے ہیں، یہ آپس میں باپ اور بیٹا

تھے۔ (مراثی)

اور وہ قلعہ جس کو کفر اپنے لئے بنائے اسن اور ناقابلِ تسخیر تصور کرنا تھا۔ اس سرکار امیر المومنین نے تختِ سلیمان بنادیا۔ جہاں آپ میں طاقتِ خداداد بدرجہ اتم موجود تھی، وہاں پر درگاہِ عالم نے اس کے لئے عرش سے تلوارِ نازل کی جس نے کفر کا قلع قمع کر ڈالا، بڑے بڑے سرکشوں کے سر تنوں سے جُدا کر ڈالے، یہاں تک کہ مرحب و عنتر ایسے نامی گرامی شہ زوروں کو چشمِ نردن میں نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر" کہا اور کام تمام کر دیا۔ بہت سے لوگ حضرت علیؑ کی اس شجاعت کو ان کے لئے باعثِ عزت و تکریم گردانتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی ذات ستودہ صفات اس سے کہیں بڑھ کر اوصافِ اعلیٰ و عالیہ کی حامل ہے۔ بقول استادِ قمر جلالوی کے :-

مرحب کا قتل بھی کوئی خیبر میں قتل تھا

پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے قمر جلالوی

حقیقت واقعی بھی یہی ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب کی شجاعت و بہادری کا اس حیثیت سے موازنہ کرنا کہ وہ قاتلِ مرحب و عنتر ہیں۔ یہ ان کی عظمت و بزرگی پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ علیؑ ابن ابی طالب قدر و منزلت تو خدا جانے یا خدا کا رسولؐ۔ خود رسالت مآب فرماتے ہیں کہ نہیں پہچانا علیؑ کو کسی نے برا ذاتِ احدیت کے اور میرے اور نہیں پہچانا کسی نے مجھے سوائے خدا و علیؑ کے اور نہیں پہچانا خدائے قدس کو کسی اور نے سوائے میرے اور علیؑ کے۔

اگر چیڈر کو آد کی شجاعت مرحب و عنتر کو زیر کر لینا ہی ہے۔ تو یہ حقائق سے روگردانی کے مترادف ہے۔ علیؑ تو وہ ہے کہ جس نے مہد میں کلمہ اُثر در کو دو نیم کر دیا تھا، جس نے شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پر تیغوں کے سائے میں سو کر دُمن الناس من لیشدی نفسہ ابتغا موصات اللہ کا خطاب پایا۔

جس نے جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود کے مد مقابل جا کر دما نیطی عن الہوی کے مصداق رسالت مآب سے کُل ایمان کا خطاب پایا اور جب کُل کفر کو فی النار و السقر کر کے خراشاں خراشاں بارگاہِ مصطفوی میں پہنچے۔

لے اُثر در، اُڑدھا کو کہتے ہیں۔ یہ مدلیوں پر اتانا سانپ بیتہ اللہ کے گرد و نواح میں رہتا تھا۔ جسے کو در جہالت میں معیارِ اولاد یعنی حلالِ حرامی کے پہچانے کا آلہ تصور کیا جاتا تھا۔ کتبِ تاریخ و تہذیب میں ملتا ہے کہ عرب ہر نو مولود کو اس کے سامنے نہ رکھ دیتے ہیں۔ اگر یہ دس لینا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ مولود حرامی ہے اور۔ یہ چھوڑ جاتا تو اسے حلالِ زادہ قرار دیا جاتا اور اس کے ماں کو صاحبِ عصمت گردانتے۔ علیؑ بن ابی طالب نے اس رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کیا۔ جب رسولؐ اکرمؐ سے یہ کہا گیا کہ ہمارا معیارِ اولاد اس نو مولود نے ختم کر دیا تو حضورؐ ختمی مرتبت نے فرمایا کہ اب علیؑ معیارِ اولاد ہوگا۔ جس کے دل میں اس کے محبت ہوگے وہ حلال ہوگا۔ اور جس سے بغض رکھے گا وہ حرامی ہوگا۔ (عمرانی)۔

تو رسول اکرمؐ نے بڑھ کر پیشانی پر بوسہ دیا، سینہ سے لگایا، اور زبانِ وحی ترجمان سے حضرت علیؑ یوم الغنہ فی الفضل من عبادۃ الثقلین کا مژدہ جالغزاسنا کر علیؑ کو دادِ شجاعت دی، لیکن علیؑ کی بزرگی و برتری تو اس میں ہے کہ ہادی برحقؑ نبی اکرمؐ امام برحقؑ، علی المرتضیٰ کے حق میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رب العزت تجھے واسطہ نبی حکمت کا حق کو اس طرف پھیر دے جدھر علی پھرے۔ کہیں یہ ارشاد کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن، علی کی فضیلت تو یہ ہے کہ وہ ۱۳، رجب المرجب کو خانہ خدا میں پیدا ہوا اور آٹھ کھول کر سب سے پہلے ریح رسالت مآب کی زیارت کی

مسلم ہندی چرامیدان گذشت

ہمت او کراری و کراری نداشت

مشہور مسافر

جب ہم تاریخ کا گہرا نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کیونکر میدان جنگ اور جذبہ جہاد سے منہ موڑا۔ اس لئے کہ ان میں نہ دیرِ الہی کا فقدان بڑھتا چلا گیا اور ان میں حیدری جوش و خودش تو کجا بسے کورامی تک نہ رہی۔ اور یہی ہندوستان کی فاتح قوم (مسلمان) باہر سے آئے ہوئے، سفید نام انگریز کی غلامی کا شکار ہوئی اور ہندو مہاجن نے اس کی رہی سہی معیشت کو نہایت خوبصورتی سے تباہ و برباد کر ڈالا یہاں تک کہ مسلمان کو دو وقت کی روٹی کا محتاج ہونا پڑا۔ بقول علامہ اقبال مرحوم،

جسے نان جوین بخشی ہے تو نے

اُسے باز دئے حیدر بھی عطا کر

بال تبریل ص ۳۳

علامہ مرحوم کے دل سے نکلی ہوئی یہ دعا مستجاب ہوئی اور اہل عالم نے دیکھا کہ ایک کمزور سے انسان نے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے، اُن میں جذبہ جہاد، جوش حیدر، کوراد اور عزمِ شیری کی روح پھونک کر ایک علیحدہ مملکت (پاکستان) کا فرہ ستا بلند کیا۔ بقول علامہ مرحوم

ہے امیرِ قافلہ سخت کوشش و پیہم کوش

۱۔ مدارج النبوة ص ۲۱۳ ج ۲

۲۔ الحق مع علی و علی مع الحق۔

۳۔ قرآن مجید کے ساتھ علیؑ قرآن کے ساتھ۔

میں اس کوشش میں لگے رہے کہ مسلمانوں کو آزادی نصیب ہو اور آخر کار وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے اور اگست ۱۹۴۷ء کو ایک سلطنتِ خداداد (پاکستان) دنیا کے نقشے پر ابھری۔ جس کی کھلی ہوئی فضا میں مسلمانوں کو سانس لینا نصیب ہوا۔ اب یہ ہمارا فرضِ آدمین ہے کہ ہم اس کو قائم و دائم رکھیں اور اندرونِ دینی و بیرونِ دینی دشمنوں سے چوکس رہیں اور علامہ مرحوم کے اس فلسفیانہ نکتے کو ملحوظِ خاطر رکھیں،

آج کل کو بتاؤں میں تقدیرِ اُم کیا ہے

شمیرِ دُناں اَدل طائوس وربابِ آخر اقبال

قوموں کے عروج و زوال کا سبب کیسے۔ عروج اس وقت تک رہتا ہے جب تک قوم میں دمِ خم اور اس کے بازوؤں میں تلوار اٹھانے کی سکت ہوتی ہے اور وہ جب ہی رہ سکتی ہے کہ جب وہ راگ و رنگ سے بے خبر ہو اور جہاں تو میں اس چکر میں پھنسی تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں۔ یہی ہندوستان میں مسلمان کے ساتھ ہوا، جس کے دہرائے کی ضرورت نہیں

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراریؑ

میں آدم کے حق میں کیا دل کی بیداریؑ

بالِ بربودؑ

علامہ صاحب، بیدار دل کو انسان کے لئے ایک جوہرِ گردانتے ہیں۔ ایک ہی وہ فلسفہ ہے کہ جس کو آج کا شاعر، مفکر اور ادیب پیش کرتا ہے، مثلاً

اب جی کے کیا کریں گے جب دل ہی بچ گیا ہو

اب سمجھ میں آیا کہ سانس کی آمد و رفت ہی کا نام زندگی نہیں، بلکہ دل کی بیداری، زندگی کی ضمانت ہے یا خود علامہ مرحوم کی زبان میں

دل مودہ دل نہیں ہے اس گندہ گرد و بارہؑ

کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

حقیقتاً دیدہ بینا اور دل بیدار ہو تو اسرارِ دُروہِ اللہٰیٰ منکشف ہوتے لگتے ہیں اور آخر ایک دن وہ منزلِ آجائی

لے فاروقی کے لغوی معنی حق دہاں میں تیز کرنے والے کے ہیں۔ فاروقی حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد کو یا ان سے نسبت رکھنے

والوں کو کہا جاتا ہے۔ لیکن صدیقہ فاروقیؓ ایسے القابات حضرت علیؓ علیہ السلام ہیں کہ انے مخصوص حق اور معنی۔ (محرران)

ہے۔ خدا بندہ سے خود پوچھتا ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔ یہی بیداری دل تھی کہ حضرت عمرؓ گھر سے رسول اکرمؐ کے قتل کو نکلے ہیں۔ بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہی کان میں قرآن پاک پڑھنے کی آواز سن کر اپنے بھائی تک ارادے سے توبہ کر لیتے ہیں۔ یہی بیداری دل تھی کہ حضرت علیؓ علیہ السلام نے کہا کہ اگر میری نظروں کے سامنے سے آسمانوں کے پردے ہٹا دیئے جائیں تو میرے ایمان و یقین میں ذرہ برابر فرق نہیں آسکتا۔ یہی وہ بیداری دل تھی کہ جو وعدہ روزِ اُلت کیا تھا تادم واپس ان الفاظ کے ساتھ مسجد کوفہ میں ابن عجم کی تلوار کی ضرب کھا کر کہا تھا فزت برب کعبہ قسم مجھے رب کعبہ کی کہ میں اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ اللہ اکبر! دیکھی آپ نے بیداری دل کی منزلت، اگر اسی بیداری دل پر علامہ مرحوم کے کلام سے ارشاد جمع کئے جائیں تو ایک کتابچہ تیار ہو سکتا ہے۔ علامہ مرحوم کے نزدیک نسلِ آدم کے لئے دل کی بیداری، کیمیا ہے اور یہی مردہ قوموں کے مرض کا علاج ہے۔ اگر انسان سے بیداری کا یہ جوہر ختم ہو جائے تو پھر بقول علامہ اقبال

ہے یقین مردہ تو ہے سنگ سے بھی بتر

ہو یقین زندہ تو پھر حیدر کرار ہے تو

اگر یقین زندہ ہے، یعنی دل بیدار ہے تو پھر تو زندہ رہے پر غالب رہیگا۔ جیسے حیدر کرار غالب الاکل غالب امام المشرق والمغرب، علی ابن ابی طالب، زندگی کے پہلو پر غالب نظر آتے ہیں۔ شاعر مشرق نے اپنی زندگی کو اپنے مددِ حق علی ابن ابی طالب اور سرکارِ دو جہاں کے تابع کر دیا، تو بیانگِ دلِ اعلان کیا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ

نرم ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجفؑ

بالِ بریل ۷۶

علامہ صاحب ایک سچے اور یکے مسلمان، عاشقِ رسولؐ انام اور حیدر کرار کے حب دار تھے، یہی وجہ ہے کہ ان پر یورپ کی نظر فریب رنگینیاں اثر انداز نہ ہو سکیں اور نہ ہی اہل یورپ کی حیران کن ایجادات ان کی دیدہ بینا کو فریب دے سکیں اور نہ ہی ان کے علوم و فنون سے کہیں علامہ مرحوم متاثر ہوئے۔ اس کی وجہ وہ ہمارے لئے درس کے طور پر دوسرے مہر میں بیان کرتے ہیں :-

سر رہ میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

علامہ مرحوم کا مقصد یہ ہے کہ ہم رشد و ہدایت کے لئے سرکارِ دو جہاں احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ اور ان کے نائبِ حیدر کرار سے تمک رکھیں تو سرخوردگی و کامیابی ہمیں کامیابی ہے یہاں پر پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ علامہ موصوف نے فلسفہ سقراط و افلاطون، ارسطو اور علومِ یورپ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جو بات اسلام کے ذریعہ اصولوں میں ہے۔ اُس کی مثال مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ رسول اکرم کی مشہور حدیث انا مدینۃ العلم دلی بابھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں: حدیث یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا دوسرا حصہ اور بھی غور طلب ہے فمن اراد العلم فليأتنا من الباب جس کو علم حاصل کرنے کا شوق ہو وہ دروازہ پر آئے یعنی باب مدینۃ العلم علی ابن ابی طالب تک پہنچے۔ اسی فرمانِ رسالتِ ناب کو سامنے رکھتے ہوئے۔ علامہ موصوف نے خدا در رسول کے بعد اپنے محدث علی ابن ابی طالب اور انکی اولاد کو طہرایا اور ہمیں دعوتِ فکر ان الفاظ میں دے گئے۔

از علی آموز اخلاص عمل

شیرِ حق راواں منیرہ از دل

کہ اگر (مسلمان) تو دنیا میں مثالی زندگی گذر کر ناچاہتا ہے۔ تو اپنے کردار کو حیدر کرار کی سیرت میں ڈھال، اسی میں تیری سرافرازی ہے اور سعادتِ مندی کی اعلیٰ مثال بھی اور دیکھ حق کے دلی، شیرِ جلی مولا علی کی ذات ستودہ صفات کو گناہِ صغیر اور گناہِ کبیر سے مبرا سمجھ۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ یہ نور ہمیں اور معصوم بھی، ان سے خطا پرستی۔ ان کی عصمت کی گواہی تو آیۃ تطہیر دے رہی ہے۔ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے۔ اِنْهَآ يُوَفِّيْهُمُ اللّٰهُ لِيُذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسُ اَهْلُ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا اے اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت (نبی) تم سے ہر جس کو دودھ رکھے جیسے رکھنے کا حق ہے۔

مند احمد میں جناب اُمّ مسلمہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم میرے گھر تشریف فرما تھے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حرم سے بھری ہوئی ایک دگچی لائیں، سرکارِ دو عالم نے فرمایا، فاطمہ میری نورِ نظر، ذرا اپنے شوہر (علی)

لے تخیلوت کائنات سے پہلے سرکارِ رسالت مآب کے نور کے ساتھ جو چیز خالق حقیقی نے خلق فرمائی، وہ علیہ السلام کا نور تھا۔ جس پر رسول اکرم کے زبان وحی تر جہان سے نکلے ہوئے ہیں یہ الفاظ اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰہ نُورِی اَنَا وَ عَلِیُّ مِنْ نُورِ وَ اَحَدِ جَوَاز کے لئے کافی ہے۔ (عمرانی)

اور دونوں بچوں (حسین شریفین) کو بلاؤ، لہذا بغیر کسی تاخیر کے تمہیں حکم کی گئی۔ یہ حضرات آئے، کھانا شروع ہوا۔ آپ اپنے بستر پر تھے۔ خیر کی ایک چادر آپ کے نیچے بھی ہوئی تھی، میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

مسلم شریف میں یہ واقعہ حضرت بی بی عائشہ سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے ایک دن صبح ہی صبح نکلے اور ان چادروں، (فاطمہ، علی، حسن، حسین) کو اپنی چادر میں لے کر یہ آیت پڑھی۔

ابن جریر حضرت سعد کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ پر وحی اتری۔ ان چادروں (علی، فاطمہ، شبیر و شبیر) کو کپڑے کے نیچے لے کر فرمایا، پروردگار عالم گواہ رہنا! یہ ہیں میرے اہل اور میرے اہل بیت۔ امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد سرکارِ صلح امام حسنؑ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اہل عراق سنو! ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت انہما یرید اللہ الخ اتری ہے۔

داراؤ سکندر سے دہر فقیروں کی

ہو چکی فقیری میں کونسا لہی؟

بال جبریل ۸۳

علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ داراؤ سکندر نے شاہانِ کجکلاہ، صاحبانِ جاہ و جلال سے کہیں ارفع و اعلیٰ وہ بوریا نشین، فاقہ مست فقیر بہتر ہے کہ جس کی فقر و فاقہ مستی سے خدا کے شیر علیؑ ابن ابی طالب کی بول آتی ہو، اور خورے قلندرانہ کا جو وارث ہو، مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہمارا امتیازی نشان الفقو فخری، خودی و خوداری ہے۔ اسی میں فقیری میں شاہانِ وقت سے خراج لینا، ہمارے اسلاف کا طریقہ جہان بانی رہا ہے۔ اور یہی ہمارا طریق ہونا چاہیے۔

امیر قافلہ سخت کوش و پیہم کوش

کہ قریبہ ماجیدی زکریٰ است

زبور عم ۸۴

مسلم کو وہی پیغام کہ تو میرا روانِ حیات ہے ذرا تدبیر سے کلام لے۔ شب و روز محنت و مشقت، بہادری، جرات مندی اور اعلیٰ ہمتی ہی تیرے لئے طرۂ امتیاز ہے۔ جس میں یہ اوصاف جمیدہ ہوں وہی ہماری اصطلاح

جرّاء فاتح عالم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، وہی سخت کوشش و پیہم کوشش فرق کفر و الٰہاد پر ضرب کاری لگانے کے لئے جو جس جہاد کے ساتھ سرکف میدان میں آجائے گا۔ بقول اقبال

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم !!!

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مُردوں کی شمشیریں

زندگی مسلسل جہاد، یعنی جدوجہد کا نام ہے۔ چاہے وہ کسی بھی شعبہ زندگی سے متعلق ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنا، زندگی سے بغاوت اور مایوسی پر دلالت کرتا ہے، جب کہ مایوسی کفر کے مترادف ہے۔

گمے درآمیند، گمے باحق درآویزد !!

زمانے حیدری کردہ، زمانے خیرمی کردہ زبور مجھ ص ۱۱۹

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ آخر یہ کیا منطق ہے کہ کبھی تو تو دین حق کا نام و مددگار اور طرفدار و پرستار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کبھی تو دین کے خلاف منظم سرتابی کا ترکب ہوتا ہے۔ آخر یہ کیوں؟ یہ تو مسلمانی کوئی مسلمانی نہیں، سراسر منافقت کی کھلی دلیل ہے۔ کبھی تو تو خواہشاتِ نفس کو مار کر خیر ایسے آہنی قلعے پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور کبھی حق سے انحراف کر کے اسے نقصان پہنچانے کے درپے نظر آتا ہے۔ غرضیکہ ایمان و یقان کی شمع تمہارے دلوں میں پوری طرح روشن نہیں ہوئی۔ اسی لئے تمہیں قرار نہیں، خدا کے لئے یقین محکم، عمل پیہم سے کام لو۔

من اس علم و فراست با پر کا ہے نمی گیرم

کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

بہر نرخی کہ ایں کالا بگیرم سودمند افتد

بزرور بازوئے حیدر بدہ ادراکِ رازی را زبور مجھ ص ۱۲۰

علی کی محبت دلوں کو جلا، ایمان کو بقا اور انسان کو حیات کا درس دیتی ہے اور علی کی اتباع سے خودی مٹا

کرتی ہے۔ اور یہ وہ جنسِ گراں مایہ ہے کہ جہاں بھی اور جس قیمت پر بھی ملے، خرید لے۔ اقبال مرحوم اپنے حکیمانہ فکر سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہوئے۔ وہ علم و فضل و فرزانی، حکمت و دانائی اور فلسفہ کس کام جو جفاکش قوم کو کابل و کام پور بنا دے۔ سلام دور سے ایسے علم و فضل کو جو ہاتھ میں کتاب دے کر تیغِ ابدار چھین لے یسلمانو! ہم را در اک سے کام لو اور فلسفہ رازی کے ”ترباق“ سے بچو!

عشق بانانِ جویں خیر کشاد

عشق در اندامِ مہ چپ کے نہاد جاوید نامہ ۱۸

دل لٹے حیدر کرار بھی علامہ موصوف کے نزدیک ایمان و ایقان کی پہچان کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں علیؑ تو وہ ہیں جو ”جو“ کی خشک روٹی زانو پر رکھ کر توڑتے تھے مگر خیر ایسے آہنی قلعے کو صرف دو انگلیوں کی جنبش سے اکھاڑ کر فاتحِ خیبر کا لقب پاتے ہیں۔ یہ زور، یہ طاقت کہاں سے آئی؟ یہ تمام عشقِ حقیقی کا فیض تھا۔ جو حضرت علیؑ کی رگ دپے میں سرایت کر چکا تھا۔ لیکن غور تو کیجئے کہ چاند نور الہی سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ لیکن شدتِ عشق کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے حسن میں ایک سیاہ داغ کا اضافہ کر بیٹھا، اگر عاشق صادق ہونے کے ساتھ وسیع الطرف ہوتا تو یقیناً سراپا نور ہوتا۔ یہی حضرت موسیٰؑ اور ان کے تواریلوں کے ساتھ کوہِ طور پر گزری۔ نور کی ہلکی سی چھوٹ کی تاب نہ لاسکے اور ہوش و حواس گم کر بیٹھے اور کوہِ طور جل کر سیاہ ہو گیا۔

کوہِ رابینہ از دیدارِ کن

بولہب راجیدر کرار کن !!! جاوید نامہ ص ۸۳

جس دل میں عشقِ رسالت مآب کی شمع روشن ہو اور وہ جو معرفتِ خداوندِ قدوس بتو تسل سرکاؤد وہاں حاصل کرنا چاہتا ہو وہ یقیناً اس میں کامیاب ہوگا۔ اور ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کر لے گا۔ اس کے برعکس جس کے دل میں عشقِ رسالت مآب کی تڑپ نہیں۔ وہ رحمتِ خدائے بزرگ و برتر سے کوسوں دور ہے۔ کبھی راہِ حق پر نہیں آسکتا۔ ایسے شخص کی مثال بولہب ایسی ہے وہ ہمیشہ گمراہ کن طاقتوں کے زیر اثر رہتا ہے اور کفر کے گھٹا لوپ اندھیادوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اگر وہ ظلمت سے نکل کر روشنی میں آنے کا خواہاں ہے تو اسے تعلیماتِ آلِ محمدؐ کی روشنی میں معرفتِ رسولِ برحق، محمد مصطفیٰؐ حاصل کرنا ہوگی۔ تب کہیں جا کر

دل کی آنکھوں کو بصارت ملے گی۔ اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہونا نجات کی دلیل ہے۔ زیرِ پا آجائیگی۔

پیشِ اوئے آسماں نہ خیرِ برائے

ضربِ آواز مقامِ حیدر اسٹ

جاوید نامہ ص ۹۵

اقبال کے ہاں مومن کا تصور بہت بلند ہے۔ لفظ مومن ان گنت اوصافِ حمیدہ اور صفاتِ سنجیدہ سے مشق ہے۔ ان میں سے مومن کی ایک صفت خاص یہ بھی ہے کہ وہ نہایت جرمی، دلیر اور بہادر ہوتا ہے۔ وہ نو آسمانوں کو نو خیر خیال کرتا ہے، انہیں اسی طرح قابلِ تسخیر جانتا ہے جیسے علی ابن ابی طالب نے قلعہ خیبر کو چشمِ زدن میں فتح کر لیا تھا اور اقبال کو اپنے مددِ وح (علیؑ) سے والہانہ عشق اور بے پناہ عقیدت ہے۔ اسی لئے اپنے مددِ وح کو بے پناہ طاقت اور قوت کا منبع سمجھتے ہیں۔ جہاں بھی اشعار میں کسی مہم کے سر کرنے کا ذکر کرتے ہیں وہاں حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کسی نہ کسی رخ سے ضرور کرتے ہیں۔ مثلاً کہیں خیبر کا ذکر ہے تو کہیں نانِ شعیر کا کہیں ذوالفقار کا تذکرہ تو کہیں اس کی ضربت کی تعریف، کہیں حیدرِ کرار کی صفتِ غیرِ فرار کی توصیف میں طرب اللسان نظر آتے ہیں۔

حکمِ حق را در جہاں جاری نکرد

نانے از بخورِ دگر آری نکرد

جاوید نامہ ص ۱۵۲

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اقبال کے کراری، حیدری، خیبر، مرحب و عنتر، ذوالفقار (تکلام) اور نانِ شعیر (جو کی روٹی) کا تذکرہ مسلسل ان کے پورے اردو اشعار ہی کلام میں کثرت سے ملے گا۔ اس شعر میں بندہ حق (مومن) کا سب سے بڑے اور اہم فریضے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے اچانے اسلام کی خاطر سرگرم عمل رہنا چاہیے جہاں جو کی روٹی کھا کر سنتِ حیدری پر عمل کیا جاتا ہے۔ وہاں اسی لازم کا مزدوم یہ ہے کہ میدانِ جہاد میں کفر کے مقابلے میں سیدہ پلائی ہوئی دیوار بن کر تحفظِ دین اور ناموسِ اسلام کی حفاظت میں اپنی جان جانِ جہاں آفریں کے حوالے کر دے۔ مگر دین پر آج نہ آنے دے اور پرچمِ حق کو سرنگوں نہ ہونے دے اور اسلام کے قیام و دوام کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔ مگر انوس بقول علامہ موصوف کے :-

خالق ہے چست از خیر و مہمید نہ راہی در زید سلطانے ز دید جاوید نامہ ص ۱۵۲

کہ آج کا مسلمان، آرام طلبی کا دلدادہ اور خالقانوں کا بے تاج شہزادہ چرس، بھگ، گانجہ، ایونے اور ایسی ہے بہت سی لغویات و منشیات میں غرق ہو کر اپنے اسلاف کی تاریخ کو فراموش کر چکا ہے۔ راگ رنگ کا ریا، سرتال کا شیدا، رہبانیت کا چوڑھ پن کر دنیا سے الگ تھلگ۔

چمن کو پھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھا دیوانہ

مجھلا اس پاگل کو کوئی سمجھائے تو سہی کہ یہ تیرا عمل اسلام کے اصولوں کے منافی ہے۔ اسلام میں ریاقت کا تصور چہ معانی۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے مسلمان تو نے جدوجہد سے منہ موڑا ہے اور گوشہ نشینی اختیار کی ہے اسی وقت سے نگ و تاز کا فقدان ہونا شروع ہوا ہے۔ اٹھ جدوجہد کو اپنا نصب العین بنا۔

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اسی رہبانیت کے خلاف ارمغانِ حجاز کے صفحہ ۲۶۲ پر ہمیں علامہ موصوف کا یہ شعر ملتا ہے فرماتے ہیں:-

تیرے دین و ادب آ رہی ہے کور رہبانیت

یہی ہے مرنے والی آیتوں کا عالم پیری

ارمغانِ حجاز ص ۲۶۲

دین و آئین اوسوداگری است

عشری اندر لباسِ حیدری است

جادید نامہ ص ۱۴

دہی ہندوستان کے باسی مسلمانوں سے شکوہ و شکایت کا اظہار علامہ صاحب اس شعر میں کر رہے ہیں۔ جنہوں نے دد رخی اختیار کی ہوئی ہے۔ کوئی ان میں جعفر ہے تو کوئی صادق کا کردار ادا کر رہا ہے، زبان پر کچھ ہے دل میں کچھ، مسلمان نام کا مسلمان رہ گیا ہے۔ تعجب ہے احمد مختار کے نام لیوا سرفروش، کفن بردار، نظر آتے ہیں بلکہ چند سکوں کی خاطر لعل یمن چھوڑ کر دین فردشی پر کمر بستہ ہیں ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ظاہر ہے حیدر کرار کا حیدار، دین احمد مختار کا پرستار ہونے کا دعویٰ دار و باطن میں باطل کے ساتھ۔ یعنی صرف ظاہری مسلمان رہ گئی ہے۔ دلوں سے خوفِ خدا جاتا رہا۔ اتباعِ رسول اور عشقِ حیدر مفقود ہو چکا ہے۔

دیں فردشوں کو سرفروشی کا سبق یاد نہیں، ہاں حصول مال و زر کے لئے۔ دین فروشی، اسلام سے بغاوت اور آئین حق تعالیٰ انحراف کرنا۔ یہ کہاں کی مسلمانی ہے؟ یہ تو سراسر منافقت کا لبادہ اڑھ کر دین حق (اسلام) کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ وہی بات کہ منہ سے رام، بگل میں چھری، نہیں اے مسلمان یہ تیری تاریخ نہیں، خدا کے لئے

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر؛ حریم کبریا سے آشنا کر

دلوں میں محبت و اخوت، امن و شانتی اور آشتی کی جوت جگا اور حق سبحانہ کی معرفت حاصل کر، یہی وہ رختِ سفر ہے جو کام آئے گا۔ غنتری چلن چھوڑ کر حیدری کر دار و میرت کے سانچے میں خود کو ڈھال، اسی میں خیر ہے۔ وگرنہ بقول اقبال

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

•

کبھی کوہ و دمن عشق، کبھی سوز و سرور آنجن عشق

کبھی سرمایہ محراب و منبر، کبھی مولا علیٰ خیرین عشق

بال جبریل ص ۲۲

فلسفہ عشق نہایت دقیق ہے، جس طرح ”معجزہ“ عقل و ادراک انسانی کو عاجز و لاچار کر دیتا ہے۔ بعینہ عقل انسانی عشق کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ عشق فہم و ادراک سے کہیں بالا خرد کی پہنچ و ہاں تک ناممکن و محال ہے۔ عشق تو عقل کو در طہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ بقول علامہ مرحوم

بے خطر کو دپڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محو تماثلے لبِ بامِ ابھی

دیکھا عشق کی ایک جست نے عقل کی تمام قیود کو توڑ ڈالا۔ یہی عشق منصور کو ”سہ دار“ انا الحق کا

ترانہ الاپنے کا درس دیتا ہے۔ یہی عشقِ محرابِ مسجد میں لذتِ بوب الکعبہ کا نعرہ مستان بلند کرتا ہے۔ یہی عشقِ منبر سے سلونی سلونی ۱ کا دعویٰ کرتا ہے اور یہی عشقِ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا سبق دیتا ہے۔ یہی عشق کبھی حیدری و کوتاہی تو کبھی فاتحِ خیبر کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اسی لئے،

ہمیشہ درِ دِباں ہے علیؑ کا نام اقبال
کہ پیاسِ روح کی بھتی ہے اسے نیکی سے

بے شک

۴۔ علیؑ کے نام سے دل کو سرور ملتا ہے

جہاں علیؑ کا ذکر کرنے سے روح کو تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے وہاں نامِ حیدرِ کوتاہی سے دل کو سکون و اطمینان کی دولت بے بہا بھی ملتی ہے۔ جس طرح بومن کو نماز پڑھنے سے قلبی سکون ملتا ہے اور روح سرور ہوتی ہے بعینہ ذکرِ حیدر سے روح کی تشنگی بجھتی ہے۔ اسی لئے آنحضور نبی کریمؐ نے فرمایا، 'علیؑ کا ذکر کرنا عبادتِ علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت اور دیکھو علیؑ کے ذکر سے اپنی محافل کو زینت دو۔ اللہ اکبر حدیثِ رسولؐ کتنی جامع ہے۔ اور اگر کلماتِ حدیث پر فلسفیانہ انداز میں سوچ بچار کیا جائے تو بہت وسیع تر مضمون احاطہ تحریر میں آ سکتا۔ جو حضرات رسول اکرمؐ علیؑ کریمؑ کے دور میں بعقید حیات تھے ان کے لئے تو چہرہ دیکھ لینا ہی عبادت تھا لیکن سرکارِ دو جہاں نے اس نعمتِ عظمیٰ اور عبادتِ الہیہ سے بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے بھی طریقہ عبادت وضع کر دیا تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ اب تو علیؑ ہیں نہیں تو دیکھیں کہاں سے، لہذا ہم اس عبادت سے محروم رہ گئے۔ لہذا قیامت تک کے لئے حضورؐ نے عبادت کا یہ طریقہ بیان کر دیا کہ علیؑ کا ذکر کر لیا کر۔ یہ بھی عبادت ہے۔ اور اس ذکرِ خیر سے اپنی محافل کو زینت دو

۵۔ الذکر علی عبادت

۶۔ النظر علی وجہ عبادت صواعقِ محرقہ ص ۲۵ مناقبِ خوامی ص ۲۵

۷۔ زینِ المجالسکم بذکر علی ابن ابی طالب

فَاشْ كُوَيْمُ بَاتُوا شَاءَ وَالْأَمْنُ

بَاجِ رَاجُزْ بَادُ كَسْ دَادِ حَرَامِ

يَا أُوْلَى الْأَمْرِ كَمْ مِنْكُمْ شَانِ أَوْسُ

جادید نامہ ۱۹۲

ایہ حق مجتہد و برہان اوسٹ

لیجئے صاحب! علامہ صاحب نے کتنا بڑا مسئلہ کھول کر بیان کر دیا کہ خراج لینے کے صرف دو ہی شخص مستحق ہو سکتے ہیں۔ ان میں پہلا اہل الامر ہے جسکی حجت و برہان، قرآن میں موجود ہے۔ دوسرا وہ ہے جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دے۔ یہ ہیں وہ اللہ کے منتخب و برگزیدہ حضرات جن کو خراج دینا امر الہی کے عین مطابق ہے

نائب حق، مجتہد، برہان عالم است

ہستی او ظیل اسم اعظم است

حق کا دلی، (نائب، احمد کا دھی، دنیا کی روح اور جان ہوتا ہے۔ اس کی ذات ستودہ صفات "اسم اعظم" کا سایہ (ظیل) ہوتی ہے۔ یہی خالق و مخلوق کے مابین ایک واسطہ ہوتا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ "اسم اعظم" سے مراد کیا ہے؟ اور کون ہے تو بقول کسی شاعر کے

علی کا نام بھی ایک اسم اعظم ہے

پڑے مشکل تو اس سے کام لے لو

بے شک علی ابن ابی طالب کا نام "علی" اسماء الہیہ میں سے ایک نام ہے۔ یہ نام حلالی مشکلات ہے

بلاؤں کو رد کرتا ہے، مصیبت میں کام آتا ہے۔ اسی نام کا لغزہ نوح نے طوفاں میں لگایا تو کنا را پایا۔ اسی نے یونس کی شکم ماہی میں مدد فرمائی۔ اسی نے پیغمبر اسلام کی دستگیری اور مسلمان کی خبر گیری کی۔

اَز رُوزِ جَزْوِ کُلِّ آگاہ بُود !!

وَر جہاں قائم با اَمْرِ اللہ بُود

وہی (عبدال) جزو کُل کے فلسفے سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ جو نائبِ حق جانِ عالم اور اسمِ اعظم کا قائل ہوتا ہے۔ اور بحقِ ذوالجلال والاکرام کا رُگہ حیات میں قائم و دائم رہتا ہے۔ کبھی بصورتِ امامِ حسنؑ، کبھی بصورتِ سرکارِ سید الشہداء امام حسینؑ، کبھی بصورتِ سید الساجدین امام زین العابدینؑ حتیٰ کہ یہی سلسلہ معصومین سے ہوتا ہوا حجتِ خدا، امامِ مہدی، مہدی برحق تک پہنچتا ہے۔ اسی مہدی برحقِ حسنِ عسکری کے نورِ نظر کا لقب قائم آلِ محمد ہے۔

سپاس جناب امیر المومنین

مندرجہ بالا عنوان کے تحت درج ذیل نظم شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے کہے ہیں اس کا تعین غالباً ممکن اگرچہ نہیں مگر اتنا پتہ ضرور ملتا ہے کہ یہ وہ ”نظم“ سپاس جناب امیر ہے کہ جو علامہ موصوف ہر صبح و مسابلا ناغہ بطور وظیفہ پڑھا کرتے تھے یہ نظم ۱۹۰۵ء میں ایک ادبی مجلے ”مخزن“ میں شائع ہوئی تھی، بقول امیر مخزن کہ اکثر احباب کا مسلسل یہ تقاضہ رہا کہ آپ اپنے آرگن ”مخزن“ میں علامہ صاحب کا فارسی کلام شائع کیوں نہیں کرتے، احباب کے پُر زور اصرار پر یہ نظم بعنوان ”سپاس جناب امیر“ مخزن میں شائع ہوئی، ڈاکٹر مرحوم نے حقیقت یہ ہے کہ منقبت و مدحت کا حق ادا کر ڈالا ہے۔ اس قصیدے کے اشعار کی تشریح و تفسیر سے میں نے یہ بہتر سمجھا ہے کہ اس کو مرنے والے حضرت علیؑ کے باب کے آخر میں رکھ دیا جائے تاکہ ناظرین و قارئین اس سے مستفید ہو سکیں۔ یہ منقبت باقیات اقبال کے ص ۱۲۷ لے کر ص ۱۰۵ تک مسلسل ملتی ہے، (مگرانی)

اے محو شائے تو زبا نہا اے یوسفِ کارواں جٹا نہا
اے بابِ مدینہٗ محبتؑ اے نوحِ سفینہٗ محبتؑ
اے حاجی نقشبِ باطلِ من اے فاتحِ خیبرِ دلِ مرنے
اے بر خطِ وجوبِ امکان تفسیرِ تو سورہ ہلے قرآنؑ

اے مذہبِ عشقِ رانازے اے سیدہ تو امیرِ رازے

اے سرنوٹِ محمدؐ! اے وصفِ توحیدِ محمدؐ

گردوں بہ رفعتِ السادۃؑ از بامِ بلندِ توفادستؑ

مہرِ ذرّہ در گہتِ چو منصور!! در جوشِ ترانہ انا الطور!!

بے تو نتوان باوریدے! بے او نتوان بتورسیدے

فردوسِ ز تو چمنِ در آغوشِ از شانِ توحیدِ آئینہ پوشِ

جامِ بغلامیِ تو خوشتر!! سرِ بزدہ امِ زحیبتِ وقبرؑ

ہشیارم و مست بادۂ تو! چوں سایہ ز پافتادۂ تو

از ہوشِ شدم مگر بہوشم! گوئی کہ نصیریِ خموشم!!!!!!

۱۔ ”جیب“ سے مراد جنابِ جیبِ ابنِ مظاہر ہیں جو میدانِ کربلا میں سرکارِ امامِ حسینؑ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے سب سے زیادہ ضعیف تھے۔ مگر روزِ عاشورا سے بے جگری سے لڑے کہ دشمنانِ امامِ عالی مقام کو راہِ قرار بھول گئے اور آخر یہ بوڑھا مجاہد درجہ شہادت پر فائز المرام ہوا۔

۲۔ قبرِ جنابِ امیرِ المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کے خادمِ خاص تھے۔

۳۔ ”نصیری“ ایک فرقہ خاص ہے جو کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کو خدا گردانتے (نقلِ کفر کفریٰ شد)۔

دَامُ کہ اَدب بَضْبِ رازِ اسْتِ دَر پَر دہ خُشایِ نِیازِ اسْتِ
 اَمّا چہ کُنمِے تَو لّا !!! تَنَدَ اسْتِ بِرَوْنِ فَتَدِ زَمِیْنَا
 زِ اَنَدِشَہ عَافِیْتِ رِیْثِیْمِ جَنسِ غَمِ اَلِے تَو خِستِ دِیْمِ
 فِ کَرَمِ چُوبِ بَتَوَقِّدِ مِزْدِ دَر دِیْرِ شَدِ و دَر حَسْکَزْدِ
 دَر وِشْتِ طَلَبِ بے دَوِیْدِیْمِ دَامَانِے چُو گَر دِ چِیْدِیْمِ
 دَر آبلِہ خَاسارِ ہَا خَلِیْدِہ صَد لالِہ تہ قَتَمِ دِیْدِہ
 اُنْدا گِرہِ بَر وُئے کَارِمِ، شَدِ مَنْدَمِ دَامِے غَبَارِمِ
 لُویَاں پُئے غَضَرِ سُوئے مَنزَلِ! بَر دُوشِ خِیَالِ بَستہِ مَحْمُوسِلِ
 جَوِیائے وِشْکَہ جَامِے چُوں صَبْحِ بَادِ چِیْدِہ دَامِے
 پِیچِیْدِہ بَخُودِ چُوں مَوْجِ دَرِیَا اَدَارِہ چُو گَر دِ بَادِ صَحْدا

۱۔ علیٰ خدا نہیں، نور خدا ہے۔ دلالت کے لئے یہ حدیث رسولؐ کے کتبِ احادیث میں بکثرت ملتی ہے۔ "انا و علیٰ من نور واحد" میں اور علیٰ ایکے نور سے ہیں۔ اگر رسول اکرمؐ نور ہیں تو پھر سرکارِ امیر بھی حدیث کے روئے نور ہیں۔ اور ظہر نورِ احدیت ہیں۔ (عمر آئی)

و اماندہ ز در دنا ریدے در آبلہ شکستہ دامنے !!!

بہ عشق تو دلم ز بود ناگاہ !!! از کارِ گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز بہستی و عدم ساخت بُن خانہ عقل را حرم ساخت

چوں برقِ بجز نمم گزر کرد از لذتِ سوختن خبر کرد

بر بادِ شاعِ مستقیم داد!! جلے ز منے حقیقتم داد!

سرمت شدم ز پافتادم چوں عکس ز خود جد افتادم

پیراہنِ مادمے دریدم چوں اشک ز چشم خود چکیدم

خاکم بفر از عرش بردی زان را کہ بادلم سپردی

وا صیل بکنارِ کشتیم شد طوفانِ جمالِ زشتیم شد

بجز عشق حکایت ندارم!! پر دوائے ملامتے ندارم!

از جلوہ عام بے نیازم

سوزم، گریم، تپم، گدازم

إِنَّمَا فَاطِمَةُ لِبُغْتِ مَعِي يُؤْذِي مَا أَذَاهَا (حديث بول)

: صعيح بخاری :

نورِ چشمِ رَحْمَتِ الْعَالَمِينَ
الِ اِمَامِ اَوَّلِيَّةِ وَاخِرِيَّةِ



مریم ازیک نسبت عیسیٰ عزیز

از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
رموز بخودی ص ۱۱

تاریخ اسلام کے قاری سے یہ بات سرگز پوشیدہ نہیں کہ حضرت مریمؑ صرف اسی ایک نسبت سے واجب الصداقہم اور عزیز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔ لیکن 'بتول عذرا'، فاطمۃ الزہراؑ، مخدومہ کونین، مخدومہ طہارت و عصمت! تیری فضیلت و بزرگی کا کیا کہنا کہ تو ایک نہیں ان گنت فضیلتوں کی واحد مرکز ہے۔ تین نسبتیں تو ایسی ہیں جن کو کوئی دنیا کی عورت نہیں پہنچ سکتی۔ اسی لئے مریمؑ سے رگنا آپ ہمیں عزیز و محترم ہیں۔ پہلی نسبت تو یہ ہے :-

نور چشم رحمۃ اللعالمین

اس امام اولیٰ ہے و احسین
رموز بخودی ص ۱۱

اس ملکہ طہارت و عصمت کی فضیلت و بزرگی اور منزلت کون بیان کر سکتا ہے کہ جو امام اولین، سید المرسلین خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین ہو۔ اللہ اللہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اس آنکھ کا نور ہیں جس کی تعریف کلام اللہ میں یہ ہے

اسی سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ فاطمہؑ میرا کھڑا ہے۔ یہاں دل یا جگر کا کھڑا نہیں کہا۔ مقصد آنحضورؐ کا یہی تھا کہ میں نور ہوں، فاطمہؑ نورانیت کا کھڑا۔ میں نبی ہوں، فاطمہؑ نبوت کا کھڑا، میں رسول ہوں، فاطمہؑ رسالت کا کھڑا، میں ہادی ہوں، فاطمہؑ ہدایت کا کھڑا، میں صادق ہوں، فاطمہؑ صداقت کا کھڑا، میں امین ہوں، فاطمہؑ امانت کا کھڑا، میں عابد ہوں، فاطمہؑ عبادت کا کھڑا، میں طاہر ہوں، فاطمہؑ طہارت کا کھڑا۔ غرضیکہ جو کچھ میں ہوں فاطمہؑ اس کا کھڑا ہے۔ اسی حدیث کے ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے

حدیث الطبرانی باسناد صحیح علی شرط الشیخین قالت عائشہ رضی اللہ عنہا ہا رأیت احدا قط

افضل من فاطمة عن ابیہا

کہ میں نے جناب فاطمہ زہراؑ سے سوائے ان کے والد (محمد مصطفیٰ ﷺ) کے کسی کو بھی افضل نہیں دیکھا۔

ابن حجر عسقلانی اسی روایت کو اس رخ سے پیش کرتے ہیں :-

عن عمربن دینار قالت عائشة ما رأيت قط احدا افضل من فاطمة عن ابیہا۔

امام مالک کہتے ہیں کہ فاطمہ حضور نبی اکرم کا ٹکڑا ہیں۔ حضور کے ٹکڑے سے کوئی افضل نہیں اور نہ میں کسی کو فضیلت جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا پر دیتا ہوں خواہ کوئی بھی ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ یہی تین قول فضیلت زہرا میں صحیح اور درست تر ہیں کہ نبی بنی فاطمہ سب سے افضل ہیں۔

کتب صحاح ستہ میں بعد از کلام باری تعالیٰ، صحیح بخاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی کے حاشیے پر یہ عبارت بھی پڑھی جاسکتی ہے کہ فاطمہ زہراؑ سیدۃ النساء اہل الجنۃ اور طیبۃ و طایرہ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آپ تمام عورتوں سے مطلقاً افضل ہیں حتیٰ کہ اپنی والدہ مکرمہ و محترمہ جناب خدیجۃ الکبریٰ سے بھی۔ یہ تو پہلی نسبت کی ایک ٹکی سی جھلک ہے۔ وگرنہ فاطمہؑ کی بزرگی کا تعین کرنا امر محال و ناممکن ہے۔

دوسری نسبت جو قبولِ عذرا، خاتونِ مشرق جناب مریمؑ سے بلند کرتی ہے وہ علامہ مرحوم کے درج ذیل شعرے عیاں ہے۔ فرماتے ہیں :-

بأنی ال تاجدارہل اقی !!

مرقضی مشکل کشا، شیر خدا

رموز تجزوی ص ۱۱۱

آپ بفضلِ ایزدی اس مردِ حق سرودش کی رفیقِ حیات ہونے کا شرف رکھتی ہیں کہ جس کے ان گنت القابات ہیں اور لامحدود اعزازات ہیں جس کا نام نامی، اسم گرامی خدا نے بزرگ و برتر کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام عطا ہے۔ یہی وہ مہستی ہے کہ جس نے آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک ہر نبی کی شکل میں مدد کی، آدم کی عالمِ غلو میں

۱۔ الامامہ فی المعرفة صحابہ ج ۱ ص ۳۶۶

۲۔ فقال مالک فاطمة بضعت من النبي والافضل علي بضعت من رسول الله صلى عليه وآله وسلم احدا

۳۔ حادى الفتاوى للسيوطى ج ۲ ص ۱۸۶

۴۔ حاشہ بخاری شریف ج ۱ ص ۵۳۲

روح کی طرف سے یونس کی شکم ماہی میں، موسیٰ کی طور پر عیسیٰ کی شکل میں اور خاتم النبیین، سید المرسلین، امام ادریسؑ کی خیر میں اور جنگ احد میں "ذوالفقار" ایسی آسمانی تلوار لیکر شاہِ لافتنی کا گرفتار اعزاز پایا۔ اسی طرح حق نے ہل اتے کاتاج سورہ دہر میں ان کلمات کے ساتھ پہنایا۔ ارشادِ خداوند قدوس ہے۔

يُؤْتُونَ بِالْغَدْرِ دِيْعًا قُوْنَ يُؤْمَا كَانْ شَرُّهُ مُسْتَطِيْرًا وَيُطِيعُوْنَ لِبْعَاْدِ
عَلٰى حَبِيْبٍ مُّسْكِنًا وَيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا اَنَّمَا لَطَعْتُمْ لَوْجَهَا اللّٰهُ لَا يُزِيْدُ مِنْكُمْ
جَزَا وَّ لَا شُكُوْرًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا لَوْ مَا عَبَسُوْا قَمَطِرًا

ترجمہ

میسرے خاص بندے ایسے ہیں جو پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے اس دن سے
کہ ہے سختی اس دن کی کھلی ہوئی۔ سب کو پہنچے گی اور وہ کھلاتے ہیں خدا کی راہ میں
محتاج کو، یتیم کو اور اسیر کو اور کہتے ہیں کہ ہم خوشنودی حق تعالیٰ کے لئے کھلاتے ہیں۔ ہم
تم سے بدلہ و احسان کے خواہشمند نہیں۔ اس لئے کہ ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے
اس دن کے عذاب سے کہ (جو) بے حواس کر دے گا۔

وایسے تو پورے کا پورا قرآن ہی اہل بیت کی شان میں رطب اللسان نظر آتا ہے، مگر خاص کر یہ پورا سورہ جناب
امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات حسنین شریفین و کریمین کی مدح سرائی کر رہا
ہے۔

اس ضمن میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حسن و حسین علیہما السلام بیمار ہو گئے، آنحضرتؐ پیارے نواسوں
کی عیادت کے لئے آئے اور آپؐ نے جناب امیر سے فرمایا کہ بہتر ہوتا کہ اگر تم اپنے بچوں کی صحت کے واسطے نذر ملتے۔
جناب امیر، جناب فاطمہؑ اور جناب فختہؑ نے سرکار رسالتؐ کا یہ فرمان سنتے ہی تین روزے منت مان لئے،
جب دونوں شہزادے رو بصحت ہو گئے تو نذر کے پورا کرنے کا وقت آیا، گھر میں کچھ نہ تھا۔ جناب امیرؑ نے
شمعون یہودی سے تین "صاع جو" قرض لئے۔ جناب سیدہ نے ایک "صاع جو" پیا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔
شام کو جب افطار کا وقت آیا تو دروازے پر سائل نے آواز دی السلام علیکم یا اہل بیت محمدؐ۔ میں ایک مسلمان مسکین

ہوں مجھے کھانا دو۔ خدا تمہیں جنت کے خزان عطا فرمائے گا۔ یہ آواز سنتے ہی سب نے اپنے آگے کی روٹیاں سائل کو دے دیں۔ اور فقط پانی سے افطار کیا اور دوسرے روز پھر جناب سیدہ نے پانچ روٹیاں پکائیں، روزانہ افطار کا وقت آیا، کھانے بیٹھے تو دروازے پر کسی غیم نے صدا بلند کی۔ سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں اس کو دے دیں۔ تیسرے روز پھر جو روزہ افطار کرنے بیٹھے، حسب سابق پھر کسی امیر نے آکر سوال کیا۔ تیسرے روز بھی سب نے یہی عمل کیا۔ چوتھے روز جناب امیر نے حسنین شریفین کی انگلی پکڑی اور بارگہ رسالت میں حاضر ہوئے، جو نبی رسول اکرم کی نظر پڑی کہ بھوک سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا میں تم لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اٹھے اور ان کے ساتھ جناب سیدہ کے گھر تشریف لائے۔ ادھر فاطمہ الزہرا محراب عبادت میں ہیں۔ پیٹھ پیٹ سے مل گئی آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ آنحضور کو بہت رنج ہوا کہ یکا یک حضرت جبریل امین نازل ہوئے۔ اور کہا لیجئے یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو کہ پروردگار نے یہ سورہ (دھر) آپ کے اہل بیت کی شان میں نازل فرمائی ہے اور سورہ دھر کی تلاوت فرمائی۔

(دیکھئے تفسیر کشاف جلد ۲، ص ۷۳۹ مطبوعہ مہر، یہی روایت بیضاوی نے نقل کی ہے)

تیسری نسبت کی طرف بھی اقبال مرحوم کا یہ شعر نشاندہی کرتا ہے :-

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشقے !!

مادرِ آں کارِ والِ سالارِ عشقے !

روز بخوری ص ۱۷۱

کون نہیں جانتا کہ آپ مادرِ حسنین شریفین ہونے کا شرف بھی رکھتی ہیں۔ جن شہزادوں میں ایک شہزادہ حسن علیہ السلام عشقِ حقیقی کے مرکز اور دوسرا شہزادہ حسین علیہ السلام عاشقانِ صادق کے قافلہ سالار تھے۔ اب کون ہے جو بتولِ عذرا، فاطمہ الزہرا کی ہمسری و برابری کا دعویٰ کرے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسب و نسب اور پاکیزگی و طہارت کی حیثیت سے کوئی بھی جناب سیدہ اور حسنین شریفین و کریمین کی برابری نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی حدیث پاک فاطمہ سیدۃ النساء العتمة ادنساء العالمین کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

(ایک فارسی متن کا ترجمہ) یعنی یہ حدیث پاک دلالت کرتی ہے کہ جناب فاطمہؑ سیدہ تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ حتیٰ کہ مریم و آسیہؑ، خدیجہ و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی اور بعض علماء جناب عائشہؑ کو جناب سیدہ پر اس وجہ سے فضیلت دیتے ہیں کہ آپ حرم رسولؐ ہیں۔ لہذا جنت میں رسول اکرمؐ کے ساتھ ہوں گی اور فاطمہؑ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ ہوں گی اور لازم ہے کہ مقام رسالت مآب حضرت علی علیہ السلام سے کہیں بالا درجہ ہے مگر انھیں خود فاطمہؑ کو مخاطب کر کے زمانے ہیں کہ ہم اور تم، علی اور حسن اور حسین جنت کے ایک ہی مقام و مکان میں رہیں گے

اقبال کے ممدوحین، مرکز پرہیزگار عشق و قافلہ سالار عشق جناب امام حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔ حضورؐ نے گود میں اٹھا کر فرمایا کہ مجھ سے محبت کرو، ان سے محبت کرو، ان کے ماں (فاطمہؑ) اور باپ (علیؑ) سے محبت کرو! یہی چاروں ہمارے ساتھ قیامت کے دن ایک مکان میں ہوں گے۔ یہی وہ ذوات مقدسہ و مطہرہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیہ تطہیر میں لفظ اہل بیت ارشاد فرمایا۔ بعض علماء و محققین نے آیہ تطہیر قُلْ لَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اجْرًا اَلَا النُّوْدَةُ فِي الْقُرْبٰی کا مصداق انہیں قرار دیا ہے۔ یہی وہ رسول مقبولؐ کے قریب دار ہیں۔ جن کی محبت ہم (مسلمانوں) پر فرض ہے اور یہی اجر رسالت ہے :-

آنکھ جاں در سیکر گیتی و میث

روزگار تازہ آئینے آفرید!!

روز بخودی مر

علامہ فرماتے ہیں، اے سیدہ فاطمہ الزہراؑ سلام اللہ علیہا آپ کی بزرگی کے لئے کیا یہی شرف کافی نہیں کہ آپ سرکارِ دو جہاں، باعثِ تخلیق کائنات (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھوں کا نور، دل کا سردر ہیں۔ جن کے آنے سے پیکر گیتی میں جان آگئی اور دنیا کو تہذیب و تزیین کی دولت بے بہا مل گئی۔ آپ کے والد بزرگوار، رحمت پروردگار خیر البشر نے محکم و خوشگوار قوانین و ضوابط حیات بشر کو رحمت فرمائے۔ وہ ضابطہ حیات جو انسان کو دنیا میں عزت اور تکریم دے اور آخرت میں سرخروئی بخشنے، اسی کا نام اسلام ہے۔ یہی

لَمْ اَنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَخَذَ بَیْدِ حَسَنِ وَحُسَيْنٍ فَقَالَ مَنْ اَخْبَنِيْ دَاجِبٌ لِّهٰذِیْنِ وَاَبَاحُہُمَا مَہْمَا كَانَ مَعِيَ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَہِ (مناہد بنہ جنبل ج ۲ ص ۲۶ - صواعق محرقة ص ۱۵۱)

ادیانِ عالم میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے۔ اسی دینِ الہی کے قائد و سربراہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ دختر نیک اختر ہیں۔ دوسری طرف بقول علامہ مرحوم کے

بادشاہِ کلبہ الیوان او

یکسام دیک زره سامان او روز بخودی ص ۱۷۷

جہاں تک خدا کی خدائی ہے، وہاں محمد مصطفیٰ کی مصطفائی اور علی شیر خدا کی بادشاہی ہے۔ لیکن اللہ اللہ مولانا علی کی بادشاہی تو ملاحظہ ہو۔ بظاہر تو نہ کوئی تخت ہے نہ تاج اور نہ ہی کوئی ملک ہے لیکن یہ بادشاہت سے علامہ مرحوم اس لئے تعبیر کر رہے ہیں کہ آپ کی دلوں پر حکمرانی مستم ہے۔ اگر کوئی اس بادشاہ (علیؑ) کے محل سرا میں داخل ہو کر دیکھے تو انگشت در دہاں رد جلے گا کہ محل کی جگہ جھونپڑی سامانِ جاہ و حشم میں کل اثاثہ ایک تلوار اور ایک زرہ پر مشتمل تھا۔ ایسے بادشاہ کی ملکہ بننے کا شرف بھی جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہی کو نصیب ہوا۔ مخدومہ کو نین جگر گوشہ رسولِ انبیین امامِ قلیتیں کی بزرگی کا کیا کہنا کہ جہاں عقل کی رسائی نہیں، فکر کی پرواز سد ورسے، زبان کو یا راہنیں، الفاظ میں وہ قدر و قامت کہاں کہ بقول عذرا فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی رنعت کو چھو بھی سکیں

مزرعِ تسلیمِ راحلِ تبول

مادرانِ را اسوۂ کاملِ تبول روز بخودی ص ۱۷۸

شاعر مشرق فرماتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ مخدومہ کو نین، مخدومہ طہارت و عصمت پیکرِ شرم و حیا، مخزنِ لطف و عطا، مرکزِ مہر و وفا، محورِ صدق و صفا، مصدرِ جود و سخا، سراپائے صبر و رضا جنابِ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہی عفت کا گنج گراں مایہ، عصمت کا سرمایہ، کرم کا بحر، بیسکراں، عظمتوں کا آسماں، رفعتوں کا ارفع نشان اور شہیدانِ راہِ خدا کی مادرِ ہربان ہیں۔

۱۷۷ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ط یعنی تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ اللہ کے راہ میں اپنے سب سے پیاری چیز نہ دو گے۔ یہ آیت اترے تو نبی اکرم کے دختر نیک اختر فاطمہ الزہرا نے اپنے چہرے سے جو اچھے قصے بھلے وہ ایکے سائل کو دے دی یہ تھا فاطمہ کا اندازِ سخاوت !

آپ ہی جذبہ ایثار کی کھیتی کا ثمرہ دس رہا ہیں۔ جب تک جناب فاطمہؑ رسول خداؐ، محمد مصطفیٰؐ، بدر الدجیؑ، شمس الضحیٰؑ کے زیر سایہ رہیں، پدر بزرگوار (جناب رسول اکرمؐ) کے لئے باعثِ راحتِ قلب و نظر رہیں اور جب یہی بضعۃ الرسولؐ، ریحانۃ النبیؐ، زینت کاشانہ علی شیر حلّی ہوئیں تو شوہرِ نامدار حیدر کرار کی رضا کو اول و آخر مقدم جانا، خود جناب امیر المومنینؑ جناب بتول عذرا کی رفاقت پر فخر و مباہلات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَهُ
وَبِنْتُ مُحَمَّدٍ سَكَنِي وَعَرَسِي

مَشُوبٌ لِحَبَابِ دَمِي وَلَحْمِي
دیوانِ ملی ص ۱۸۱

اور بنتِ محمدؐ (فاطمہؑ) میری راحت اور اہلیہ ہیں، ان کا گوشت میرے خون اور گوشت سے مخلوط ہے۔ پھر اسی مقام پر ایک اور اعزاز کی نشاندہی یوں کرتے ہیں:-

لَهُ
وَلِيَّ الْفَخْرِ عَلَى النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِي وَبَنِي سَعْدٍ

ثُمَّ فَخْرِي بِرَسُولِ اللَّهِ إِذَا ذُوَّجَتْهَا
دیوانِ ملی ص ۱۸۸

مجھ کو لوگوں پر دو حیثیت سے فخر حاصل ہے کہ ایک تو میری رفیقہٴ حیات فاطمہ الزہراؑ سلام اللہ علیہا کی ذات والا صفات ہے اور ان کے بیٹوں (حسن و حسینؑ) کی وجہ سے بھی، دوسرے باعثِ فخر یہ بات ہے کہ رسول اکرمؐ کی بیٹی (فاطمہؑ) میرے نکاح میں آئیں، لیکن حیدر کرار، شیر کردگار کی ذات والا صفات، بتول عذرا فاطمہ الزہراؑ کے لئے وجہ افتخار رہی ہے جس کا اظہار دخترِ رسولؐ مقبول نے ہمیشہ کیا۔

ماں تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ جناب فاطمہؑ کی سیرت و کردار اتہاتِ امتِ مسلمہ کے لئے وجہ تقلید ہیں۔ اسی میں مسلمان خاتون کی عزت اور عظمت کا راز ہے۔ کیا کہنا جناب فاطمہؑ کی بزرگی کا کہ جس پہلو سے نظر ڈالیں، آپ عظیم نظر آتی ہیں۔ باپ (محمدؐ) جو باعثِ تخلیق کائنات، ماں (حضرتِ الکبریٰ) وہ جو ولیکتہ العرب، شوہر (علیؑ) وہ جو شجاعت کا جوہر، بیٹے (حسن و حسینؑ) جو شہادت کا شرف بھڑے، بیٹیاں وہ

(زینب و کلثوم) جو محافظہ اسلام اولاد و وجود از روئے ارشادِ رسولِ اکرم اَدَلْنَا مُحَمَّدًا دَادَ سُلْطَانًا مُحَمَّدًا دَاخِرًا مُحَمَّدًا
 کلنا محمد کا مصداق ٹھہری۔ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے وہ تو اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسوۂ خاتونِ
 قیامت سلمان عورت کے لئے ایک ایسا گراں مایہ سرمایہ ہے کہ اگر آج بھی بقول شاعر مشرق

بتولے باش و پنہاں شوازیںِ عمر

کہ در آغوشِ شبیرے بگیڑی

ایضاً حجاز ص ۱۳۲

اس گئے گزرے دور میں، مسلم خاتون سیرت و کردار جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے
 تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی گود سے اسلام کو حسین شریفین تو نہیں، ہاں! حسین علیہم السلام کے لائق
 غلام میسر آ سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے شرط ہے یہ کہ اپنے تخلیقی ذرائع سے کا حق واقف ہو، وہ شیخ محفل نہ ہو،
 چہ راغ خانہ رہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:-

نوری وہم آتشی زماںِ برش

گمِ رضائش درِ رضائے شوہرش

روزِ مجذبی ص ۱۴

اے سلمان خاتون کیا تجھے خبر نہیں کہ مخدومہ کونین، مادرِ حسین شریفین، پروردہ آغوشِ رسولِ مقبول
 جناب بتول جس کے بچوں کی گہوارہ جنبا فی ساکنِ عرش اپنے لئے باعثِ فخر و مباحات جانتے تھے، رضوانِ جنت
 جس کے در پر اَنَاخِيَاطُ الْحَيٰنِ وَالْحَيٰكِيْنَ کی صدا بلند کرتا ہے، اسی عظمت و شوکت کی بلکہ اپنے شوہرِ نامدار حیدرِ کرامؑ
 کی رضا و خوشنودی کو اپنے لئے توشہ آخرت تصور کرتی تھیں اور انہی کی رضامندی خود کو گم کئے ہوئے تھیں، اللہ
 نے اپنی اس کینز خاص کو جہاں حسن و حیثیت ایسے عظیم فرزند عطا کئے وہاں فاطمہ ایسی زینب و کلثوم بیٹیاں بھی
 عطا کیں۔ کیا کہنا بتول عذرا کی بزرگی کا کہ جس کے فرزند تا قیام قیامت مردوں کے لئے نمونہ عمل اور بیٹیاں مستورات
 کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ پھر علامہ مرحوم فرماتے ہیں:-

فطرتِ توجذبہ ہاوار و بلند

چشمِ ہوش از اسوۂ زہرا میند
روزِ بخودی ص ۱۸

کہ دیکھ اے مسلمان عورت اگر تو صاحبِ ہوشِ خرد ہے اور توجذبہ ایثار رکھتی ہے تو پھر تجھ پر لازم ہے کہ توجنابِ فاطمہ الزہرا کے نقشِ قدم پر گامزن ہو۔ یہی تو چشمِ بینا کا تقاضا ہے اور عقل و خرد اسی کا نام ہے کہ اسوۂ جنابِ سیدہ پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہیے۔ یہاں اقبال جنابِ سیدہ کی زندگی کے ایک اور پہلو کو اس شعر میں یوں پیش کرتے ہیں

اَلْاَدَبُ بِرُودۃِ صَبْرٍ وَرِضَا

ایسا گردِ آں و لبِ قرآنِ سدا
روزِ بخودی ص ۱۸

جہاں تاریخِ اسلام جنابِ سیدہ کی بہت سی خصوصیات و صفات کی نشاندہی کرتی ہوئی ملتی ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مخدومۂ طہارت و عصمتِ صبر و رضا کی ادب پروردہ بھی تھیں۔ اسی کی اعلیٰ مثال یہ ہے کہ حکمتِ پس رہی ہیں اور قرآنِ پاک ساتھ ساتھ پڑھتی جا رہی ہیں۔ لیکن آج کی مسلم خاتون، دعویٰ کینزی زہرا میں تو پیشِ پیش اور عمل میں مفقود سے مفقود تر نظر آتی ہے۔ روایات کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا حسن و حسینؑ کو جھولے میں لٹا دیتیں اور خود مصروفِ عبادت ہو جاتیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی شہزادہ رونے لگتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل امین فوراً آکر گہوارہ جنبانی کا کام کرتے۔ جب آپ عبادتِ الہی سے سلام اللہ پھیرتی تھیں تو کیا دیکھتیں کہ جھولاہل رہا ہے۔ یہ تھا اعزازِ فاطمہ۔ اب ایک اور پروردہ صبر و رضا کا اعزاز ملاحظہ ہو جس کو اقبال مرحوم نے شعر کے دوسرے مصرعہ میں بیان کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے اور علامہ مرحوم نے ایک اہم واقعہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔

خاتونِ قیامت، مخدومۂ کونین، مادرِ حسنین جنابِ فاطمہ الزہرا کا یہ معمول تھا کہ آپ اپنے گھر میں کام کاج میں مصروف ہوتی تھیں تو نہاں مصروفِ تلاوتِ کلامِ الہی رہتی، بالعموم جب حکمتِ پستیں تو تلاوتِ قرآن فرمایا کرتی تھیں۔ اس حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ان کو رسول اکرمؐ نے کسی کام کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر دربارِ رسالت میں عرض کی: یا رسول اللہ میں نے دیکھا کہ آپ کی بیٹی

(فائدہ) نماز پڑھ رہی ہیں اور ان کی چٹکی خود بخود چل رہی ہے۔

ایک روایت تنبیہ الغافلین اور درۃ الناصحین میں یوں ہے کہ آپ کے ہاتھ چٹکی پیٹتے تھے، زبان سے قرآن پڑھتی تھیں، دل سے قرآن کی تفسیر فرماتی تھیں، پاؤں سے اپنے بچوں کا جھولا جھلاتی تھیں اور آنکھوں سے آنسو بہاتی تھیں۔ علامہ مرحوم کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کو ایسی بلند کردار عورتوں کی ضرورت ہے جن کی گودیوں سے سرفروشان اسلام مل سکیں۔ لہذا فرماتے ہیں:-

سیرت فرزند بازا اہبات

جو ہر صدق و صفا از اہبات

رموز بخودی صفا

ماں! بے مثل و بے نظیر، بے بدل و بے عدیل، 'ایشاء و خلوص'، مہر و وفا کی انتہائی بلند یوں کا نام ہے۔ ماں ایک نعمتِ خدا داد ہے۔ ماں کا وجود اولاد کے لئے کیف، سرور، قرار، پیار، رحم، کرم، تسکین اور راحت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچے کی تعلیم و تربیت کا آغاز ماں کی آغوش سے ہوتا ہے۔ اسی لئے حکماء کا قول ہے کہ بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ جتنی اعلیٰ صلاحیتوں کی ماں ہوگی۔ اتنی ہی اعلیٰ پیمانے پر بچوں کی نگہداشت کر سکے گی ایک فلاسفر کا قول ہے کہ عورت سے دنیا کی تمام تر رعنائیاں، سارا حسن و جمال، کلمہ لطافت و دلکشی اور سب کی سب خوبصورتی چھین لی جائے اور اس کے ساتھ صرف "لفظِ ماں" کا وجود ہی رہ جائے تو بھی دنیا کے حسن و جمال اور رعنائی و دلکشی میں ذرہ برابر فرق نہ لگے گا۔

بچے کی پوری زندگی کی عمارت کا انحصار ماں کی اعلیٰ سیرت و کردار کا مہر و منت ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بچے کی ابتدائی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ یہی وہ پہلی درس گاہ جہاں اس نرم و نازک شلخ کو ماں نہایت لطیف اور نفیس انداز میں صیغہ رکھ سکتی ہے۔ یہی وہ درس گاہ ہے جہاں سے بچہ صحیح یا غلط راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ لہذا ایک مسلم خاتون کو چاہئے کہ وہ سیرت و کردار جنابِ سیدہ کو ملحوظِ خاطر رکھے اور پھر اسلام کے عظیم ہیرو، سیدنا امام حسن و سیدنا سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ایسی برگزیدہ ہستیاں کی زندگی سے بچے کی روح کو جلا بخشنے تو یقیناً وہ اسوۃ النساء العالمین پر گامزن ہے اور ایسی ہی ادا العزم ماؤں کو تاریخِ حق و صداقت اور پوری انسانیت بلا امتیاز مذہب سلام پیش کرتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی رومیں آج کی مسلمان خاتون بھی چلی جا رہی ہے۔ اور عقل کے اندھے اسے آزادی نسواں سے تعبیر کے جا رہے ہیں۔ بقول ڈاکٹر عسکری بن احمد

لَوْ كَانَ لَطَعَنَ الشَّعِيرَ بِالْيَدِ وَلَقَا الْقَوَانَ بِاللِّسَانِ وَتَفْسِيرًا بِالْقَلْبِ وَتَحَوَّلَ الْمَهْدُ بِالْوَجْهِ وَتَبَكَّى

بِالْبُعَيْنِ (تنبیہ الغافلین اور درۃ الناصحین)

آزادی نسوانِ نائیبِ حسنہ کے آخری منزلہ میں آکر عریان ہو جاتی ہے۔ بے پردگی سے بھی لگے بڑھ جاتی ہے، پردہ گیا، دوپٹہ نکل پڑا، چوڑے کٹھے، بالکل کھلے، نیم عریانی سے نہیں اور آگے، تمیصے اور پر سے نیچے نیچے سے اور پر کو سرکٹے چلے جاتی ہے۔ حصّہ کہ ستر کے سارے تقاضوں کو خیر باد کہہ کر عریانیّت (NUDISM) پر آکر دم لیتے ہیں۔ اللہ ایسے آزادی سے محفوظ فرمائے۔

تاجینے شاخ تو بار آور د

موسم پیشیں بہ گلزار آورد

روز بخودی صد۱۸

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ کبھی اے مسلمان خاتون یہ بھی سوچا ہے کہ تیرا مقام کیا ہے۔ اگر تو اپنے صحیح مقام سے باخبر ہو تو یقیناً تیری گود سے اسلام کو وہ فرزند انِ توحید میسر آسکتے ہیں۔ جن کی اس دورِ ناگفتہ بہ کو اشد ضرورت ہے۔ اور ایسے فرزند انِ توحید، سرفروشانِ اسلام تیرے دم قدم سے تب ہی تو میسر آسکتے ہیں کہ جب تو اپنے کردار و عمل کو اسوۂ جنابِ فاطمہ الزہرا کے تابع کر لے گی۔ بہت اسلامیہ کو تجھ سے حسنین شریفین کے غلام درکار ہیں جو حق و باطل میں تمیز کر سکیں اور بہ وقت میدانِ جہاد میں سرکفِ نظرائیں اور شانِ یہ ہو کہ حق کی خاطر باطل کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے سرکارِ سید الشہداء امام حسین کی طرح جامِ شہادت نوش کریں اور یہی وہ گرانقدر اعزاز ہے جو ایک مسلمان خاتون کے لئے طرہ امتیاز رہا ہے اور رہے گا۔

گریہ ہائے اوز بالیں بے نیاز

گوہر افشانڈے بد اماں نماز

روز بخودی صد۱۸

جہاں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان پر ہمہ وقت تلاوتِ کلامِ پاک جاری رہتی تھی وہاں آپ نے فرضِ نماز کے علاوہ کثرت سے نوافل بھی ادا کرتی تھیں اور عبادتِ کا یہ عالم تھا کہ پوری پوری رات رکوع و سجود، قیام و قعود میں گزر جاتی تھی۔ جب آپ مصلّی عبادت پر کھڑی ہوتیں تو جسمِ اطہر مثلِ بید لوز رہا ہوتا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ جاتی تھی۔ اس ضمن میں درج ذیل روایات کتب میں ملتی ہیں۔

اے اگر آزادی نسوان کا یہ تصور ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے تو پھر بے غیرتی اور بے حیائی کس کو کہتے

ہیں۔ (ع)

حسن بھری کہتے ہیں کہ اُمّتِ محمدیہ، مِلّتِ اسلامیہ میں فاطمہ سے زیادہ کسی نے عبادت نہیں کی، راتوں کو نماز میں اتنا کھڑی رہتی تھیں کہ پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔

صاحبِ علل الشرائع نے بھی جنابِ بتولؑ عذرا کی عبادت گزاری کو سرکارِ امام حسن علیہ السلام کے قول سے یوں نقل کیا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ معظمہ جناب فاطمہؑ کو شام سے صبح تک خدا کے حضور میں گمیری و زاری کرتے اور اس کے بعد نہایت عجز و انکساری کے ساتھ خدا کے حضور دعا مانگتے دیکھتا ہے۔

اشکِ اُوبرِ چیدہ جبریلِ اُز زمیں؛

ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریںؑ

روزِ بخجندی ۱۲۸

جناب فاطمہ الزہراؑ قائم اللیل عقیق جیسا کہ علامہ صاحب نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے اور امام حسن علیہ السلام کا زمانہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مخدومہ کونین، مخدومہ طہارت و عصمت کی عبادت و ریاضت پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اشکِ لمٹے تابدار جو لُصْفَةُ الرَّسُولِ کی آنکھوں سے ٹپکتے تھے وہ روح الامیں (جبریل) شیشے جب بھر کر سرِ عرشِ بریں لے جاتے تھے اور پھر انہیں عرشِ پر شبنم کی صورت برساتے تھے، یہ شعر بھی مسلم خواتین کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ فاطمہؑ ایسی برگزیدہ سہی، اس بارگاہِ احدیت و صمدیت میں یوں گریہ کناں رہتی ہو تو وہ (اللہ تعالیٰ) بزرگ و برتر، ارفع و اعلیٰ ہو گا۔

رشتہ آئینِ حق زنجیرِ پاست

پاسِ فُتُوحِ جنابِ مصطفیٰؐ

وَرَنہ گردِ رُتَبِشِ گرویدے

سجدہِ مابِرخاکِ اُوپا شمیم

روزِ بخجندی ۱۲۸

علامہ مرحوم فرماتے ہیں، 'اگر میرے پاؤں میں شعلہ لعلیت محمدیہ کی زنجیر نہ ہوتی اور قانونِ الہی مانع نہ ہوتا تو اسے بضعۃ الرسول، محمد و مہ کوئین، مادرِ حسنین شریفین میں تیری قبرِ اطہر کا طواف سر کے بل کرتا، مگر کیا کروں؟ ایک طرف تو معصومہ کوئین تیری عظمت و بزرگی کا جنون سر پر سوار ہے اور دوسری طرف فرمانِ رسالت مآب کا پاس بھی رکھنا فردی ہے وگرنہ میں تو بارگہ عصمت و طہارت کی خاک پر سجدہ نیاز بجالاتا، لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا یہ فعل تعلیم احمد مختار، سید الابرار محمد مصطفیٰ کے منافی نہ چلا جائے۔

بہرِ محتاب جہشِ آن گونہ سوخت

بایہودے چادرِ خود را فروخت !
روز بخودی ۱۴۸

علامہ مرحوم، اس شعر میں ایک اہم واقعہ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ آلِ محمد کی جود و سخاوت تاریخ اسلام کا اہم ترین و زرتیں باب ہے۔ حضرت فاطمہؑ کی محتاج فرازی اور سخاوت کا ایک اہم واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم قبیلے سے ایک اعرابی سرکارِ رسالت مآب کے حضور حاضر ہوا۔ اور گستاخانہ لہجے میں ہمکلام ہوا۔ لیکن آنحضرتؐ کا عفو و درگزر اور حسنِ اخلاق دیکھ کر اعرابی نے آنکھیں نیچی کر لیں اور صدقِ دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ توحید و رسالت کے اقرار کر لینے کے بعد اس اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں انتہائی مفلس و قلاش نادار اور محتاج ہوں۔ میرے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بچے بھوک سے ہلک رہے ہیں۔ آنحضرتؐ سرورِ کونینؑ مجید الحسن و الحسینؑ کا یہ سننا تھا کہ آپؐ نے سلیمان فارسیؑ کو نزدیک بلایا۔ اور کہا کہ جاؤ اس سائل کو ہماری بیٹی فاطمہؑ کے دروازے پر لے جاؤ۔ سلیمان فارسیؑ آگے آگے اور وہ اعرابی پیچھے پیچھے ہوا۔ دروازے پر پہنچ کر سلیمان فارسیؑ نے دستک دی۔ پھر دے کی اوٹ سے فاطمہؑ نے آمد کا سبب دریافت کیا، جناب سلیمان فارسیؑ نے تمام واقعہ من و عن بیان کر دیا۔ جناب فاطمہؑ جلدی سے اندر دوڑیں اور گھر میں صرف ایک برڈا ہی نظر پڑی۔ وہی لاکر جناب سلیمان فارسیؑ کے سپرد کی اور کہا کہ جاؤ اسے شمعون یہودی کے ہاں دے کر۔ اس سے اس اعرابی کو غلہ اور دیگر ضروریات زندگی لے دو۔ جناب سلیمان فارسیؑ نے ایسا ہی کیا۔ سلطان مرزا دہلوی اپنی کتاب 'تسیرت فاطمہ' کے صفحہ ۱۳۵ پر یوں رقم طراز ہیں۔ جناب فاطمہؑ نے اپنی برڈا زید یہودی کے پاس گھر دی رکھ دی اور اس سے کچھ جو تر ضیٰ لیے۔ جب زید یہودی اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا

گھر نور سے بھرا ہوا پایا۔ اپنی بیوی سے پوچھا یہ نور کیسا ہے، جواب ملا کہ ہمارے گھر میں حضرت فاطمہ کی چادر ہے۔ پس وہ اس عورت اور اس کی عورت اور اس کے ہمسائے سے کل انہی آدمی فوراً ایمان لے آئے۔

ذرا محمد و آل محمد کے کردار کو دیکھو کہ کس عمدگی سے بغیر کسی شکر کشی کے کس طرح پیغام توحید دل و دماغ میں منتقل کرتے رہے۔ اس واقعہ میں رسالت مآب کے عفو و درگزر اور بتول عذرا کی سائل نوازی، محتاج پروری، رقیق القلبی اور سخاوت کی اعلیٰ مثال موجود ہے۔ علامہ مرحوم کا مندرجہ بالا شعر اسی اہم واقعہ سے مشتق ہے۔ حضرت فاطمہ کی سخاوت کا ایک اور مشہور واقعہ بھی کتب تاریخ و سیر میں ملتا ہے کہ جب کلام اللہ کی یہ آیت آئی کہ تَنَاقُوتُ حَتَّى تَنْفَقُوا إِنَّمَا يُعَيِّتُونَ ۖ (یعنی تم ہر گرجھلاؤ کہ نہیں پہنچو گے جب تک کہ خدا کی راہ میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو)۔

یہ آیت اتری تو محمدؐ عربی کی بیٹی جناب فاطمہؑ نے اگلی صبح دروازے پر سائل کی صدا سن کر اپنے ہمیز کی سب سے اعلیٰ قمیض حاجتمند کو دے دی اور کلام اللہ کی آیت کا عملی ثبوت دے کر بنت رسولؐ نے سخاوت کا مقام مزید بلند کر دیا۔ دنیا میں کوئی ایسی اور مثالی عورت پیش کر سکتے ہو۔ جو اپنے ہمیز کی سب سے قیمتی اور اعلیٰ قسم کی چیز اللہ کی راہ میں دے دے، نہیں، یہ اعزاز صرف اور صرف جناب فاطمہؑ سلام اللہ ہی کو حاصل ہوا ہے۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلم بوزر و دلق اولیں و چادر نہرا

بال جبریل ص ۲۸

اس میں کلام نہیں، تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے۔ یہی شیخ حرم جو اپنی عزت اور وقار کے بلند بانگ دعوے کرتا ہے، اسی نامراد نے دین کا لبادہ اوڑھ کر رہبری کے روپ میں رہزنی کی ہے۔ اسی نے اپنا گھر بھرنے اور شکم پر دیا

۱۔ ابو ذرؓ حضرت رسول اکرمؐ کے بزرگے محابہ گزرے ہیں۔

۲۔ ادیسے جنہیں ادیسے قرن کہا جاتا ہے، آپ کا شمار تصوف کے عظیم مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ سرکار رسالت مآب کے زمانے میں تھے۔ مگر زیارتے ذکر کے چونکہ غلبہ حالے اور والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر باشی متبرہا رہے۔ سرکار رسالت مآب نے اسے مروتی ادیسے قرن کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ میرے امت کے قیامت کے روز ربیعہ اور مفرک بھڑیوں کے تعداد کے برابر لوگوں کے شفاعت کرنے کا۔ حضرت ادیسے قرن پر مشقت رسالت مآب کا اس قدر اثر تھا کہ جب آپ کو یہ پتہ چلا کہ آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہو گئے ہیں تو آپ نے اپنے سارے دانت توڑ دیئے۔ آپ نے سرکار امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کے طرف سے لڑتے ہوئے جنگے معین میں جام شہادت نوش کیا۔ (عمرانی)۔

کی خاطر اپنے فہم تک کو دائر پر لگا دیا۔ اسی شیخ حرم نے مقدس ترین اقدارِ اسلامیہ کو پامال کیا۔ اسی نے مذہب کی آڑ لے کر نہایت دیدہ دلیری سے حضرت ابوذرؓ ایسی شخصیت کی کلمی اوئیں قرنی کی گود ڈھی اور جنابِ فاطمہ الزہراءؑ کے چادر تک بیچ ڈالی ہے۔ علامہ موصوف بتانا یہ چاہتے ہیں کہ کم ظرف، بے ضمیر، ننگ، آدمیت اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ شیخ حرم ہی قرار پاتا ہے جس نے ابوذرؓ کا فقر و فاقہ، اوئیں قرنی کی درویشی و دور اندیشی کا کھلے بندوں مذاق اڑایا ہے اور مخدرہ طہارت و عصمت کے سر کی چادر تک کا خیال نہیں کیا۔ اور پھر وہی شیخ حرم کا شیخ حرم، دینے و مذہب کا ٹھیکیدار بنا بیٹھا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے ٹھیکیدارانِ دین و مذہب کے چہروں سے نقاب اتار پھینکیں اور اس ذاتِ شریف (شیخ حرم) کا سختی سے ہر دور میں محاسبہ کرتے رہیں تو یقیناً اسلام کی یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی اور یہی وہ جہاد ہے جس کا پیغام علامہ موصوف ہمیں دے گئے ہیں۔

اگر نپے زور ویشے پذیرے

ہزار اُمّت بمید تو نہ میری !!

بتوئے باش و پنہاں شوازیںِ عصر

کہ در آغوشِ شبیرے بگیری !!

ادھانِ حجاز ص ۱۳۲

علامہ صاحب اس شعر میں بھی دخترانِ ملتِ اسلامیہ سے مخاطب ہیں اور انہیں بحیثیت ایک ناصح کے نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر تم محمد عربیؐ کا کلمہ پڑھتی ہو تو پھر نبی اکرمؐ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلو اور اپنے لئے دخترِ رسالت مآبؑ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھو۔ یہی وہ عیكہ مملکتِ عصمت و طہارت، شہزادیِ عفت و عظمت، طیبہ و طاہرہ، نیرہ، منورہ، عابدہ، ساجدہ، زاہدہ، سیدہ معصومہ و مخدومہ کونین ہیں جن کی گود سے حق و حقیق ایسے ریحانیاتِ رسولؐ میسر آئے۔ ہاں! تیری گود سے بھی غلامانِ شبیر و شبیرِ اسلام کو مل سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تو شرم و حیا کا پس کر بن جائے اور زلمنے کی ناپاک نظروں سے پوشیدہ ہو جائے، تہذیبِ جدید سے دامن کشاں رہ، شمعِ محفل نہ بن، چراغِ خاندان ہو جا۔ دیکھ تیرے لئے بضعتہ الرسولؐ جنابِ بتولؑ کی مقدس سیرت مشعلِ راہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ کشتِ تسلیم و رضا کا حاصل کردار جنابِ سیدۃ النساء العالمین ہی ہے

مَنَاشِیدِ اسْتِشْ بِکَارِ وِکِی
پُشتِ پازِ دُورِ سِرِ تاجِ وِکِی

علامہ اقبال

اس کے شمع شبستان خرم

حافظ جمعیت خیر الاکرم

رموزہ مخدوم

اگر شہر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اس شعر کو نہایت محتاط فکر کے ساتھ تواریخ عالم کی روشنی میں تعصب کے اندھی عینک اتار کر امعانِ نظر سے پڑھا جائے اور عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ قائمینِ اقوام و ملل کی زندگیوں کا یہ طرفہ امتیاز رہا ہے کہ وہ جنگ و جدال سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ یہی چیز تمام تاجدارانِ سلطنتِ الہیہ کا نصب العین نظر آتی ہے۔ آدم سے لے کر خاتم تک سب کے سب امن و سلامتی اور صلح جوئی کی تعلیم دیتے رہے۔ لفظ اسلام اپنے صوری و معنوی اعتبار سے امن و سلامتی، صلح جوئی اور خیر سے عبارت ہے۔ اسلام جذبہ خیر گامی اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرتا ہے۔ اسی میں فلاح انسانی کا راز اور خیر الہی نعمت بے بہا پوشیدہ ہے۔ ارشادِ خالقِ کائنات ہے "وَالصَّلَاحُ خَيْرٌ" صلح میں خیر ہے۔ جس کو قدرت خیر قرار دے وہ خیر محض ہے۔ لہذا صلح کے فی نفسہ خیر ہونے میں گنجائش کلام نہیں۔

خالقِ کائنات کے اس واضح ارشاد کا سب سے پہلے عملی ثبوت سرور کائنات، فیصلہ و موجودات، لائقِ صلوات محمد عربی نے کفارِ قریش سے حدیبیہ کے مقام پر باقاعدہ شرائط کے ساتھ صلح کر کے پیش کر دیا جسکو تواریخ اسلام میں آج تک صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں سرکارِ رسالت مآب کے اسی مستحسن فعل کو اپناتے ہوئے حضرت امام حسن نے معادیہ کے ساتھ صلح کی۔ تواریخ اسلام کے قاری سے یہ بات مخفی نہیں کہ اقدامِ صلح حسن سے پہلے مسلمانوں کے کان لفظ "صلح" سے عہد رسالت میں آشنا ہو چکے تھے۔ تو پھر اقدامِ صلح

۱ القرآن حکیم

۲ صلح حدیبیہ شدہ میں عمل میں آئے۔ حدیبیہ ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل پہلے واقع ہے۔

مُن شاق کیوں گزرا اور بارِ سماعت کیوں ٹھہرا۔ جبکہ اقدامِ صلحِ حسن کوئی نیا قدم نہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ عمل تھا اور عامل بدلا ہوا تھا۔ مگر صاحب !

محلِ فکر ہے اب تک سوالِ صلحِ حسنؓ

آنفر کھنڈی

نظر نہیں ہے ہم گیری مدعا کی طرف

لیکن! یہ تاریخ ہے، خود کو دہراتی ہے۔ اگر آج کسی حقیقت نا آشنا، عقل کے اندھے کو اقدامِ صلحِ حسنؓ پر اعتراض ہے تو ہوا کسے، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ شک کرنے والوں نے تو صلحِ حدیبیہ کو بھی مشکوک نظر سے دیکھا تھا، اور نعوذ باللہ محمدؐ عربی کے اس فعل کو جن کا ایمان کمزور اور متزلزل تھا، وہ وہاں متعلق عن الہدی کے مصداقِ نبی پاک کی کمزوری سے تعبیر کرتے رہے۔ حالانکہ اگر کسی مقام پر رسولؐ نے لنگر پھینکے ہیں تو خالقِ کائنات نے اپنے جیب کے اس فعل کو اپنا فعل قرار دیتے ہوئے، ارشاد فرمایا ہے :-

وَمَا دُمِيتَ إِذْ دُمِيتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ دَعَمَنِي ۖ

ترجمہ: اور نہیں پھینکی تو نے جو کہ پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اس واضح ارشادِ خداوندی سے صاف ظاہر ہے کہ فعلِ رسولؐ، نابین رسولؐ کے لئے قطعی حجت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں اقدامِ صلحِ حسنؓ پر اعتراض، فعلِ رسولؐ سے کھتم کھلا بغاوت کے مترادف ہے اور ان روئے قرآنِ فرمانِ الہی سے سراسر انحراف تصور کیا جائے گا۔ خدا را اقدامِ صلحِ حسنؓ کو آئینِ الہی اور رسولِ اکرمؐ کے اس فرمان کی روشنی میں پڑھیں اور پرکھیں، حضورؐ فرماتے ہیں۔ میرا یہ بیٹا (حسنؓ) سید ہے۔ خدا اس کے توسط سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ مگر افسوس کہ مورخین اس سلسلہ میں ہمیشہ تعصب، بغض اور عناد سے کام لیتے رہے اور جس نے حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا، اسے بقولِ اقبال مرحوم کہنا پڑا

۱۔ سورۃ الفل

۲۔ بخاری شریف میں حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ "إِنَّ الْبَيْتَ هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَصْلِحَ بَيْنَ فِتْنَيْنِ عَظِيمَيْنِ مِنَ الْمُشْلِمِينَ" (کتاب الصلح)

اس کے شمع شبستانِ حرم حافظِ جمعیت خیرئہ اسلام

اور یہ حقیقت ہے کہ امام حسنؑ کے اقدام صلح نے ایک خونخوار تصادم سے کلمہ گویانِ محمدؐ، امتِ محمدیہ کو نہایت عمدگی سے محفوظ کر لیا۔ اور قرآنِ پاک کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ علامہ مرحوم نے انہی تاریخی حقائق کی طرف ہماری توجہ منقطع کرنے کی سعی کی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ

منحصرِ حسنؑ میں تھا مفادِ اسلام

یہ تمام تراجماتِ شمع شبستانِ حرم، سرکارِ امام حسنؑ نے محض خوشنودیِ خدا، تاسی رسالتِ مآب اور اسلام کی شیرازہ بندی کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے کئے تھے۔ اسی ضمن میں آنریبل جسٹس سر امیر علی صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب میں یوں رقم طراز ہیں :-

حضرت علیؑ کا یہ ہمیشہ نصب العین رہا کہ بلاوجہ جنگ و جدال اور خون ریزی نہ ہو اور جب بھی بعدِ رسولؐ آپؐ نے تلوار اٹھائی تو وہ بحالتِ مجبور کے دفاع کے لئے تھی۔ امام حسنؑ نے مسلمانوں کا دنیا کی طرف میلان دیکھا تو پہلے افہام و تفہیم کا دروازہ کھولا، آپؐ کے حقوق بتائے۔ اور اپنے اطاعت کے طرف دعوت دی۔ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ تو آپؐ نے صلح فرمائی۔

افسوس سرکارِ امام حسنؑ کی اس خاموشی کو کمزوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر

یہ کہیں پر جنگ خاموشی جوابِ جنگ ہوتی ہے

تاریخ اسلام کے قاری سے یہ بات غنی نہیں کہ امام حسنؑ، پروردہ کناہِ بتولؑ، سوارِ دوشِ رسولؐ، جمالِ و کمالِ اور سیرت و کردار میں اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ کی بولتی تصویر تھے۔ خلقِ درودت، صلح جوئی آپؐ

کو درخت میں ملی تھی تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی موجودگی میں موت کی دیوی، خونیں چادر اوڑھ کر مدینے کے گلی کوچوں میں رقص کرتی۔ اسی مفہوم کو تو علامہ مرحوم نے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے:-

تانشیند آتش پیکار دکیں

اسرار و روز قضا

پشت پازد بر سر تاج و نگین

ہزار ہا سلام اس پیغمبر امن و سلامتی پر اور درود لائے دود اس شہزادہ گلوں قباصن مجتبیٰؑ پر کہ جس نے اپنے پدر بزرگوار حیدر کرار کی طرح حکومت کو پنگس کے برابر بھی وقعت نہ دی۔ بلکہ تاج و تخت شاہی کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جنگ و جدال کی آگ سے مسلمانوں کو محفوظ کر دیا۔ تاریخ اسلام کے حصہ اول ص ۳۸ پر امام حسن کا یہ فرمان بھی ملتا ہے۔

”اے لوگو! یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے مابینے تقاضہ فیہ ہے۔ یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں۔ دونوں صورتوں میں میں 'میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے اصلاح اور تم لوگوں کے خوف دیزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔“

اسی مقام پر پہنچ کر علامہ نجم آندلی کا یہ شعر یاد آتا ہے:-

تو نے اس تخت حکومت کو لگادی ٹھوکر!

خونِ انساں ہی سدا جس کی بلندی سے گرا بزم آندلی

لیکن کیا کہنا تسلیم امامت کے دوسرے تاجدار، دلبند حیدر کرار تیری حکمت و دانائی کے کہ تو نے مقام صلح میں وہ کریمبی کی ہے۔ جہاں آپ کی خاموشی میں رازِ الہی مضمحل تھا وہیں یہ ایک انقلابِ عظیم کی تمہید بھی تھا۔ یہی خاموشی آگے چل کر آوازِ حسین بنی۔ ہاں!

تھا سکوت عہدِ شبر و جبہ آوازِ حسین

یہ خاموشی بھی فردوسی تھی صدا کے واسطے

اور پھر آپ نے دیکھا کہ سلسلہ کو حق کی خاموشی کربلا میں کیسے آوازِ حسین بن کر ابھری۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَقَدْ يَتَابِدُنِ بِحَسْبِ عَظَمَةٍ
الْقَدْرُ الْحَكِيمُ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایتِ اس کی حسینِ ابتداءِ اسماعیل

عَلَّامُ الْغُيُوبِ

ہر کہ پیمان باھو الموجد بُست

اسرار در موزم ۱۲۵

گردنش از بند ہر معبود رست

وہ کہ جس نے خالق کائنات سے عہد و پیمان باندھا اور اسے حاضر و ناظر جانا اسی کی گردن غیر از خدا کی گرفت سے نجات پاگئی۔ اس میں کلام نہیں کہ اقرار توحید کے بعد انسان کا تعلق غیر اللہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی رضا، رضائے الہی کی پابند ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر وقت حصول مشائے ایزدی کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است

اسرار در موزم ۱۲۵

عشق را نام ممکن مامیکن است

اقبال کے ہاں عقل، عشق، خودی، فقر اور بندۂ مومن (مرد مومن) وہ عنوانات ہیں جن کے گرد علامہ کا فلسفہ و فکر گردش کرتا ہے۔ یہی وہ موضوعات ہیں جن کی وجہ سے ان کا کلام، پیام اور نام زندہ و پائندہ ہے اور رہے گا۔ علامہ صاحب نے اس شعر میں وجود مومن کی بقا کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک عشق حقیقی مرد مومن کی بقا کا ضامن ہے۔ اور عشق کو دوام و قیام بندہ مومن سے ہے۔ یعنی عشق اور مومن، لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لئے مصرعہ ثانی میں فرماتے ہیں کہ عشق میں نہ ممکن بھی ممکن ہو جایا کرتا ہے۔ مگر شرط مومنینت اولیٰ ہے۔ کافر اور مومن کی پہچان علامہ صاحب کے اس شعر سے بخوبی کی جا سکتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اسمیں ہیں سے آفاق

حقیقت یہی ہے کہ کافر دنیا میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس مومن کی شان بقول علامہ مرحوم یہ ہے کہ وہ دنیا میں گم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ وہ گہرا سمندر ہے کہ دنیائے دوں اس میں گم ہو جاتی ہے۔

عشق صید از زور بازو افگند

اسرار در موزم ۱۲۵

عقل مکار است دوائے می بند

یہ عزت تو خدائے بزرگ و برتر نے صرف عشق کو ہی بخشی ہے۔ کہ وہ اپنے قوت بازو سے شکار گراں ہے۔

عقل سفاک اسٹ اڈ سفاک تر

اسرار در موز ۱۲۵

پاک تر چالاک تر، میناک تر

عقل ظالم ہے، خون بہانے والی ہے اور وہ (عشق) اس سے کہیں بڑھ کر، مگر وہ سفاکی کے میدان میں زیادہ پاک صاف، زیادہ ہشیار اور بہت ہنڈر ہے۔ اسی لئے تو!

بے خطر گو دپڑ آتش بن فرد میں عشق

عقل تھی محو مت شائے لب بام ابھی !!!

دیکھا آپ نے عشق کی پھرتی اور بے خونی کو کہ عقل سوچتی ہی رہ گئی اور عشق ایک ہی جہت میں تمام کٹھن مراحل طے کر گیا،

آن گند تعمیر تا دیراں گند

اسرار در موز ص ۱۲۶

ایں گند دیراں کہ آباد اس گند

وہ (عقل) جو کچھ بھی تعمیر کرتی ہے وہ نقش بے ثبات ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر میں تباہی و بربادی کا عنصر ہوتا ہے۔ اور یہ (عشق) جو دیراں کرنا جانتا ہے اس کی دیرانی کے پردے میں لازوال بستیاں جنم لیتی ہیں۔ اس کی ایک مثال واقعہ کربلا سے پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ یزید نے جو عقل کا غلام تھا، عشق کے امام، حسین علیہ السلام سے بے بس پکار ہوا۔

نتیجہ صاف ظاہر ضرورت کیا حوالہ کی

حسینؑ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے، ظاہری فتح یزید کو ہوئی مگر بقائے دوام حسین علیہ السلام کے حصہ میں آئی آپ لائق درود و سلام ٹھہرے۔ یزید تو یزید، یزید کا نام تک داخل دشنام ہو گیا۔ اور دنیائے بچشم خود دیکھ لیا کہ یزید صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا اور حسینؑ علیہ السلام آج بھی زندہ ہے، پائندہ ہے۔ اور رہے گا۔ یزید کی تعمیر میں ہی خرابی مضمحل تھی اور حسینؑ کو آج بھی امام عاشقاں مانا جاتا ہے۔

عقل چوں باد اسٹ آرزواں در جہاں

اسرار در موز ص ۱۲۷

عشق کیا بٹ دہائے اُدگرائے

عقل ہوا کی طرح عام ہے اور ارزاں بھی، مگر عشق نہ تو ہوا کی طرح عام ہے اور نہ قیمتاً خرید کا جاسکتا ہے۔ یہ جتنا کیاب ہے اتنا ہی گراں بہا بھی ہے۔

عقل محکم از اساسِ چوڑے و چند

اسرار و رموز ص ۱۲۶

عشق عریاں از لباسِ چون و چند

عقل چون و چند کی بنیاد سے مضبوط و مستحکم ہے۔ اور عشق چون و چند کے لباس عریاں دکھائی دیتا ہے۔ اسے چل و چند کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اقبال کے اسی فکری فلسفہ کو ان کے پیش رو مرزا اسد اللہ خاں غالب نے کہیں یوں بیان کیا ہے۔

شوق ہر رنگ میں رقیبِ سر و سامانِ نکلا

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا ! غالب

یہاں شوق بمعنی عشق استعمال ہوا ہے۔ قیس عامری، چونکہ رہ رو منزلِ مشق تھا۔ اس لئے بے نیازِ سر و سامانِ را۔ عشق ہر شے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اور مستِ الت رہتا ہے۔ یاد رہے قیس کا عشق بھجازی تھا مگر اقبال جس عشق کی بات چھیڑتا ہے وہ عشقِ حقیقی ہے۔

عقل مے گوید کہ خود را پیشِ گری

اسرار و رموز ص ۱۲۷

عشق گوید امتحانِ خویشِ گن

عقل کہتی ہے کہ خود کو پیش کر ! مگر عشق کہتا ہے کہ اپنا امتحان کر۔

عقل گوید 'شاد شو' آباد شو

اسرار و رموز ص ۱۲۷

عشق گوید بندہ آزاد شو

عقل انسان کو خوش و غرم اور شاد و آباد رہنے کا مشورہ دیتی ہے لیکن عشق انسان کو انسان بننے اور آزاد رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

عشق را آرامِ جانِ حریتِ است

اسرار و رموز ص ۱۲۷

ناوِ آتشِ راساربانِ حریتِ است

عشق کے لئے وجہ سکون و آرام اگر کوئی چیز ہے تو وہ حریت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ناقہ کا ساربان بھی
سندیت ہے۔

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقل ہوس پر درجہ کرد

اسرار در موز ص ۱۲۶

کیا وہ بھی تو نے سنا کہ لڑائی کے وقت عشق نے ہوس پر در عقل کے ساتھ کیا کچھ کیا۔ آؤ تمہیں سنائیں!

آں امام عاشقاں پور بتولے

سروے آزادے زبستان رسول

اسرار در موز ص ۱۲۶

علامہ صاحب نے عقل و عشق کی گتھیاں سلجھانے کے بعد نہایت اچھے رخ سے گریز کرتے ہوئے اس شعر
سے سرکارِ سید الشہداء امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی مدح و ثنا کا سلسلہ شروع کیا ہے۔
وہ (حسینؑ) جو سرگروہ عاشقانِ حق کے امامِ برحق ہیں وہی جو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند و علی المرتضیٰ
کے جگر بند ہیں۔ ہاں! ہاں! وہی جو سرکارِ ختمی مرتبت حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن کے آزاد سرو ہیں دگر یارِ یحییٰ
جانِ مصطفیٰ ہیں۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

بال جبریل ص ۹۳

حقیقت یہ ہے کہ شعرا اپنے صوری و معنوی اعتبار سے عام فہم ہے۔ اور زبان و بیان کے لحاظ سے
نہایت سیدھا، سادہ اور سلیس ہے۔ لیکن اگر اس کے پس منظر میں نہایت عمیق نظر سے جھانکا جائے پھر عقل کی
کسوٹی اور فکر کی اساس پر، پرکھا جائے تو بلا شک و شبہ بیت اللہ کی کہانی یعنی "داستانِ حرم" نہایت ہی
عجیب دکھائی دیتی ہے۔ مگر اپنی سادگی کے باوجود رنگین اور جاذبیت کے اعتبار سے آخری نقطہ عروج پر نظر
آتی ہے۔ دلچسپی کا یہ عالم کہ صد ہا سال گزرنے کے باوجود آج بھی لوگ بڑے انہماک کے ساتھ خوابِ براہیمؑ، قربانی
اسماعیلؑ اور اس کی تعبیر شہادت سرکارِ سید الشہداء کا ذکر سنتے ہیں۔

علامہ صاحب نے اس شعر میں تاریخ کے ایک اہم باب کو جو مسلسل و منظم ہے نظم کیا ہے۔ جس کی ابتدا خوابِ
ابراہیمؑ، قربانی اسماعیلؑ سے ہے۔ اور اس داستان کی انتہا منظرِ کربلا، سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر آگے

کر ختم ہے۔ قرآن پاک میں اس کی تفصیل سورہ صُفَّت میں یوں بیان کی گئی ہے۔

قَالَ يَبْنَئِي اِنِّي اَرْنِي فِي الْمَنَامِ اِنِّي اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرَى ۖ قَالَ يَا بُتِ اَفْعَلَ مَا تَوْمَرُ سَتَجِدُنِي
اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

ترجمہ: براہِ راست میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں خود داغ پیچ
تہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو تم بھی فکر کرو تمہاری کیا رائے ہے۔
اسماعیلؑ نے کہا: میرے باا جو آپ کو حکم دے گا اس کو بے تاقل کر
گوریے اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیے
گا۔

مولانا فران علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ اس کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں :-
انبیاء کو خدائی احکام چند طرح سے پہنچتے ہیں۔ کبھی الہام سے، کبھی آوازِ غیبی سے
کبھی خواب سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم خواب ہی
میں ہوا تھا۔ اور اسماعیلؑ کا بہن اس وقت تیرہ برس کا تھا۔ چونکہ نبی پیدائش سے بچا
نبی ہوتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ نے کچھ لیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں خدائی پیغام پہنچا ہے۔
اسی لئے باپ کو فرمایا۔ یا بُتِ اَفْعَلَ مَا تَوْمَرُ اور پھر قربانی کے وقت بھی پیغمبرانہ صبر و
استقلال دکھلایا۔

اسی مقام پر پہنچ کر قوتِ عمرِ مشرق نے کیا خوب کہا
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
رکھنے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندِ نبی

علامہ یہاں چوک گئے۔ نہ یہ فیضانِ نظر تھا اور نہ مکتب کی کرامت تھی بلکہ یہ تو نبی بیٹے اور نبی باپ کی پیغمبرانہ
فراست و حکمت تھی۔

جس داستان کی ابتداء خوابِ براہیم اور قربانی اسماعیل سے ہوئی تھی، اس کی انتہا، میدانِ کربلا، دشتِ نوا میں ۶۱ ہجری کو امامِ عالی مقام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی سے پایہ تکمیل کو پہنچائی اور فرمانِ الہی کو سچ کر دکھایا۔ انہی تاریخی حقائق کی روشنی میں علامہ صاحب نے داستانِ حرم کو غریب و سادہ و رنگیں قرار دیا اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخِ اسلام کا وہ سہرا باب جس کی ابتدا جنابِ ابراہیم نے نہایت سادگی کے ساتھ قربانی اسماعیل سے کی تھی، اس کی انتہا انہی کی ذریت سے جنابِ امام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی سے پیش کر کے تاریخِ اسلام کا رنگین باب کر بلا کی خاک پر حلی حروف میں لکھ کر اسلام کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ انہی حقائق کو آگے چل کر علامہ صاحب نے ایک شعر میں ایک اور رخ سے یوں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

اللہ اللہ بائے بسم اللہ

معنی ذبحِ عظیم اُندِ پسر !!
اسرارِ رموز ص ۱۳۷

اللہ اللہ وہ کلمہ تحمیں و آفرین ہے جو مرحب، حبزا اور شایبش کے معنوں میں آتا ہے، اس کا لطف اہل زبان خوب اٹھاتے ہیں۔ اور یہ لفظ (اللہ اللہ) اس وقت اور بھی حسن و رعنائی میں بڑھ جاتا ہے جب شاعر اپنے کسی شعر کا آغاز لفظ اللہ اللہ سے کرتا ہے جیسا کہ علامہ صاحب نے اس شعر کے ابتدا میں استعمال کیا ہے۔

جناب ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب امیر المومنین، علی ابن ابی طالب ایک شب بسم اللہ کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ تمام اصحاب ہر تن گوش بابِ مدینۃ العلم کے فضل و کمال سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کہ رات بیت گئی، مگر تفسیر ناتمام رہی، آخر آپؐ نے فرمایا کہ اگر ہم اس کی تفسیر کلی طور پر بیان کریں۔ تو اس کا بوجھ ستر اونٹ نہیں اٹھا سکتے، اسی واقعے کو شیخ سلیمان قندوزی نقشبندی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب میں

”امیر المومنین فرماتے ہیں کہ جب کچھ کلام اللہ ہے وہ سورہ الحمد (فاتحہ)

میں ہے۔ اور جو کچھ سورہ الحمد (فاتحہ) میں ہے وہ بسم اللہ میں

ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ

میں ہے وہ "ب" کے اس نقطے میں ہے جو اس کے نیچے ہے۔ "آڈ" "با"
کے نیچے کا وہ نقطہ جس (علیٰ) ہوتا ہے۔

اللہ اللہ جہاں مصرعہ ادنیٰ میں علامہ صاحب نے علی ابن ابی طالب کے ارشاد کو نظم کیا ہے وہیں اس شعر کے مصرعہ ثانی میں کلام اللہ کی اس آیت کی تشریح و توضیح نہایت اجمال کے ساتھ بہت ہی خوبصورتی سے نظم کی ہے۔ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب تین بار جبریل امین نے آکر چھری کو حلق اسماعیل سے پٹ دیا تو آواز قدرت آئی۔ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہم تم دونوں (باپ بیٹے) کو اعلیٰ مراتب سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس لئے کہ ہم نکلی کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ یقیناً بڑا اکڑا امتحان تھا اور ہم نے اسماعیلؑ کی قربانی کا فدیہ ایک ذبح عظیم سے بدل ڈالا ہے۔

افسوس کہ کم نظر مفسرین نے اس واضح ارشادِ خداوندی و فدینا ہذا بذبح عظیم سے مراد وہ موٹا تازہ دنبہ لیا ہے جو بہشت سے جناب اسماعیلؑ کی جگہ آیا۔ مگر صاحب یہ انسان سے افضل نہیں چاہائیں کہ نبی و امام سے بڑھ جاتے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا کہ قربانی اسماعیلؑ سے اس بہشتی دنبے کی قربانی عظیم ہو جو جناب اسماعیلؑ کی جگہ آیا۔ تو ماننا پڑے گا کہ ذبح عظیم کے مصداق حسین علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے جو

بہر حق در خاک و خون غلغلیہ است

پس بنائے لا الہا گردید است

اسرار و رموز ۱۲

حسینؑ حق کی خاطر، اپنے عزیزوں اور مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ باطل سے ٹکرا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یزید اپنی پوری طاقت کے ساتھ شراب و کباب اور شباب کے نشہ میں چورِ حق سے برسریکا رہا۔ اس نے اسلام کے خدوخال کو مسخ کرنے کی سعی لا حاصل کی، اس نے اقدارِ اسلامیہ کو پامال کرنے کی بھی جرات کی، اس نے شریعتِ محمدیہؐ کا کھلے بندوں مذاق بھی اڑایا۔ ہمارے اس بیان پر واقعہ عسہ بطور دلیل تاریخ میں آج بھی موجود ہے۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ توحید و رسالت کے خلاف علم بغاوت

لے انا نقطہ تحت الباء

یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا انا کذا لا تجزی العسین ان هذا هو البلاء المبین و قدینہما بذبح

عظیم (سہ الضفۃ ۷۰)

بلند کرتا ہوا۔ طاقت کو حق کہتا ہے۔ اس کے برعکس جگر گوشہ رسولؐ پروردہ کنارِ قبول ہے حفاظتِ حق
آوازِ حق بلند کرتا ہے۔ اور یزید کے اس نعرہ کو باطل قرار دیتا ہے کہ طاقتِ حق ہے۔ نہیں نہیں ہرگز طاقت
حق نہیں بلکہ حق طاقت ہے۔ یہ منوانے کے لئے حسینؑ کفن بردوش سرفروش ساتھیوں کے ساتھ اٹھے۔
اور باطل سے ٹکرا گئے۔

تاریخِ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ فتح و نصرت نے حسینؑ علیہ السلام کے قدم چومے اور شکستِ دائمی
یزیدِ نخس کا مقدر بن گئی۔ اللہ اللہ حسینؑ نے خاک و خون کا دریا پاٹ کر صفحہٴ گیتی پر حرفِ الا اللہ کی وہ مستحکم
بنیاد رکھ دی کہ جسے اب تا بہ قیامت کفر و الحاد و زندقہ کی منہ زور آندھی نہ ہلا سکتی ہے اور نہ ہی مٹا سکتی ہے۔ امام
عالی مقام حسینؑ علیہ السلام نے تاریخِ اسلام کے اس اہم باب کا اختتام اپنی قربانی سے کر دیا جس کی ابتداء خوابِ ابراہیم
اور قربانی جناب اسماعیلؑ سے ہوئی تھی۔ یہی وہ باب ہے جسے اقبال نے غریب و سادہ و رنگیں قرار دیا۔ تاریخ کے تاریک
سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس غریب و سادہ CHAPTER میں یہ ہلاکی رنگینی، قربانیِ مہبطِ رسولؐ امام سے مرضِ وجود میں آئی
اسکے لئے تو شارِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال کو کہنا پڑا۔

سرخو، عشقِ غیور از خو ہے او

شوخیِ ایں مفرع از مضمون ہے او

اسرار و رمز ص ۱۲

کہ حسینؑ (نمائندہ حق) ہوائے حرمتِ حق سر دھڑکی بازی لگا کر حق کا بول بالا اور باطل کا منہ ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے کالا کر گیا۔ قسم ذاتِ احدیت کی عشقِ غیور کی آبرو کا محافظ وہی ہے۔

سردے کے جس نچنیتِ اسلام بچانی

اور آج اسلام اہلِ عالم کی نظروں میں معزز و مؤقر اسی لئے ٹھہرتا ہے کہ اس کی پیشانی پر جلجلی حروف میں یا حسینؑ
لکھا ہے۔ اور یہی وہ نام ہے جو عشق کے مضمون کا عنوان قرار پاتا ہے۔ اسی سے عشقِ غیور کو سرخ و دلی کا تاج
ملا اور انسانیت کو معراجِ نصیب ہوئی۔ یہی اقبال کے نزدیک عشق کے مضمون کی سرخیِ شوخ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر امامِ عالی مقام اس دور پر آشوب میں جب کہ باطل اپنی طاقت کے زعم میں حق کو ملبایہ
کرنے پر تڑپا ہوا تھا۔ آوازِ حق بلند نہ کرتے تو اسلام کے نقوش دھندلا کر رہ جاتے ہیں، توحید کا سبق یکسر دل
و دماغ سے محو ہو جاتا۔ اور محمد رسول اللہؐ کہنے والا کوئی نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ گلدستہٴ اذان سے اشہد لای الا اللہ الا اللہ

کی صدائے بازگشت بھی کبھی سنائی نہ دیتی۔ اس حقیقت کا نقشہ دو درحاضر کا ممتاز مرثیہ گو شاعر، شاعرِ حسینیت حضرت
قیصر بارہوی نے اپنے مخصوص انداز فکر سے یوں ان چار مصرعوں میں کھینچتا ہے۔ ملاحظہ ہو!

اے کھگہ گوشت کہ ہوا کار ساز کون
گذر رہے برھپیوں میں عبادت نواز کون
مسجد کے سامنے تجھے ماتم ہے ناگوار!
دیتے نہ مر حسین، تو پڑھتا نماز کون قیصر بارہوی

اس میں شک میں نہیں کہ اگر حسینؑ اپنی اپنے عزیزوں اور یار و انصار کی قربانیاں راہِ خدا میں نہ دیتے تو یقیناً
یہی ہوتا۔ جس کی نشاندہی شاعرِ حسینیت نے چوتھے مصرعہ میں کی ہے۔

یہ تو حسینؑ نے جہاں اپنی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ کے وعدے و فدائے بذبِ عظیمہ کی گواہی دی ہے
وہیں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس بلند بانگ دعوے العسین منی وانا من العسین کی صداقت کو الم شرح
کر دکھایا۔

اگر سرکارِ سید الشہداء راہِ خدا میں قربانیاں پیش نہ کرتے تو کیا ہوتا؟
ع اسلام کا ماتم ہو جاتا

اور پھر کفر و الحاد و زندلیقیت چٹکھڑتی دھاڑتی پھرتی اور وہ حضرت انسان جبکو حضور ختمی مرتبتؐ نے اندھیرے
سے روشنی میں چلنے کا شعور اور کھلی نفا میں سانس لینے اور جینے کی صلاحیت بخشی تھی، پھر اسی قعرِ مذلت میں جاگڑا۔
جہاں سے نکلنا اس کے بس سے باہر ہوتا۔ اور آخر کار یہی انسان کا مقصوم اس کے لئے زیرِ لٹا ہوا۔

زندہ حق از قوتِ شبیری اسٹ

باطل آخر داغِ حسرتِ میری اسٹ
اسرار در موز ۱۳۷۷

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ حق! آج زندہ و پائندہ اگر ہے تو یہ سرکارِ امام حسین علیہ السلام کی بدولت
ہی تو ہے۔ حسین حق کی طاقتِ لازوال کا نام ہے۔ جو مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ کفر و الحاد کی منہ نہ در
آندھی میں اپنے لہو سے چراغِ حریت روشن کر کے انسان کو راہِ حقیقت دکھا گئے۔ اور باطل (یزید) جو طاقت کو
حق کا نام دیتا تھا اور طاقت ہی کے زعم میں تو اس نے حق کے نمائندے (حسینؑ) سے بیعت طلب کی تھی لیکن

حسینؑ نے تائید الہی، عزم راسخ اور یقین محکم کی بدولت

بیعت کے طلبگار سے بیعت لے لی

باطل (یزیدؑ) اسی لئے تو نامراد ٹھہرا کہ وہ طاقت کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا اور یہی اس کی بھول تھی۔ جس نے اسے ذلیل و رسوا کیا۔ مگر اس کے برعکس حق کے نمائندے (حسینؑ) کو ایک شاعریوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

بس ایک بات جدھر سے گزر گئے شبیرؑ

نظر میں چڑھ گئے، دل میں اتر گئے شبیرؑ

نظر ثواب

قسم خدا کی ہو ابھی یہی کہ یزیدؑ جس اہل عالم کی نفروں سے گر گیا اور حسینؑ دلوں میں بس گئے۔

تیغ لاجوں از میان بیرون کشیدؑ

از رگ ارباب باطل خون کشیدؑ

ادھر شب عاشور ڈھلی اور ادھر صبح عاشور کا رنگین باب کھلا۔ حسینؑ نے نفی ماسوا کی تیغ بڑاں کے چہرے سے نقاب الٹا اور تیغ حق ہرا کے، بل کھل کے اٹھی! ادھر باطل کی صفوں میں خوف دہراں کی لہر دوڑ گئی۔ باطل اب چاہتا یہ تھا کہ راہ فرار اختیار کی جائے۔ مگر اب یہ اس کے بس سے باہر تھا "لا" کی تیغ حق کی تائید میں باطل کے خلاف کھینچی، ایک نعرہ تکبیر بلند ہوا اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ ابھی اللہ اکبر کی "ر" پوری طرح ادا بھی نہ ہوئی تھی کہ کفر و الحاد و زندیقیت کی خونخاک دیوی جہنم زدن میں زمین پر آن پڑی، باطل کے ہوش و حواس جلتے رہے۔ اور اس کا یہ گمان کہ بس طاقت ہی سب کچھ ہے، یہ خیال باطل، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حسینؑ نے باطل قرار دے دیا اور بتائیدؑ حق منوالیا کہ حق ہی طاقت کا اصل سرچشمہ ہے۔ یہی وہ فلسفہ ہے جو آج تک یزیدیت اور حسنت کے مابین وجہ امتیاز چلا آرہا ہے۔ امام عالمی مقام نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ حق کے بندے باطل کے سامنے اعلان کلمۃ الحق کہتے ہوئے ہرگز نہیں گھبراتے۔ اور نہ ہی کبھی باطل کے سامنے جھکتے ہیں بلکہ ان کا سر تو جب جھکے گا تو وہ وحدہ لا شریک کے آگے ہنس جھکے گا۔ جس کا علی ثبوت حسینؑ نے روز عاشور پیش کر دیا۔ اللہ اللہ حسینؑ علیہ السلام نے کس خوبصورتی سے نشہ نخوت و تکبر میں بدست یزیدؑ جس اور اس کے بھی خواہوں کے دلوں سے دھڑکن چھین لی۔ نبض حیات کو حرکت خاموش کر دی! اور شریانون سے ہوسلب کر لیا۔ اسی مقام پر پہنچ کر تو شاعر مشرق کو کہنا پڑا

تاقیامت قطع استبداد گردد!

موج خونِ اُدھنِ ایجاد گردد!!!

روزِ بخودی ص ۱۳

اللہ اکبر! امامِ عالمِ مقام، سبطِ رسولِ انام، حسین علیہ السلام نے تیغ "لا" کی ایک ہی ضربِ کارِ کاسے قیامت تک کے لئے بازارِ ظلم و ستم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ استبدادیت کا قلعہ تھج کر ڈالا اور اسلام کے پڑمردہ چین کے آبپاری اپنے خون سے یوں کی کہ گلشنِ اسلام بہلہا اٹھا، بادِ بہاری اٹھکھیلیاں کرنے لگی، انسانیت نے کھلی فضا میں سانس لینا شروع کر دیا۔ گھٹن دور ہوئی، بلاشبہ حسینؑ نے راد حق و صداقت میں جان کی بازی لگا کر استبداد کو بربخِ دین سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اب تباہ قیامت باطل پنپ نہیں سکتا۔

نَفْسُ إِلَّا اللَّهُ بِرُحْرِ الْوَشْتِ

سَطْرُ عُنْوَانِ نَجَاتِ مَا نُوشْتِ

جب "لا" کی تیغ سے اربابِ باطل کو فنا کر چکے تو نفسِ إِلَّا اللَّهُ کی مستحکم بنیاد رکھنے کے لئے، بڑھے اور اپنے خون سے جلی حروف میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، صفحہ گیتی پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ نقش کر گئے اور یہی وہ نقش ہے جو منزلِ عرفان و آگہی کا پتہ دیتا ہے، یہیں سے صراطِ مستقیم ملتی ہے۔ یہی خاک کر بلا پر خونِ حسینؑ سے لکھا ہوا نقشِ إِلَّا اللَّهُ اقبال کے نزدیک اس کی اور امتِ مسلمہ کی بخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ حسینؑ نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان کی بازی لگا دی مگر غیر از خدا کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ اور یہی مردانِ حق کا روزِ ازل سے شیوہ رہا۔

- ۴ -

بہرِ آن شہزادہ خیر المملک

دوش ختم المرسلیں لوم الحجل

روزِ بخودی ص ۱۳

شاعر مشرق کے اس شعر کو اگر تاریخِ اسلام کی روشنی میں نہایت عمیق نظر سے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامہ صاحب کے اس شعر کی پشت پر تاریخِ اسلام کے دو اہم واقعات موجود ہیں۔ جن کو معتبر محمد ثنین نے یکے بعد دیگرے اپنے ہاں کتبِ احادیث میں تو اترتے نقل کیا ہے۔ پہلا واقعہ جو اس شعر میں علامہ موصوف نے نہایت عمدہ لکے

عید کا چاند دیکھا ، دوڑے دوڑے مادرِ گرامی ، لائقِ سلامی کی خدمت میں حاضر ہوئے ، سلام کیا ،

امام حسینؑ نے نہایت پیار بھرے لہجے میں عرض کی،

جنابِ فاطمہؑ — ہاں میرے لال کہو، کیا بات ہے۔

جناب ناظمہؒ — کیوں نہیں — ضرور پہناؤں گی۔

امام حسینؑ ————— تو ہمارے کپڑے ہیں کہاں؟

جناب فاطمہؑ ————— تمہارے کپڑے ————— درزی کے پاس ہیں۔

بس یہ سناتھا کہ بچوں کو یقین آگیا — وہ اس لئے کہ ماں — صدیقۃ الکبریٰ ہے۔

ادھر کنیزِ خدا غامۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہونے کی دیر تھی، ادھر رفعتوانِ جنت کو حکم ہوا فوراً حسن و حسینؑ کے لئے کپڑے تیار کرو اور درِ بتول پر حسن و حسینؑ کے درزی کی حیثیت سے حاضری دو!

تعمیل حکم رب جلیل میں — تاخیر کہاں — ادھر حکم ہوا — ادھر کڑے تیار۔ رضوانِ جنت درزی بنا

اور فز کے ساتھ شاداں شاداں — درِ بقول پر پہنچا، دسک دی، پوچھا گیا، کون ہے؟ جواب ملا، حسن و

حسین کا درزی ہوں۔ حسین شرفیہیں دوڑے دوڑے دروازے پر آئے، کپڑے لئے شاداں شاداں مادرِ گرامی کے پاس پہنچے۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی لپٹ کا جوڑا انتخاب کیا۔ حسن نے سبز اور حسین نے سرخ جوڑا زیب تن

جہاں پر در دگار عالم کو حسن و حسینؑ کی دلجوئی کا یہاں تک خیال ہوا تو یقینی امر ہے کہ اس کے حبیب اکرمؐ کو بھی اتنا پیار ہو۔ دلیل کے طور پر رسالت مآب کا یہ بیان احادیث کی کتب میں ملتا ہے،
خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسی واقعہ کا دوسرا اہم ٹکڑا وہ ہے جہاں رسول پاکؐ اپنے ان پیارے نو اسوں کو دوش پر سوار کر کے، اور وہ زلفیں بطور ہمارے پکڑ کر خراماں خراماں چلے۔ راستے میں کسی صحابی نے دیکھا تو یاسحین نعم الجمل حملت (یا حسین تمہاری سواری کتنی اچھی ہے!) حضورؐ نے فوراً جواب دیا نعم الراكب (سوار کو بھی تو دیکھو کیا عمدہ ہے)۔ آنحضرتؐ کے یہ طریقے تھے حسین کو مستعار کرانے کے۔ مٹی اللہ علیہ وسلم۔ اسی شہزادہ خیر المسلسل کے لئے ختم المرسلینؐ کے کندھے نعم الجمل بنے۔

درمیان امت اس کیواں جناب

ہمچو حرف قل هو اللہ و کتاب رموز مجیدی ص ۱۷۴

علامہ صاحب، اس شرعے حسین علیہ السلام کی باوقار شخصیت کا تعین کرتے ہوئے یہ بات باہر کرانے کی سعی کر رہے ہیں کہ دیکھو جس طرح کتاب خدا، (قرآن پاک) میں حرف قل هو اللہ قرآن کریم کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسی طرح حسین علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات امت مسلمہ میں مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ جس طرح سورۃ توحید سے کفر و شرک کی بیخ و بن اکھڑ جاتی ہے۔ اسی طرح سرکار سید الشہداء بھی کفر و شرک کے قاطع ہیں جس طرح قرآن صامت میں سورۃ توحید ممتا ز ہے اسی طرح قرآن ناطق سرکار امام حسین علیہ السلام کی شخصیت امت محمدی میں نمایاں و ممتاز دکھائی دیتی ہے۔ سورۃ توحید قرآن پاک کی افادیت پر دلالت کرتی ہے اور حسینؑ کی ذات اسلام کی عظمت کا واضح نشان اور پوری انسانیت کے لئے منارۃ نور ہے

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

ایں دو قوت از حیات آمد پدید رموز مجیدی ص ۱۷۴

اس میں کلام نہیں کہ ابتدائے آفرینش ہی سے دو طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نظر آتی ہیں۔ پہلی طاقت کا نام حق ہے اور دوسری کو باطل کہتے ہیں۔ حق، کوئی دیباکی سے عبارت ہے اور جھوٹ و سفاکی باطل سے مشتق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ازل سے حق و باطل میں مسلسل اُن بن چلی آرہی ہے اور یہ سلسلہ وہ ہے جو ثبات تک ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ کہ حق باطل کی اور باطل حق کی ضد ہے۔ بقول حکماء ضدین کا یکجا ہونا، امرِ محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ جب ہم تاریخِ انسانیت کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پہلا ہکراؤ، جو حق اور باطل کے درمیان ہوا، حضرت آدم کے اس قصے میں آسانی مل جاتا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلعتِ خلافت عطا کی اور ملائکہ کو حکم ہوا کہ جب میں اس میں روح بھونک دوں تو تم سب اس کو سجدہ بجالانا لہذا ایسا ہی ہوا الا ابلیس مگر ایک شیطانِ رجیم نے انکار کیا۔ یہ پہلا تصادم تھا جو حق و باطل کے درمیان ہوا۔ بعد ازاں نسلِ آدم میں یہ سلسلہ بتدریج نیچے کی طرف اس ترتیب سے آتا چلا گیا کہ بائبل اور قابیل آپس میں ہکرائے۔ پھر نوحؑ کا اپنی قوم سے واسطہ پڑا۔ جناب ابراہیمؑ کا مزد سے، جناب موسیٰؑ کا فرعون سے، جناب عیسیٰؑ کا قومِ یہود سے، جناب یاشم کا بنی امیر سے، جناب عبدالمطلب کا حرب سے، پہانکہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰؐ کا ایک سے نہیں بلکہ تین سے واسطہ پڑا، یعنی ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان سے۔ اس کے بعد سرکارِ امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب کا زمانہ آیا تو ابوسفیان، معاویہ اور خوارج سے نبرد آزمائی رہی۔ آخر کار یہ سلسلہ امام عالمی مقامِ حسین علیہ السلام تک پہنچا تو یزید ابن معاویہ اپنے باطل گرہ کی نمائندگی کرتے ہوئے، حق کے نمائندے (امام حسینؑ) سے میدانِ کربلا میں نبرد آزمایا ہوا۔ باطل نے جی کھول کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور یہ بات باور کرانے کی سعیِ لاحاصل کی کہ طاقت حق ہے، ادھر حسین علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھر

بہر تعمید لے اُٹھنے شیر کا خولے

حق کی گرتی بوٹی دیوار کی جانب لپکے

سکندر بہرِ

ماں تو پھر حشیم عالم نے دیکھا کہ طاقت کو حق کہنے والا اور اس کے ہی خواہ کیسے ذلیل و خوار ہوئے۔ یہاں تک کہ یزید کا نام بھی داخلِ دشنام ہو گا اور حق کو طاقت کہنے والا اور اس کے سرفروشِ ساتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بقا پاگئے۔ علامہ موصوف کے شعر کی روشنی میں ہمارے فکر یہاں تک پہنچتی ہے کہ حق و باطل کا ایک دوسرے سے ہکراؤ ایک لازمی امر ہے۔ اور یہ وہ لامتناہی سلسلہ ہے جس کا آخری سرار و زقیامت سے جا ملتا ہے۔ جی بھی تو علامہ صاحب نے یہ آفاقی پیغام اپنے آفاقی اشعار میں مختلف زاویوں سے پیش کیا۔ مثلاً کبھی یہ کہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز !!

چند باغ مصطفوی سے شرابِ بولہبی

پھر اسی آفاقی پیغام کو یہ کہہ کر مسلمانوں کو ان کی تاریخ کے اہم البواب کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے

ہیں

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فیگنئے

وہی فطرتِ اسدِ الہی، وہی مرحب، وہی غمتری

یہی علامہ صاحبِ کافکر و فلسفہ، انہیں اپنے دور کے، اپنے سے پہلے اور آئندہ آنے والے شاعرِ دل سے منفرد اور یگانہ روزگار رکھتا ہے۔ اور رکھے گا۔

چوں خلافِ رشتہ از قرآن گسیخت

رموزِ بخودی ص ۱۲۷

خونِ رازِ ہر اندر کامِ ریخت

خالقِ کائنات، عادل و منصف ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ منصبِ خلافت وہ حسینِ شے ہے کہ جس کا نام ہی سن کر ملائکہ کے منہ میں پانی آگیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب خالقِ کائنات نے یہ کہا کہ بیش زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو بیاختہ ملائکہ کے منہ سے یہی الفاظ نکلے کہ کیا ایسے کو یہ منصبِ خلافت دے گا جو زمین پر فتنہ و فساد اور خونریزی پکڑے۔ جواب ملا ہے، خاموش! تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ ہر کیف یہ حق حق تعالیٰ نے اپنے ہی پاس محفوظ رکھا کہ انبیاء و مرسلین کی طرح ان کے وصیتیں (یعنی خلفاء) بھی وہ خود منتخب کرے اور ایسا روزِ ازل سے دستورِ قدرت رہا اور رہے گا تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر نبی و مرسل کے وصی کا انتخاب تو ذاتِ سبحان خود کرے اور اپنے آخری پیغامِ سید البشر محمد مصطفیٰ کے جانشین وصی یا خلیفہ کا اختیار عوام کو دے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ قانونِ قدرت

۱۷ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ (بقرہ پ) کہ یقیناً میں ہیچ زمین پر خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

۱۸ خَالُوا تَجْعَلْ فِیْہَا مِنْ اٰیٰتِہٖ اَوَّلِیٰفَہٗ الذَّمَّاد (تحریر و تفسیر لواء القرآن) از ضعیف الامام علامہ مرزا احمد علی اعلی اللہ مقامہ

کرے اور خزانے پہائے (سفاک کرے) (ترجمہ و تفسیر لواء القرآن) از ضعیف الامام علامہ مرزا احمد علی اعلی اللہ مقامہ

۱۹ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ - اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک میں خوب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

یہ خونِ حسین علیہ السلام کا صمد ہے، اور اسی کا تاثیر ہے کہ بے آب و گیاہ صحرا رشکِ جنت دکھائی دیتا ہے۔ جہاں حسینؑ زمین کو بلا پر ابرِ رحمت بن کر برستے۔ وہاں آپ بلکتے ہوئے اسلام، دم توڑتی شریعت اور سکتی ہوئی انسانیت کے درد کا درماں ثابت ہوئے۔

بنا کر دُند خوشِ رُسے بچاکِ خونِ غلطیدن

خُدا رحمتِ کنڈایں عاشقانِ پاکِ طینتِ را

اسی نفسِ مضمون کو نفیری نے اپنے مخصوص اندازِ فکر میں یوں پیش کیا۔

گریزِ دازِ صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست

کے کہ گشتِ نشد از قبیلہ مانیت

لائقِ صد تحسین و آفرین ہیں وہ شعراءِ کرام جنہوں نے بارگاہِ سید الشہداء میں اپنے گلہائے عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی

مَدِّ عَاشِی سِلْطَنُ بُودے اگر

خُود نکرُوئے با چَینِ سِماںِ نَفَر

رموزِ مخدوی ص ۱۲

افسوس کہ نا انصاف مؤرخ نہایت دیدہ دلیری سے حقائق کا منہ چڑاتا رہا ہے اور تاریخ کے قاری کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کرتا رہا ہے اور اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ امام حسینؑ نے (نقل کفر، کفر نباشد) نعوذ باللہ یزید پر لشکر کشی کی تھی جس کے نتیجے میں واقعہ کر بلا پیش آیا۔ تاریخ اسلام کے حروفِ ابجد سے نا بلند مؤرخ جب یہ کہتا ہے کہ کر بلا کی جنگ ایک سیاسی جنگ تھی جس میں ملک گیری کا تصور کار فرما تھا تو وہ تاریخی حقائق کی ٹانگ توڑ دیتا ہے۔ اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ جنگ کر بلا عرب کے دو شہزادوں میں حصولِ اقتدار کے لئے لڑی گئی۔ جس میں ایک غالب آیا، دوسرا مغلوب ہوا۔ یہاں وہ تاریخی حقائق سے روگردانی کرتا ہے اور صحیح واقعات پر دبیز سے دبیز پردے ڈالنے کی سعی کرتا ہے۔ ایسے خود ساختہ تاریخ دانوں اور ایسی ہی تاریخ سازی کرنے والوں کے لئے علامہ علیہ الرحمہ کا یہ شعر ایک چیلنج ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سراسر غلط ہے، جھوٹ ہے اور فریب ہے کہ حسین علیہ السلام نے حصولِ سلطنت کے یا ہوسِ اقتدار کے لئے لڑا۔ نہیں نہیں یہ تو حسینؑ تھے رسالتِ مآب میں جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے، جیسے نبی اکرمؐ قومِ نصاریٰ کے مقابل اپنے اہل بیت کو لیکر نکلے تھے، اسی طرح

نکلیں گھر سے بسطِ پیغمبرِ اہول سے

اگر حسین علیہ السلام کو بوس ملک گیری، خواہش تاج و تخت یا حصول اقتدار کی ہوس ہوتی تو وہ اپنے اختیاء مختصر کر کے نفوسِ قدسیہ کے ساتھ وطن سے ہجرت نہ فرماتے اور نہ ہی سرِ ایدہ عصمتِ مخدراتِ مطاہرہ کو اپنے ہمراہ لیتے۔ کیا کسی ملک پر چڑھائی کرنے کے یہی طور طریقے ہوتے ہیں جو امامِ عالمقام نے اختیار کئے، اگر امامِ حسین کے لشکرِ نظر ڈالی جائے، تو کہیں ۱۲۰ سال کا بوڑھا مجاہد ہے تو کہیں شیشماہی اعلیٰ اصغر ہے۔ ہاں! ہاں! اگر امامِ عالمقام کو لشکر کشی کرنا ہی مقصود ہوتی تو پھر فوج کی ترتیب نہ ہوتی۔ بلکہ وہ مکہ مکرمہ سے شجاعانِ عرب اور دلیرانِ بنی ہاشم کا ایک لشکرِ جزائرِ یسکرِ نرید سے نبرد آزما ہوتے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس دکھائی دیتی ہے۔

حسینؑ مدینے سے نکلا تو یہ بشارت دیتے ہوئے کہ میں شہادتِ گدافت کی جانب جا رہا ہوں۔ امامت کے تقاضوں سے نابلد روکنے والوں نے بڑھ کر روکا بھی تو جواب وہی تھی جو قدرت نے کبھی لائیکہ کو دیا تھا۔ خاموش! تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ مزاجِ آشنائے مشیت یہ کہے ہوئے مجھے ایفائے عہد کرنا ہے۔ مکہ سے چلے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے چلے۔ واردِ کربلا ہوئے تو بر منزل پر اپنے مختصر مگر مستحکم ساتھیوں کو واپس لڑھ جانے کا مشورہ دیا۔ یہاں تک کہ شبِ عاشورہ حسین علیہ السلام نے شمعِ گل کر کے فرمایا کہ جو جانا چاہے وہ اس اندھیرے کے پردے میں جان بجا کر نکل جائے خیر!

بجھا تو دینِ شبِ عاشور مشعلیں لیکن

چراغِ ذہن کی لوتیز کر گئے شبِ دیور

ظفر شارب

اندھیرے کے ماتوں کو ایسی روشن ضمیری کی باتوں سے کیا قلیق؟ نابلدِ مورخین کو کیا پڑی ہے کہ وہ واقعات کے اس رخ پر بھی نظر ڈالیں۔ بہر کیف حقائق کی روشنی میں اگر واقعہ کربلا کے پس منظر میں عمیق نظر سے بھانکا جائے، تو یہ حقیقت ہے کہ حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا، کچے پہنچے، حج کے لئے احرام باندھا مگر عمرہ سے بدل دیا، اور اپنی منزل کی سمت گامزن ہو گئے، وہ اس لئے کہ امامِ عالی مقام کی دور رس نظروں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر میں حج کے لئے یہاں ٹھہرا تو یقیناً قتل کر دیا جاؤنگا اور حرمتِ کعبہ کو نقصان پہنچے گا۔

اچھا ہی کیا مظلوم کہ تم کعبے سے نکل آئے ورنہ

یہ امتِ خیموں کے بدلے کعبے کو آگ لگا دیتی

لہذا، حرمتِ کعبہ کے پیش نظر حسین علیہ السلام نے یہاں سے ہجرت اختیار کی، عین اس وقت جب کہ

حاجی اپنی اپنی قربانیاں لے کر میدانِ مہنی میں جاتے ہیں ، امام عالی مقام اپنی بیش بہا قربانیاں لے کر منڈے کر بلا کی طرف چل دیئے۔ لیکن افسوس کہ مؤرخین تعصب کی اندھی عینک چڑھا کر حسینؑ کی ذات ستودہ صفات کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور یزید کی حمایت کرتے کرتے نہ جانے کیسا کیا کہہ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود!

یزید نام سے نفرت ہے اہلِ عالم کو

خدا را عقل کے ناخن لو، اور تعصب سے بلا تر ہو کر سوچو !

عزم اُچوں کو ہساراں استوار

پائیدار و تند سیر و کامگار !

۱۷۸
رموزِ بخود دی

امامِ عالمی مقام کا عزم و استقلال ایک اعلیٰ مثال ہے کہ ان کا عزم کوہِ گراں کے مانند، ان کے پائے استقلال کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی، ہاں! ہاں پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں۔ مگر ان کا اپنے موقف سے سر مو ہٹنا، امرِ محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ امام حسینؑ، بات کے دھنی، فیصلے کے اٹل اور ارادے کے مضبوط و مستحکم ثابت ہوئے، یہی وجہ تھی کہ جب ایک بار بیعتِ فاسق و فاجر سے انکار کیا تو وہ انکار ہی رہا۔ اقرار میں نہ بدل سکا۔ یہاں تک کہ ظلم و جور اور پیاس کی سخت ترین اذیت تو برداشت کر لی مگر غیر از خدا کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اس مقام پر علامہ مرحوم کا یہ شعر حوالے کے طور پر پیش کر دیا جائے تو بات ذرا اور واضح ہو جائیگی؛

ما مواللہ را مسلمان بندہ نیست

پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

یہاں بندہٴ مسلم سے مراد علامہ صاحب کی ہم ایسے خاکی و خاکی بندے نہیں ہیں بلکہ یہ شعر امامِ عالمی مقام کی عظمت و بزرگی اور اُن کی دلالت کرتا ہے۔ مسلمان ہونا !

یہ شہادت کہ الفٹ میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

حسین علیہ السلام کا اپنے موقف پر ڈٹ جانا اور حق کی راہ میں کٹ مرنا ان کی کامیابی و کامرانی کی بین دلیل

دُشمنانِ چوں ریگِ صحرِ الاعداد

دوستاں لو بہ یزداں ہم عدد و رموزِ بخودی ص ۱۳۷

سرکارِ سید الشہداء کے دشمنوں کی تعداد، حد و حساب سے باہر، مختصر یہ کہ وہ ریگِ صحرا کی طرح لافِ ادا و خستین کے سرفروش کفنِ برد و خشِ ساقیوں کی کٹم فیزی بہتر افراد پر مشتمل تھی، اگر ہم نام ”یزداں“ کو حرفِ ابجد کے حساب سے جمع کریں۔ تو اس کا حاصل جمع کر بلا کے سرفروش پرستِ دینِ حق کے ہم عدد ہوگا، مطلب یہ کہ حروف ”یزداں“ کا حاصل بحسابِ ابجد ۷۲ بنتا ہے۔ مثلاً

ی ز د ا ن ی ز د ا ن

$$۱۰ + ۷ + ۴ + ۱ + ۵۰ = ۷۲$$

تاریخِ اسلام کے ابجد سے بھی نابلد مؤرخین کے لئے، علامہ علیہ الرحمہ نے ابجد کا یہ حساب پیش کیا ہے۔ کہ خدا پرست حسینؑ اس قدر خدا دوست تھا کہ آپؑ نے اپنے دوستوں کی تعداد بھی ابجدی حساب سے (۷۲) یزداں کے ہم عدد رکھی، جن کے چراغِ ذہن کی لودِ اقدہ کر بلائے تیز کر رکھی ہو وہی یہ کچھ دیکھ سچھ سکتے ہیں اور ایسی حساب دانی سے تاریخ کے ”توڑ مروڑ“ کی دھجیاں اڑا سکتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حسین علیہ السلام کا اقدام، حق کا پیغام، اسلام کے تحفظ، دین کی بقا اور توحید و رسالت کی آبر و ثابِت ہوا۔

سَرِ ابراہیم و اسماعیل بُود

یعنی اس اجمالِ رافِصیل بُود رموزِ بخودی ص ۱۳۸

امامِ عالی مقام حسین علیہ السلام سَرِ اسماعیل و ابراہیم تھے۔ یعنی اس اجمال کی تفصیل تھی۔ مطلب یہ کہ حسینؑ نے اپنے جدِ بزرگوار حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے پروگرام کو پائے تکمیل تک پہنچا دیا اور دُفَعْنِیْہُ مَذْبِیْعَ عَظِیْمَہُ کی تشریح و توضیح اور تفسیر نہایت ہی جلی حروف میں خاک کر بلا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے خون سے تحریر کر دی جب ہم جنابِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے واقعہ کو بظرفِ عمیق مطالعہ کرتے ہیں اور ادھر سرکارِ امام حسینؑ علیہ السلام کے جذبہٴ ایثار و قربانی کا ذکر سنتے ہیں، یا پڑھتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے کہ میدانِ کربلا میں سید الشہداء نے اپنے جدِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیمؑ کا کردار ادا کیا اور آپ کے فرزندِ سعید جنابِ علی اکبرؑ نے تاسی جنابِ اسماعیلؑ میں سر تسلیم خم کیا۔ اس شعر میں علامہ علیہ الرحمہ کا اشارہ جنابِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے اس جرات مندانہ اقدام کی طرف ہے جو انہوں نے عشقِ الہی میں مقامِ منیٰ پر ادا کیا۔ اس خواب کی جلی تعبیر

جگر گوشہ رسولؐ، فرزندِ علیؑ و بتوں نے قربانیِ جناب علیؑ اکر سے پیش کر دی،

رَمَزِ قُرْآنِ اَز حُسَيْنِ اَمُو خَتِیم

زَالِشْ اَوْ شَعْلَهٗ بَا اَنْدَوِیْسَم

رَمُوزِ بَیْخُودِی ۱۲۸

امام حسین علیہ السلام کی باوقار شخصیت اپنی نظیر آپ ہے جسکو ہر دور میں دنیا کے عظیم راہنماؤں اور قائدین اقوام و مل نے خراج تحسین پیش کیا۔ علاوہ انہیں مفکرین عالم، مفسرین، تلمیذین، علماء مجتہدین اور صوفیائے کرام، اولیائے عظام، مردانِ حق آگاہ، قلندرانِ باصفانے اپنے اپنے مخصوص اندازِ فکر میں سید الشہداء کے حضور اپنے اپنے گہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ مفکرین عالم نے حسین سے فکر و تدبیر کا درس لیا۔ مفسرین، تلمیذین نے جن تفسیر سکھا۔ علماء و مجتہدین نے ایمان کی جان، رسالت کی شان قرار دیا، صوفیاء کرام اور اولیاء عظام نے

شاہِ بُستِ حسینؑ، بادشاہِ بُستِ حسینؑ، دینِ بُستِ حسینؑ، دینِ پناہِ بُستِ حسینؑ

کا ترانہ گبار گنگنایا، مردانِ حق آگاہ نے حسین سے حق گوئی و بیباکی کا سبق سکھا، قلندرانِ باصفانے عشقِ حقیقی میں فنا ہونے کا تصور حسینؑ ہی سے لیا اور جب یہی عشقِ حقیقی اقبالِ ایسے قلندرِ منش پر طاری ہوا تو اس نے عالم و جہ میں یا حسینؑ یا حسینؑ کا وظیفہ شروع کر دیا۔ اسی کیف و مستی کے عالم میں اقبالِ ایسے مفکر کو حسینؑ کمالِ فکر کی آخری منزل پہ دکھائی دینے لگے۔ بلاشبہ حسینؑ لوکِ یزہ پر بولتا قرآن میں، انہی کے جذبہٴ ایثار و قربانی، حبِ ایمانی، یقینِ محکم، عملِ بہیم اور عشقِ کرم کا اعجاز ہے کہ آج بھی راسخِ العقیدہ مسلمانانِ عالم کے دلوں میں عشقِ حقیقی کے شعلوں کی لپک اور آنکھوں کو نیرہ کر دینے والی چمک موجود ہے۔

شَوکِتِ شامِ و فَرِ بَغْدادِ و رَف

سَطَوَتِ غَرناطِہِ ہِم ازِ یَا وِ رَف

رَمُوزِ بَیْخُودِی ۱۲۸

بنو امیہ نے کردار کا دامن ہاتھ سے ساتھ کر، تلوار کے زور سے سلطنتِ اسلامیہ کی حدودِ شام تک پھیلا کر اپنی شان و شوکت کے جھنڈے گاڑ دیئے، بنو عباس نے بنو امیہ کی تقلید میں بغداد کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اپنا دبدبہ ذہنوں پر تو مسلط کر لیا مگر دلوں پر حکمرانی نہ کر سکے، اسی طرح اہل ہسپانیہ نے غرناطہ میں اپنے شانہٴ ٹھٹھا باٹ تو خوب دکھو، مگر انجام سے بے خبر اُدھر اُموی دور ختم ہوا اور ادھر رچم چاہ و جلالِ سرنگوں، یہی حال بنو عباس کے پایہ تخت کا ہوا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ کہ جہاں جہاں اسلام بزدور تیغ پہنچا، وہاں وہاں سے نقوشِ اسلامیہ دھندلا گئے اور جہاں اسلام کا دار کے بل پر قدم رنجہ ہوا۔

وہاں آج بھی مساجد میں اٹھ اکبر کی صدا گونج رہی ہے۔ علامہ صاحب کا فکر و فلسفہ اس خیال کے سراسر خلاف دکھائی دیتا ہے کہ اسلام بزرگ شمشیرِ طاقت سے چار دانگ عالم میں پھیلا ہے۔

تارِ مازِ زخمِ اشکِ لُزِاں سُمنوز

تازہ از تلبیرِ اُو ایساں سُمنوز

روزِ بخودی ص ۱۳۸

آخر فتح ہمیشہ حق کی ہوا کرتی ہے تاریخ گواہ ہے کہ یزید نے بزعیم کثرت الناس سے اور دولت و طاقت کے بل بوتے پر حق (حسین) سے ٹکری۔ نتیجہ کیا ہوا؟ کہ حرفِ غلط کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دھنوا گیتی سے مٹ گیا۔

مگر حسین علیہ السلام باقی ہے

حسینؑ کل بھی زندہ تھے، آج بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ وہ اس لئے کہ حسین شمعِ حق کا پروانہ حق کی آواز پر پروانہ دار اٹھے اور باطل کی طاغوتی طاقت سے بنام یزداں ٹکرا گیا۔ اور روزِ عاشورہ چند لمحوں میں اپنے خون سے خاکِ صحرا پر وہ تاریخِ انسانیت و حریت ثبت کر دی کہ جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ حسین علیہ السلام کی وہ صدائے بازگشت آج بھی سنائی دیتے ہیں۔ ہمارے دل و دماغ کے تار آج بھی اس آوازِ حق سے مسلسل ہل رہے ہیں۔ اللہ اللہ حسینؑ نے نہایت عمدگی کے ساتھ خاک و خون کا دریا پاٹ کر سفینہٴ حق کو کنارے لگا دیا۔ اور باطل پر یزید کے وہ تمام منصوبے دھڑکے دھڑکے رہ گئے جن کے لئے اس نے تمام انسانی اقدار کو پائمال کیا۔ حق (حسینؑ) سے نبرہ آزمائی کی، لیکن منہ کی کھائی۔ حسینِ فسطیح یاب ہوئے، یزیدِ ناکام و نامراد رہا۔

سچ تو یہ ہے کہ کربلا کے غازیوں کا نفورہ تلبیر، آج بھی ہمارے لئے جذبہٴ تعمیر اور باعزت موت کی تدبیر اور جینے کا سلیقہ فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ نفورہ ہے جو ایمان و یقان کی ضمانت، رسالت کی شان اور توحید کی جان ہے۔

اے صبا اے پیکِ دُورِ آفتادگان

اشکِ نابِ خاکِ پاکِ اُورِ سائے

روزِ بخودی ص ۱۳۸

جب سے شعرا و شاعر کا وجودِ ذی جود عالم وجود میں آیا ہے تب سے اب تک نہ جلنے کتنے شعراء نے "بادِ صبا" سے پیغامِ بری یا نامِ بری کا کام لیا ہے۔ مگر "بادِ صبا" سے یہ کام ہمارے اردو شعراء ہی نہیں لیا بلکہ دنیا کی تمام ترقی یافتہ

دغیر ترقی یافتہ زبانوں میں شعر کہنے والے شعراء نے بھی ایسے اظہارِ ابلاغ کا طریقہ سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر مشرق نے بھی بحیثیت شاعر کے اپنا یہ حق "باد صبا" پر محفوظ رکھتے ہوئے اپنے اس شعر میں باد صبا سے ملتی ہوئے فرماتے ہیں۔
اے صبا! اے دور افتادگاہ کی قاصد ہمارے اشکوں کے موتی قبرا مام حسین علیہ السلام پر پہنچا دے۔ ایک حقیقی عاشق زار، محب حیدر کرار اور عزادار امام مظلوم کے پاس یہی (اشکوں کا) ایک تحفہ ہے جو اس شہنشاہ، بادشاہ اور دیں پناہ کی بارگاہ میں نذر کرنے کے لائق ہے۔

قلندر میلِ تقریر سے ندارد

بجز این نکتہ اگیر سے ندارد

ازاں کشتِ خرابِ حاصلیت

کہ آب از خونِ شیر سے ندارد

ارمغانِ چھوڑ دے

قلندر خوبصورت الفاظ کے چکر میں نہیں پھنستا اور نہ ہی کسی کی شعلہ بیانی سے متاثر ہوتا ہے وہ تو!

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

کا قائل ہوتا ہے اور وہ اپنے دامنِ معرفت میں سوائے اس ایک نکتے کے کچھ بھی نہیں رکھتا۔ یہی نکتہ درحقیقت اگیر ہے اور اسی نکتے کی بنا پر تو وہ یہ کہتا ہے کہ زمین شور کی کھیتی اس وقت تک پیداوار کے قابل نہیں ہو سکتی جب تک اسے خونِ بطل رسولِ انام حسین علیہ السلام سے نہ سینچا جائے۔ علامہ صاحب ہمیں ہماری منزل گم کردہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اور اسے حاصل کرنے کا آسان طریقہ صرف ذاتِ تید الشہداء کی پیروی ہے۔

تیغ بہر عزتِ دینِ اُست و بس

مقصدِ اوجِ حظِ دینِ اُست و بس

روزِ بخود ص ۱۲۸

تاریخِ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ محمد و آلِ محمدؑ امن کے داعی اور صلح جوئی کی اعلیٰ مثال تھے۔ لیکن اگر کہیں تیغ برآں بے نیام بھی کی تو وہ خوفِ دین "بقولِ اسلام" "تخلفِ ناموس رسالت کے لئے جس کی ایک اعلیٰ مثال یہ پیش کی

جاملی ہے کہ حضرت علیؑ معروف جنگ ہیں اور اپنے مد مقابل میں سے ایک کو گرا لیتے ہیں اور اس کے سینے پر سوار ہو کر چلے جاتے ہیں کہ سرتن سے جدا کر دیں مگر عیار و مکار دشمن عیاری پر اتر آیا۔ اس نے سرکار ابرار المؤمنین کے چہرہ اقدس پر لعاب دہن پھینک دیا۔ حضور نے فوراً زیر شدہ دشمن کو چھوڑ دیا۔ اصحاب رسولؐ نے سوال کیا یا علیؑ دشمن کو زیر کر کے چھوڑ کیوں دیا، جواب میں فرمایا وہ اس لئے کہ اس نے ایسی نازیبا حرکت کی تھی کہ مجھے فوراً غصہ آگیا۔ اگر اس عالم میں میں اسے قتل کر ڈالتا تو یہ قتل خدا کے لئے نہ ہوتا۔ بلکہ میرا ذاتی غصہ بھی اس میں شامل ہو جاتا اور یہ قتل خالص لوجہ اللہ نہ رہتا۔ اسی لئے میں نے بھائے اس کا سرتن سے جدا کرنے کے اسے چھوڑ دیا۔ آل محمدؐ کا شمشیر تکف ہونا صرف سر بلند اسلام کیلئے تھا۔ اپنی سرافرازی و ناموری کا تصور بھی ان کے نزدیک باطل کے مترادف رہا۔ یہ وہ نفوسِ مطہرہ ہیں جن کی طہارت کی گواہی کلام الہی خود پیش کرتا ہے، یہ اذن الہی کے پابند اور!

اِنَّ كِي مَرَضِي رَضْلِي تُدْرِتْ هِي

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزو سٹ

بَا مَن مَيَا كِه مَسْلُكُ شَبِيرُم آرزو سٹ پیام شرق ۱۸۵

بحیثیت ایک انسان اور بالخصوص مسلمان ہونے کے یہ تمنا، تمنائے نیک ہے کہ مسلکِ شبیری یعنی حیثیت کو اپنایا جائے۔ اسی میں خوشنودی خدا و رسول کا راز مضمر ہے اور یہ وہ مسلک ہے کہ بیشک یہ انسان میں حق گوئی و بیباکی اور جراتِ مردانہ کی روح پھونک دیتا ہے۔ لیکر

یہ شہادت گر اُلفت میں قدم رکھنا ہے

یعنی اس نیک آرزو کے ساتھ ساتھ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ شہادت گاہ ہے اور امتحانِ محبت بڑا ہی کٹھن اور صبر آزمایا ہوتا ہے۔ اس منزل سے وہی انسان بجز و خوبی گذر سکتا ہے جو موت کو مردوں کو سمجھ کر لگے لگائے۔ اس کیلئے نیزہ و شمشیر و خنجر عیدِ نظارہ سے کم نہیں ہوتے۔ اللہ علامہ صاحب کے اسی کلامِ بلاغت نظام نے مردہ جسموں میں نئی روح پھونک دی، دلوں کو سوز و گداز اور دلولہ تازہ بخشا اور دماغوں کو سوچ کا نیا انداز دے دیا۔ اس بیان کی صداقت پر علامہ نجم آفندی کا یہ مصرعہ کافی ہو گا جو آپ نے امام حسین علیہ السلام کے متعلق کہا ۛ

دماغ دفع کئے، دل بنادیئے لوئے

حقیقت واقعی ہے کہ حسینؑ نے ایک عہدِ آفرین انقلاب برپا کر کے، پوری تاریخِ انسانیت کو درمیانِ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور حسینؑ علیہ السلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے، باطل کے خلاف جو تحسین اقدام اٹھایا تھا، اسے بغیر تمیز رنگ و نسل اور ملک و ملت کے، پوری انسانیت خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ اور اس ملکِ شہیری اپنانے کی آرزو ہر اقبالِ دل میں کروٹ لے رہی ہے۔ لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ یہ تمنا خوب سے خوب تر کی تلاش میں خوب ہے۔ مگر یہ امتحان کی منزل ہے۔ اس میں یقین محکم، عمل پیہم اور نگاہ بلند ہی کام دیتی ہے

شب کہیں منزلِ عرفاں کا پتہ ملتا ہے

مسلمانو! اگر سلاحِ انفرادی چاہتے ہو تو شاعرِ مشرق کے اس پیغام سے سبق لو اور اپنی راہ کا تعین کر لو، تاکہ روزِ عشرِ خدا و رسول کو منہ دکھا کر علامہ موصوف یقیناً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مظلوم انسانیت کے درد کا درماں اگر کپوٹی ہو سکتا ہے تو وہ حسینؑ علیہ السلام کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ میرا ہمد دہی ہو جس کی آرزو میری طرح ملکِ شہیری ہو۔ اس ملک کو اپنانے سے تیر و سنان اور خنجر و شمشیر کی آرزو پیدا کرنا پڑتی ہے۔

ریگِ عراق منتظر کشتِ حُبِ تشنه کام

خونِ حسینؑ بازوہ کو فہ و شامِ خویش را
ذو برعم صلا

عراق (کربلا) کی ریت قدمبوسی امامِ عالی مقام سبطِ رسولؐ انام کی منتظر دکھائی دیتی ہے کہ وہ کونسی مہارک گھڑی ہوگی کہ جب حسینؑ علیہ السلام یہاں قدم رنجہ ہونگے۔ ایک طرف تو ریگِ عراق کے انتظار کا یہ عالم، دوسری طرف سرزمینِ حجاز اس اعزاز سے محروم ہوئی جاتی ہے کہ حسینؑ دہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں۔ امام حسینؑ کی جدائی سرزمینِ حجاز کے لئے باعثِ غم و اندوہ ہے۔ علامہ موصوف نے اپنے مخصوص شعری انداز میں حجاز کی کھیتی کو امام تشنه کام کی جدائی میں تشنه کام کہا ہے۔ دوسرے معرہ میں علامہ موصوف ہلتِ اسلامیہ کو دعوتِ فکر و تدبیر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں باعزت رہنا ہے تو پھر سید الشہداء کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینا ہوگی۔ کیونکہ کوفہ و شام آج بھی پرستارِ حق اور سرفردِ شانِ اسلام سے خونِ طلب کر رہا ہے اور یہ فریقہ مسلمانانِ عالم کو اور مخصوص حیثیت کے پر دانوں کو برودھڑ کی بازی لگا کر ادا کرنا ہے۔ اور یہی تاسی امام حسینؑ علیہ السلام ہوگی۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ ہم پہلے اپنے نفسِ انارہ کو زیر کریں یعنی خواہشاتِ نفسانیہ یعنی اپنے آپ کے کوفہ و شام سے نبرد آزما ہوں۔ یہ بھی حُسنیت کی ایک طرز ہے۔

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

بال جبریلؑ ۱۵۷

گرچہ نہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

بقول علامہ موصوف کے یقیناً ،

محسوس ہو رہی ہے ضرورت حسین کی

وہ اس لئے کہ حق سے پھر باطل نبرد آزما ہونا چاہتا ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ علامہ صاحب نے محسوس کر لیا تھا کہ قافلہ حجاز "یعنی دعویٰ دارانِ اسلام میں، کلمہ گویانِ محمدؐ میں نام کے مسلمان تو بہت ہیں مگر کام کا کوئی نہیں جو کہ گے بڑھ کر تمام قوم تمام لے اور اُسے اس کی گم کردہ راہ پر ڈال دے اور کوئی بھی ایسا نہیں جو تاسی سرکار سید الشہداء میں اثباتِ حق اور الباطلِ باطل کے لئے جان کی بازی لگا کر کشتیِ اسلام کو اس پار لگا دے۔ اگرچہ آج بھی اس ستیزہ گاہ جہاں میں بہ اندازِ کوئی دشمنی وہ لوگ موجود ہیں جو حق سے ٹکرا رہے ہیں اور گیسوئے دجلہ و فرات کی آب و تاب دہی ہے جو محرمِ الحرام ہجری کو بھی لیکن بقول علامہ مرحوم کاروانِ حجاز میں حسینؑ سا کوئی نہیں۔ علامہ صاحب کے شعر سے بآسانی یہ پتہ چلتا ہے کہ

خونِ حسینؑ دُعوٹِ صدِ انقلاب تھا

یعنی باطل کے خلاف مسلمانوں کو ہر لحظہ شمشیرِ کف، کفنِ برد و دش رہنا چاہیے وہ اس لئے کہ

یہ دُور اپنے براہِ ایم کی تلاش میں ہے

جس نیک جذبے کی ابتدا جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے قربانی جنابِ اسماعیل علیہ السلام سے کی تھی اس کی انتہا سرکارِ سید الشہداء نے اپنی، اپنے عزیزوں کی بے ہا قربانیاں پیش کر کے دَفْدَيْنًا بِذَنْبِ عَظِيمَا کی تفسیر خاک کر بلا پر اپنے لہو سے جلی حروف میں ثبت کر دی، یقیناً دجلہ و فرات کا طمطراق مسلمانوں کو دعوتِ صدِ انقلاب دے رہا ہے۔ لیکن کوئی نہیں۔ جو گے بڑھ کر دجلہ و فرات کے پاؤں میں زنجیر ڈال دے اور وقت کے یزید کا

سارا کس بل نکال دے

از نگاہ خواجہ بدیع الدین

فقر سلطان وارثِ حبیب

جادید نامہ ۲

جب ہم اپنی تاریخ پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کہیں کہیں ان مردانِ حق آگاہ، عاشقانِ خدا، کلمہ گوین، محمد مصطفیٰ کا پتہ ضرور ملتا ہے۔ جنہوں نے اثباتِ حق اور باطل کے ابطال کی خاطر سروسامان کی بازی لگا کر یہم اسلام کو بلند رکھا۔ اور اسلام کی ڈوٹی نڈ کو پار لگانے کے کچھ ایسے بھی سرفروش مل جائیں گے جنہوں نے خاک و خون کے دریا کو پاٹ کر یہ فریضہ ادا کیا ہے۔ اس کی ایک اعلیٰ مثال، علامہ موصوف نے اپنے اس شعر میں شیر میور سلطان فتح علی المعروف بہ سلطان ٹیلیپ کے حوالے سے پیش کی ہے۔

سلطان ٹیپو وہ ہے جو تاسی سرکارِ امام حسین علیہ السلام میں نعرہ تکیہ بلند کرتے ہوئے، انگریزوں کے خلاف اٹھا، حسب دستور اپنوں نے جی بھر کر مخالفت کی اور باطل طاقت (انگریز) کے ساتھ مل کر ٹیپو کے خلاف برد آڑا ہونے، ان میں کچھ ننگ دین جمع تھے تو کچھ صادق ایسے ننگِ زمان، ننگِ وطن بھی تھے۔ مگر حتیٰ کے طرفدار، ٹیپو مرحوم کے پائے استقلال میں چہ معنی؟ حق کی راہ میں جان دے کر بھی ٹیپو کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

ٹیپو شہید میں جذبہٴ ایثار و قربانی اور شوقِ شہادت کی روح امام حسینؑ کے مثالی کردار نے پھونک دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب باطل کے خلاف تیغ بکف ہوا تو عارضی زندگی سے بے نیاز ہو کر کہتا ہے کہ ”گیدڑ کے سوسا کہ زندگی سے شیر کے ایکے دانے کے زندگی کہیں بہتر ہے“

یہ سبق شیر میور نے شیرِ خدا کے نورِ نظر، فاطمہ الزہرا کے لختِ جگر، سرکارِ امام حسینؑ سے لیا تھا۔ حسین علیہ السلام آج سے ۱۳ سو سال قبل یہ آفاقی پیغام دے کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے کہ دیکھو! ذات کے زندگی سے عزت کے موت بہتر ہے۔

پس جس قوم نے اس پیغام کی روشنی میں اپنے اسبِ زندگی کو مہینہ کیا۔ وہی فرد اور ملتِ زندگی کے ہر شعبے میں کامیاب و کامران دکھائی دیتی ہے۔ وہی معاشرے میں اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ آج وہی فتح و نصرت کا نشان بھی ہے اور صاحبِ ذی شان بھی

گرچہ ہر مرگ اسٹ بر مومن شکر

مرگ پور مرتضیٰ چیرے دگر

جادید نامہ ص ۲۱۸

شاعر مشرق نے اپنے آفاقی کلام و پیام میں بندہ مومن کی مختلف حیثیتیں بتلائیں، اور گنوائی ہیں۔ یعنی مرد مومن کی پہلی صفت تو علامہ صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ وہ بے تیغ بھی ہو تو حق کی حمایت میں باطل سے ٹکرا جانے کی جرأت رکھتا ہے۔ دوسری صفت مومن کی انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ وہ آفاق میں گم نہیں ہوتا بلکہ آفاق اس میں گم ہوتے ہیں اور اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ وہ ہر لحظہ وصالِ حقیقی کا خواہاں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے اں موت کا تصور حسین سے حسین تر ہوتا ہے۔ مدت مومن کے لئے معراجِ زمہ گری کا پیغام ہوتی ہے۔ موت سے خوف و ہراس جندہ مومن کے پاس! چہ معنی؟ وہ تو سرکارِ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے اس فرمان کی روشنی میں آگے بڑھتا ہے کہ

”نہیں ڈرتا ابوطالب کا بیٹا موت سے چاہے موت

اس پر آنے پڑے یا وہ موت پر جا پڑے“

اور پھر یہی پیغام مولائے کائنات، دانائے سُبُل، وصی ختم الرسلؐ نے ایک مقام پر یوں دیا۔

”کہ میں (علیؑ) موت سے یوں کھیلتا ہوں،

جیسے شیر خوار بچہ اپنی ماں کے چھاتیوں سے کھیلتا

ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ بندہ خدا و رسولؐ اور محبِ حیدرؑ کے نزدیک موت ایک حسین شے ہوتی ہے اس کے لئے موت قند من پسند ہوتی ہے لیکن دوسرے معرعہ میں علامہ صاحب نے

مرگ پور مرتضیٰ چیرے دگر

کہہ کر ایک بہت بڑے مسئلہ کو حل فرما دیا ہے۔ کیا کہتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے جو طوطے کی طرح ایک ہی رٹ لگاتے جا رہے ہیں کہ نقل کُفر، کُفر نہ باشد“ حضور نبی اکرم (ﷺ) ہم جیسے بشر تھے۔ مگر صاحبِ علامہ صاحب تو آپ کے اس فلسفے کے خلاف ہیں۔ وہ تو عام مردِ مومن کی موت و حیات سے ”مرگ پور مرتضیٰ“ کو مختلف گردانتے ہیں۔ اور پور مرتضیٰ سے مراد علامہ صاحب کی سرکارِ سید الشہداء، امامِ ہدای، حسین علیہ السلام

تو اس بحث سے معلوم یہ ہوا کہ مسلمان تو مسلمان رہا، یہاں تو بندہ مومن جو مسلمان کی معراج متصور ہوتا ہے وہ بھی ان نوری بندوں کے مقابلہ پر نہیں آسکتا۔ ان کی تخلیق ہماری تخلیق سے جدا، ان کی موت ہماری موت سے بہت مختلف ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہماری موت میں اور ائمہ کی موت میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ عام انسان یا بندہ مومن کی تخلیق میں واضح فرق موجود ہے۔ مرگ، پورے ماضی، اثبات حق کے لئے تھی۔

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونی و ثانی

بالِ جبریل ۱۵

یہ وہ آفاقی شعر ہے، جو اپنے دامنِ معرفت میں ایک وسیع و بلیغ مضمون کو احاطہ کئے ہے۔ علامہ موصوف نے یہی آفاقی پیغام اپنے کلامِ بلاغت نظام میں مسلسل اس سے پیشتر بھی نبی اکرمؐ، علی المرتضیٰ کے ابواب میں دیا ہے۔ کبھی یہ کہہ کر:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز !!

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور پھر علی المرتضیٰ کے باب میں اس کا اعادہ اس رخ سے کیا۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ گن نے؛

وہی فطرتِ اسدِ الہی، وہی مرجئی، وہی غنچی

جب ہم حکیم الامت کے ان اشعار کو تاریخ کے آئینے میں پڑھتے اور پڑھتے ہیں۔ تو حقیقتِ واقعی یہ ظاہر ہوتی ہے کہ نہ تو ستیزہ گاہِ جہاں نئی ہے اور نہ ہی ستیزہ کا گاہِ نیا ہے اور نہ ہی حریفِ پنجہ گن نے ہیں۔ بقول علامہ صاحب وہی اصول کار فرما ہے جو روزِ ازل سے عمل میں آیا تھا۔

یعنی روزِ اول بارگاہِ ایزدی میں حکمِ الہی سے سرتابی کرنے پر ابلیس (شیطانِ رحیم) قرار پایا۔ نبی اکرمؐ کے دور میں ابلیسیت شرارِ بولہبی بن کر چراغِ مصطفوی کے بجھانے کو بڑھی۔ لیکن پھر کون سے یہ چراغ بجھایا نہ جاسکا

اس لئے کہ وہ چراغ کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔ اعلان رسالت مآب کے بعد امامت کا دور شروع ہوا، تو شرابِ بولہبی نے مرحب و عتزی کی صورت بدل کر امام برحق سے پنجہ آزمائی شروع کر دی اور یہ کوئی نئی چیز نہ تھی، نہ ستیزہ گاہ، جہاں نئی تھی نہ حریف پنجہ فگن تھے، بالآخر شرابِ بولہبی اور خوئے مرحب و عتزی نے یزیدیت کا روپ بدل کر حسینیت نبرد آزما ہوئی۔ حق و باطل کے درمیان ایک خوفناک تصادم دشتِ نینوا، ارضِ کربلا میں لسنہ ہجری کو رونما ہوا۔ نتیجہً خیر حسبِ سابقِ حسینؑ کے حق میں نکلا اور شکست جو باطل کا ہمیشہ سے مقدر رہی ہے۔ یزید کے حصے میں آئی۔ ذاتِ احدیت حسینؑ کی مشکور ٹھہری اور یزیدِ نجس ملعون و ملعون قرار پایا یہاں تک کہ نامراد کا نام تک داخلِ دشنام ہو گیا۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق

معرکہٴ وجود میں بدو و حنین بھی ہے عشق

بالِ جبریل ص ۱۵۳

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علامہ صاحب کا فلسفہ دگر تو عشق، کیف و مستی، خودی و بے خودی اور بندہ مومن کے گرد طواف کرتا ہے۔ اس شعر میں بھی عشق کی بات ہے۔ عشق ایک مسلسل امتحان کا نام ہے۔ نسلِ آدم میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ کا امتحان ہوا۔ قصہ طویل ہے۔ مختصر یہ کہ آدمؑ کامیاب ہوئے۔ دستارِ فضیلت کے مستحق اور خلعتِ خلافت کے سزاوار قرار پائے۔ حضرت نوحؑ نے امتحانِ عشق طوفانِ بلاخیز میں کشتی اتار کر پار کیا۔ تو بامراد ہوئے۔ یونسؑ نے شکمِ ماسی میں امتحانِ عشق کی منازل طے کیں۔ حضرت زکریاؑ نے بوقتِ امتحانِ عشق زیرِ آرا مسکرا کر دیا۔ جنابِ ابراہیم خلیل اللہؑ نے یہ امتحان تارِ نرد میں کو دکر پاس کیا۔ موسیٰؑ نے یہ امتحان کوہِ طور پر جاکر، عیسیٰؑ نے صلیب پر چڑھ کر یہ امتحان دیا۔ اور آخری نبیؑ نے تو اپنی پوری زندگی اسی امتحان میں گزار دی، علیؑ رضی اللہ عنہ نے تو مسجدِ کوفہ میں ابنِ طلحہ کا خنجر لگنے اور ذوالقرنین بننے پر صاف کہہ دیا فزت بربِ کعبہما (رب کعبہ کی قسم میں اپنے مشن میں کامیاب رہا)۔ امام حسنؑ نے یہ امتحان زہرِ ہلاک کو بصورتِ قند پی کر پاس کیا اور نچنچِ پاک کی آخری فردِ امام حسین علیہ السلام نے یہ امتحان سرِ نوکِ سناں یوں دیا کہ نبیوں کو حیران کر دیا۔ اور بالآخر علامہ علیہ الرحمہ کو کہنا پڑا کہ خلیل اللہ کے عشق اور خواجہ بدر دین کے عشق کی طرح کا عشق صبرِ حسینؑ میں پایا گیا۔

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری

میراثِ مسلمانانِ سرمایہ شبیری!!

بال ہرمل ص ۲۱۳

علامہ صاحب کے شعر کی رو سے "فقر" کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فقر وہ ہے جو انسان کو ضمیر فروشی سکھاتا ہے اور فقر کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کو باضمیر بنا کر جذبہ شبیری عطا کرتا ہے۔ اول الذکر فقر میں انسانیت کی منزل سے گر جاتا ہے۔ اس کا معاشرے یا مذہب میں اور خاص کر اسلام میں کوئی خاص مقام نہیں رہتا۔ بلکہ ایسا فقر انسانیت کے چہرے پر بدنما داغ ہوا کرتا ہے۔ اور فقر شبیری وہ ہے جس میں تمکنت جہان بینی اور دلوں پر حکمرانی کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ اور یہی وہ فقر ہے جو مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت ہے۔ اور گم گشتہ میراث ہے۔ اور یہی وہ سرمایہ ہے جہاں جبر و مبالغہات کرے کم ہے۔ فقیر شبیری میں امیر کا ہے۔ یہی سرمایہ شبیری میراثِ مسلمان ہے۔ مسلمان کی مسلمانیت یہی ہے کہ وہ سرمایہ شبیری میراث میں پائے۔

نکل کر خالقاً ہوں سے ادا کر رسمِ شبیری!

کہ فقر خالق ہی ہے فقط اندہ دگیری!!!

ارمغان حجاز

شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال بزرگانِ دین، ادباءِ کرام کے بتائے ہوئے اصولِ زندگی کو اپنے لئے مشکل راہ سمجھتے تھے اور ہمیشہ اقوال بزرگانِ دین کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے، مگر ان کے مزارات پر بیٹھنے والے نام نہاد صوفیوں، پیروں اور سجادہ نشینوں کے رویہ سے ساری عمر نالاں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ موصوف فقر خالق ہی اور ربانیت کے خلاف آوازِ حق بلند کرتے ہوئے، مسلمانانِ عالم کو اسوۂ شبیری پر گامزن ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسوۂ شبیری یقیناً محکم، عملِ پیہم سے عبارت ہے۔ اس میں جمود نہیں بلکہ جہد ہے۔ اس کے برعکس صوفیت درہبانیت میں جہد سے احتراز، عمل سے بیگانگی امر لازمی ہے۔ حالانکہ زندگی جہدِ مسلسل، عملِ پیہم اور یقیناً محکم کا نام ہے۔ جہد سے گریز قوموں کی موت ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ موصوف ہمیشہ ایسے تصوف کو زہرِ لاپرواہی گردانتے رہے جو قوم سے جراتِ رندانہ چھین لے اور عمل سے بیگانہ کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر پرستی کی دبا، اسلام میں خالقاً ہوں سے شروع ہوئی جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری ملتِ اسلامیہ میں سراپت کر گئی۔ یہ وہ زہرِ لاپرواہی تھا جسے ثمرِ قذیحہ کر نادانوں نے لہو شوقی تو لیا مگر اس

کے نتیجے پر نظر نہ کی۔ ہوا یہ کہ قوم میں تارک الدنیا ہونے کا رجحان پڑھتا چلا گیا۔ اور یہ سلسلہ آج بھی، تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ہمارے نزدیک جس قدر نقصان اسلام اور شریعت محمدیہ کو اس نام نہاد تصوف سے پہنچا وہ شاید ہی کسی اور چیز سے پہنچا ہو۔ یہ اسلام کے عالم گیر پیغام اور زترین اصولوں کے متوازی ایک سوچا سمجھا منقہ رقیہ تھا جس نے سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو انہوں نے اسلام کی بجائے خانقاہوں کی چادر دیواری میں جلے اماں تلاش کی۔ جس کی وجہ سے زندگی کی ہماہمی ان سے رخصت ہوئی۔ موت نے بڑھ کر لیا اور وہ جمود کے شکار ہو گئے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ زندگی خانقاہوں پر بھبھوت مل کر بیٹھ جانا یا اللہ ہو، اللہ ہو کا درد کرنے کا نام نہیں۔ اس کے لئے عمل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ

عَلَمٌ مِّنْ رَّحْمَةِ رَبِّكَ يُنَبِّئُكَ يَوْمَ تُبْتَلَىٰ

علامہ مرحوم کے اس معرکہ میں جنت اور جہنم کا انحصار عمل پر ہے۔ دلیل کے لئے سرکار رسالت مآب کا یہ فرمان پیش کر دیا جائے تو موقف اور مضبوط ہو جائے گا۔ سرکارِ دُجہاں اپنی چھٹی بیٹی فاطمہ الزہراءؑ سے فرماتے ہیں ”فاطمہ! یاد رکھو، آخرت میں اعمالِ صالحہ ساتھ دیں گے۔ یہ مت خیال کرنا کہ تم محمدؐ کی بیٹی ہو۔“ آنحضرتؐ فرماتو فاطمہ سلام اللہ علیہا کو رہے تھے مگر بالواسطہ کان میں اپنی امت کے ڈال رہے تھے۔ ”الاکبر! اعمالِ صالحہ سے زندگی کیفِ زنا، جنت فضا بن جاتی ہے اور کردار کے فقدان سے یہی زندگی دنیا میں لعنت اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنتی ہے۔ اٹھ اور اے مسلمان اپنے اعمال کا محاسبہ کر، جمود چھوڑ، جہد کو اپنا۔ کیونکہ زندگی حرکت مسلسل کا نام ہے۔ خانقاہوں سے باہر آ اور رسمِ شیعری ادا کر کر یہی ہے ایک تیرے مرضِ کہن کا چارہ۔ اگر خدا نخواستہ اب بھی تو نہ سنبھلا اور عزیمتِ شیعری سے کام نہ لیا تو پھر یاد رکھ یہ خانقاہی فقر جسے تو باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ دنیا تے دلوں میں اندوہ و دگیری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

نَوَائے کہ بے سازِ تقدیر نیست

نَوَائے کہ بے ضربِ شبیر نیست

روزنامہ انقلاب

یہ شعر روزنامہ انقلاب (لاہور) سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ اشعار علامہ مرحوم نے اس پرچے کے خصوصی نمبر ”شبیر“

سے آنے کے لئے تھا۔

بندہ مومن کی صفات میں سے ایک صفت علامہ مرحوم نے اپنے شعر میں یہ بھی بیان کی ہے کہ اس کی آواز تو آوازِ قدرت سے مشابہ ہو۔ یعنی تقدیر کے عین مطابق ہو۔ جہاں اس کی نوا سادہ تقدیر سے نکلی ہوئی صدا کی خصوصیت رکھتی ہوگی وہاں اس کی ضرب یقیناً ضربِ کاری اور دشمن پر بھاری ثابت ہوگی اور وہ مشیتِ ایزدی کے عین مطابق ہوگی۔ ایسی نوا اور ایسی ضرب تو نوائے شہیری اور ضربِ شہیری کے سوا ہو نہیں سکتی۔

اگر بندہ اس نوائے زند

پوئیزدانِ جہان آفرینی کند

روزنامہ انقلاب

اگر بندہ مومن ایک وقت ایسا مقام حاصل کر لیتا ہے جہاں وہ سادہ تقدیر سے ہم نوا آواز بند کرتا ہے تو اس کی آواز میں ایسی اثر آفرینی کا درما ہو جاتی ہے جس سے وہ دنیا پر حکمرانی کرتا ہے۔ یعنی انسان کے دل و دماغ پر حسین ابن علیؑ کی طرح اس کی عظمت کے نمٹ نقوش ثبت ہو جاتے ہیں اور یہ منزل بندہ مومن کو اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اسوۂ شہیری پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ ایک مقام پر علامہ فرماتے ہیں:-

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ

اہل حق حریت آموز از حسینؑ

رموزِ بخودیؑ

جہاں زندگی کو آوازِ جاں گداز دلوں کو دلولہ تازہ، حسین علیہ السلام کے دم سے ملا ہے وہیں اہل حق کو ایک اور نعمت بے بہا بھی خدائے بزرگ دہتر نے مرحمت فرمائی، جو انسان کے حسن کا سبب اور انسانیت کے ماتھے کا جھومر بنی اور جسے ”حریت“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سرکارِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام آزادی افکار، حریت ضمیر کے ایک عظیم علمبردار ہیں۔ آپ نے حریت کے لئے وہ بے مثال قربانیاں راہِ خدا میں پیش کیں جس کی نظیر ٹھونڈے سے نہیں ملتی۔ اہل حق نے حسینؑ ہی سے حریت اور آزادی کا سبق لیکھا ہے۔

نمازِ عشقِ حسینؑ حجاز ہے گویا

یہی نمازِ خدا کی نماز ہے گویا

عبادات میں سب سے بڑی عبادت اور ارفع و اعلیٰ مقام کی حامل ”نماز“ ہے۔ علامہ موصوف

نے اس شعر میں نماز کی فضیلت اور عظمت بیان کی ہے اور نماز "کہتے کسے ہیں" اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیسا ہے؟ اس کے لئے ایک معیار قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ نماز تو عشق کا درس دیتی ہے۔ اور یہ درس سوائے حسینؑ کے کوئی اور نہیں دے سکتا۔ گویا نماز پڑھنے سے پہلے عشق حسینؑ کا ہونا امر لازم ہوا۔ وگرنہ نماز اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ نماز مومن کی معراج جیسی ہو سکتی ہے جبکہ اس کے نگ و پے میں عشق حسینؑ سرایت کر جائے۔ دوسرے معرے میں علامہ صاحب نے خود ہی فیصلہ دے دیا کہ بس اگر نماز کوئی نماز ہے تو وہ عشق حسینؑ ہے اور یہی افضل ترین عبادت ہے اس کے بغیر نماز کا تصور بے معانی اور لالینی ہوگا۔

جس طرح مجھ کو شہید کر بلا سے پیارا ہے

حق تعالیٰ کو یتیموں کی دُعا سے پیارا ہے !!

باقیات اقبال ص ۵۷

ہر ذی شعور کو سرکارِ امام حسینؑ علیہ السلام سے ویسے ہی عقیدت و محبت ہے جسکا اظہار مُفکر روزگار شاعرِ اہلبیت تبارِ حکیم الامت ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے سرکارِ سید الشہداء امام ہدیٰ، نورِ دیدہ و مرقفیٰ، نختِ دلِ فاطمہ سے ویسے ہی پیارا ہے جیسے خداوندِ متعال کو یتیموں کی دُعا سے ہوتا ہے۔ یتیم کے لب سے نکلی ہوئی دُعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ بلکہ اس کی دُعا کے بغیر مقدم کو درِ اجابت بارگاہِ ایزدی ہمیشہ دُارِ ستلہ ہے۔

روئے والا ہوں شہیدِ کر بلا کے غم میں میں

کیا دُرِ مقصد نہ دیرے گے ساقی کو تر مجھے؟!!!

اللہ اللہ کس خوبصورت انداز میں علامہ موصوف نے اپنا دلی مدعا بیان کیا ہے۔ پہلے تو پیار، پھر اس کے مرکز کی خبر اور مثال کے لئے یتیم کی دعا کو سامنے رکھا اور اب اس شعر میں اپنا دلی مدعا بیان کرتے ہیں تاجدارِ ہل اتی، مشکل کشا، شیر خدا، حضرت علی المرتضیٰؑ کی بارگاہ میں، اور اس دعویٰ کے ساتھ کہ میں (اقبال) عزادارِ سید الشہداء ہوں ان کے غم میں اشک فقاں، ماتم کناں ہوں وہ اس لئے کہ

ماتم شہیدِ راہِ خدا کا ثواب ہے

یہ سنتِ جنابِ رسالتِ مآب ہے

اخترِ حرم

اور حقیقت یہ ہے کہ اقبالِ سنتِ رسالتِ مآب اور تاسی ائمہ اطہار ہی کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعر کے مصرعہ ثانی میں ساقی کو تر سے دُرِ مقصد کے طلبگار دکھائی دیتے ہیں۔

کبھی میں قتل ہوا کربلا کے میدان میں
کبھی کبھی ہے ستم پر بھی آفریں میں

سرورِ درختہ صر

سرگزشتِ آدم کا فلسفہ نہایت عمدگی سے دو مصرعوں میں بیان کر کے، آنے والی نسلوں کو ایک فکر دے گئے۔ ہم تو اس شعر سے اتنا سمجھ سکے ہیں۔ تذکرہ کرب و بلا کے بغیر تاریخِ انسانیت نامکمل تھی، اس واقعہ کے بعد انسان میں جلنے کا شعور پیدا ہوا۔ اور حق پر مرنے کی تڑپ دکھائی دینے لگی۔



کبھی اٹے حقیقتِ منتظر نظر آبا س مجاز ہیں

کہ ہزاروں سجدے تڑپے ہیں میری جبینِ نیاز میں

بانگِ دراختہ ۳۳

کرہ ارض پر بسنے والی کلمہ اقوامِ دہل چاہے وہ کسی بھی مذہب سے وابستگی رکھتی ہوں، کسی نہ کسی رنگ اور ڈھنگ میں کسی کے آنے کی منتظر دکھائی دیتی ہیں۔ غیر مسلموں میں سے پہلے اہل ہند کو ہی لے لیجئے، انہیں آج بھی کرشن جی مہاراج کے آنے کا انتظار ہے۔ اسی طرح سکھوں کے ہاں "کلنکی اوتار" کا انتظار ہو رہا ہے۔ خود سکھ مذہب کے بانی "گورو جی" نے اپنے ہاں "گرنٹھ صاحب" میں لکھا ہے کہ آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا راہبر مہدی - میر ہوگا - یہی "اوتار" کلنکوں (یعنی جبروں گناہوں) کو دور کرے گا۔ اسی کی پیروی میں فلاح و نجات پوشیدہ ہوگی۔ "گورو جی مہاراج" کے اسے بیان پر مہر تصدیقِ بابا گورو نانک جی نے ان الفاظ کے ساتھ ثبت فرمائی ہے، 'آپ فرماتے ہیں کہ مہدی میر، سادات سے ہوں گے اور ددرا آخر کے سردار و سرور اور تاج امامت کے وارث ہوں گے۔

مجوسیّت کے راہبر زردشت نے بھی ظہورِ مہدی کی خبر دی ہے، ہر کیف تمام مذاہبِ عالم یہودی عیسائی، مجوسی، ہندو، سکھ سب کے سب اپنے اپنے انداز میں مہدی برحق، حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے میں خواہاں دکھائی دیتے ہیں۔ صرف ناموں میں فرق ہے، وہ بھی ویسے جیسے مذہب میں فرق ہے۔ مگر اس بحث سے قطعِ نظریہ تو تسلیم شدہ بات ہے کہ ہر مذہب مہدیؑ م در اں کے انتظار میں دیدہ دل فرشِ راہ کئے ہے۔ اگر کلامِ اللہ سے قبل کی کتب آسمانی میں غور کیا جائے تو ان میں بھی جگہ جگہ ایک مدبرِ عالم اور مصلحِ کائنات کی خبر ملتی ہے۔

زبور داؤد میں جو توریت و انجیل کا جزو کہلاتی ہے۔ اس میں بھی اہل جہاں کو ایک مصلح کی خوشخبری دی گئی ہے جو سمندر سے سمندر تک دنیا کے دوں کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ اور اہم عالم اس کے زیر نگین ہوں گی۔ اس کا وجود 'ذی جود اہل عالم کے لئے باعث خیر و برکت ہوگا۔

اسی طرح حقیقت منتظر کی خبر توریت ان میں الفاظ دہی ہے کہ ایک مصلح بزرگ آئے گا جب کہ دنیا سے امن و امان ناپید ہو جائے گا۔ لوگ اس سے امان چاہیں گے۔ اسی کتاب کے تیسویں باب میں ایک ایسے عادل و منصف بادشاہ کا ذکر نیز بھی ملتا ہے۔ جو روئے زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دے گا، اور یہی روئے زمین کا مالک ہوگا۔

اسی حقیقت منتظر کی خبر نہایت شد و مد کے ساتھ قرآن پاک میں بھی ملتی ہے۔ اس ضمن میں کلام اللہ کی حسب ذیل آیات بینات ملاحظہ ہوں

- هٰدِيَ الْمُتَّقِينَ ۚ الَّذِي يَوْمُنَ بِالْغَيْبِ
- دَلَعَدُ كُنَّا فِي الزُّبُرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنْ اِلَاضِ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ
- وَعَدَ اللَّهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَمَحِلُّوا لِمَا بَلَغْتُمْ يَسْتَخْلِفْنَكُمْ فِي الْاَرْضِ
- هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلِكُلِّ وَاٰلِهٖ مَشْرُكٌ
- قُلْ لَكُمْ مِيْعَادٌ يَوْمَ لَا يَسْأَلُوْنَ عَنْكُمْ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَفْتِدُوْنَ

اسی حقیقت منتظر کی نشاندہی ابن عربی اور عبد الکریم جیلی، اپنی اپنی کتاب میں جس ہستی کو خالق کا عظیم شاہکار قرار دیا۔ اس کی آمد کا پتہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہستی پوری آب و تاب کے ساتھ عالم شہود میں جلوہ گر ہوگی۔

ہاں تو ہم حقیقت منتظر کے سلسلہ میں مذاہب عالم کے حوالے سے بات کر رہے ہیں، تو اس ضمن میں عیاں

۱۔ زبور داؤد (طبع لندن)

۲۔ کتاب ارمیاہ توریت ص ۱۱۳ (طبع لندن)

۳۔ انے آیات کے دلائل کے سلسلہ میں تفسیر رازمی، تفسیر کشاف، تفسیر مجمع البیان دیکھئے

۴۔ حوالے کے لئے دیکھئے کتاب فصوص الحکم (ابن عربی)

۵۔ الانسان الكامل (جلتے)

کو عیسیٰ ابن مریم کا انتظار ہے اور ضرورت سے کہیں زیادہ اس وقت مسلمانانِ عالم اور بالخصوص شیعیان حیدر گڑا کو اس مہدی برحق، صاحب الامر، امام العصر، مہدی موعود کے آنے کا شدت سے انتظار ہے جس کے لئے خنز زمین پر ایک عرصہ سے دیدہ و دل فرس راہ کئے ہیں اور فلک چہارم پر عیسیٰ ابن مریم ان کے منتظر دکھائی دیتے ہیں۔ غرضیکہ انبیاء سے لے کر جنّ و انس سبھی اسی حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے متمنی دکھائی دیتے ہیں جسے خالق کائنات، ذات واجب الوجود نے چشمِ عالم سے پوشیدہ رکھا۔ یہی پردہ غیب ہے۔

اقلیمِ امامت کے اس آخری تاجدار، رحمت پروردگار، رونقِ لیل و نہار، زینتِ ارض و سما، امامِ ہدیا کے سلسلہ میں اقلیمِ امامت کے تاجدارِ اول، دانائے بل، مولائے گل علی ابن ابی طالب ارشاد فرماتے ہیں:-

”کہ جب وہ آئے گا تو دینے کا ”یعسوب“ اپنی جگہ قرار پائے گا، اور اس طرح سے سب سے سب سے اس طرح بڑھیں گے کہ جیسے موسمِ خزاں کے ”قرعے“ جمع ہوتے ہیں۔“

امیر المومنین کے اس قول کی وضاحت میں علامہ سید رضی علیہ الرحمہ یوس رقم فرما رہے ہیں:-

”الیعسوب“ الیہما العظیم المملک الاموال الناس

یعسوب سے مراد وہ بلند مرتبہ مراد ہے جو لوگوں کے معاملات کا مالک

یوسنہ ”مواقزع“ قطع النعیم انقی لا صافیہا

ہوگا۔ قرع ”نیز کا وہ ٹکڑا کہلاتا ہے جو پانی سے خالی ہو۔“

معلوم یہ ہوا کہ الیعسوب سے مراد، حقیقتِ منتظر، مہدی برحق ہے۔ خود علی عظام اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے:-

یَوْمَ نَخْدَعُكَ كُلُّ اَنَايٍ بِاِمَامِہِہ

ہم قیامت کے دن ہر فردِ بشر کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

۱۰ پنج البلاغہ (کلام امیر)

۱۱ سورہ بنی اسرائیل (القرآن العظیم)

اس آئیہ مبارک سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر زمانے میں امام مفرض الطاعتہ حامل وصاحب القرآن کا ہونا ضروری ہے ورنہ آیت تشرہ جلے گی اور حجت خدا سے کسی لمحے بھی دنیا کا خالی رہنا، نقوذ باللہ صداقت قرآن کے منافی ہے۔ لہذا خالق کائنات نے اپنے کلام کی صداقت کے مد نظر، اپنی آخری حجت خلافت کی نظروں سے الی یوم الوقت المعلوم کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اور اسی حجت حق کی معرفت قیامت تک کے لئے ضروری ہے۔ کتب احادیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ اگر ایام دنیا سے ایک روز بھی باقی رہے تو خداوند عالم اس روز کو طویل کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس روز میری اہل بیت میں سے ایک فرد مبعوث ہو کہ جس کا نام میرے نام سے ملتا ہو گا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔

خالق کائنات کے ارشاد کی روشنی میں جب حضور ختمی مرتبت کی یہ حدیث پڑھتے ہیں تو اور بھی اثبات و بڑھ معرفت امام وقت واضح ہو جاتے ہیں۔ حدیث رسالت مآب ہے

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ، فَقَدْ مَاتَ مَيِّتَةً الْجَاهِلِيَّةِ (الحديث)

جس نے نہیں پہچانا اپنے وقت کے امام کو اور وہ اسی لاعلمی میں مر گیا تو گویا وہ جہالت کی موت مرا

خالق کائنات خوب جاننے والا ہے کہ حضرت انسان میل و محبت کرنے میں طاق ہے، لہذا، اس نے حجت کی گنجائش ہی ختم کر دی اور اپنی آخری حجت، مہدی برحق کو قیامت تک کے لئے محفوظ مامون کر لیا۔

حقیقت منتظر کا آنا ضروری ہے اور وہ آئیں گے جسکا ساری دنیا کو انتظار ہے، فرق صرف ناموں میں ہے، سکھ انہیں کلنگی اوتار، گوردانک جی مہدی۔ میر، ہنود، کرشن جی مہاراج کا نام دیتے ہیں اور مسلمانان عالم انہیں ہادی دوران، مہدی برحق، صاحب الامر، امام العصر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اقبال سوار اشپ دوران کا نام دیتا ہے تو کبھی نگاہ زلزلہ عالم افکار سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی مہدی برحق کو قوموں کی حیات کا مرکز نقطہ گردانتا ہے۔ اور عالم دار فنگی میں اس حقیقت منتظر کو بے نقاب دیکھنے کا خواہاں دکھائی دیتا ہے اور کبھی یہ کہتا سنائی دیتا ہے۔

لے حوالے کے لئے مندرجہ ذیل صحیح ترمذی دیکھئے۔

يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا وَقِسْطًا كَمَا حَلَّتْ ظُلُمًا وَجُورًا

سے اس حدیث شریفہ میں لَمْ يَعْرِفْ بے لَمْ يَعْلَمْ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محضے جاننا کافی نہیں ہے

بکر بیچانا (معرفت) نہایت ضروری ہے۔

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو

وہ رونقِ انجمن کی ہے انہیں خلوتِ گزینوں میںؔ

بانگِ درامشا

علامہ صاحب کے اس شعر سے یہ خیال باطل ہو جاتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی نے پیدا ہونا ہے لیکن یہاں تو پتہ یہ دیا جا رہا ہے کہ جس کی دید کو مدتِ مدید سے نگاہیں بیکار رہیں وہ رونقِ دنیا و دیں، یہیں ہم کہیں پوشیدہ ہے۔ اس کی معرفت انسان کا بل ہونے کی دلیل ہے۔ بقول علامہ مرحوم،

کے کو دیدِ عالم را امامِ اسٹ

ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

مَنْ دَلَّ عَلَى تَأْتِيهِمْ أَوْ تَمَّامِ اسْت

اقبال علیہ الرحمہ کے نزدیک وہی انسان، انسانِ کامل کہلانے کا حقدار ہے جو اپنے وقت کے امام کی پہچان کر لیتا ہے۔ اور اس کے برعکس دوسرے مکمل انسان نہیں۔ اسی لئے تو انہیں مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر اُور انبیاءِی در طلبِ خیر!

ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

اگر یابی بدائش در آدیز!!

اگر صاحبِ دو راں، مہدی برحق کی معرفت حاصل نہیں تو کر، اور اگر ایسے نہیں پایا تو جستجو کر در نہ اذروئے حدیثِ رسالت، اب جہالت کی موت تیرا مقدر ہوگی۔ لہذا ایسی موت سے بچ۔ وقت کے امام کو تلاش کر اور جب پالے تو پھر اس کے دامن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو جا۔ اسی میں خیر۔

حاضریم و دلِ بغایتِ نسبتِ ایمؔ

پس زیندِ این و آن وارستہ ایمؔ

اقبال علیہ الرحمہ، اپنے اور اسخِ العقیدہ مسلمانوں کے ایمان کا یقین امام وقت کو یوں دلاتے ہیں کہ صاحبِ العصر، ہم آپ کے حضور، حاضر ہیں، آپ کی غیبت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ

ہے کہ ہم نے اپنے دل کو این د آں کے جھگڑے سے محفوظ کر لیا ہے، کوئی دنیا کی طاقت اب ہمیں اس راہ میں ہٹا نہیں سکتی، اس لئے کہ آپ کی غیبت پر ہمارا پختہ یقین ہے۔ یہی یقین، دین کی اصل ہے۔ اس میں فلاحِ اُخروی کا راز پوشیدہ ہے۔ اسی میں دین و دنیا کی سعادت پنہاں ہے۔ اور آخر میں یوں ملتی جلتی ہوتے ہیں۔

میں آقا یہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے

جس جہاں کا ہے فقط تیری سیاد پر مدار

الغنائن حجاز ص ۲۲

یا امام زمانہ آپ بخوبی واقف ہیں، نہ ملنے کی بے راہروی فقط عروج پر ہے، ہر طرف ایک ہجو کا عالم ہے۔ ہر سمت ظلم و ستم کا بازار گرم ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں اور حد ہو گئی کہ باپ بیٹے سے نالاں، بیٹا باپ سے شاک، ماں نے اسوۃ فاطمہ الزہرا کو نظر انداز کر دیا، بیٹی نے پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ بھائی بھائی کے خون کے پیسے دکھائی دیتا ہے۔ وہ انسان جس کو تو نے اشرف المخلوقات قرار دیا تھا، آج حیوانیت سے بھی پرے دکھائی دیتا ہے۔

یا امام منتظر! مہدی برحق، ہادیِ دوراں! پردہ غیبت سے باہر آجائیے۔ ورنہ آقا یہ دنیا تہ دبالا ہونے والی ہے۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر آپ کا وجود ذی جود اس دھرتی پر نہ ہوتا تو کبھی کی قیامت آگئی ہوتی۔ یہ تو فقط آپ کی سیادت کے باعث قائم و دائم ہے۔

اے سوا بشبِ دُوراں بیا

منشی امیر خدی

اے فروغِ دیدِ امکانِ بیا

وہ کون ہے جس کی کو علامہ اقبال مرحوم "شہسوارِ اسپِ دوراں" کہہ رہا ہے۔ اور وہ کون ہے جس کو

۱۔ اس شعر کے تشریح سید محبوب زید کے مکتبہ العالی نے اپنے کتاب "اقبال اور حجتہ المظاہر" میں بیان کی ہے۔ اور اس کے مفہوم کو انہوں نے اپنے کلمہ کے مطابق سرکارِ رسالت مآب پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ علامہ موصوف کا یہ مطلب نہیں بہر کیف اپنے اپنے رائے ہے۔ دوسرے زید کے صاحب نے اپنے ماں "باب مہدی" ترتیب میں نہیں دیا۔ حالانکہ عنوان کے لئے ائمہ اطہار ہیں۔ امام آخر صاحب العصر الزمان ہیں۔ (عراقی)

امکان کی آنکھوں کا نور کہہ کر آواز دے رہا ہے۔ علامہ مرحوم کی مراد یہاں پر اس شعر سے معدن رسالت کے گوہر تابدار، برج امامت کے آخری تاجدار، مطہر انوار، رونق لیل و نہار، وارث ذوالفقار، زینت ارض و سما، ہمنام محبوب خدا، آرزوئے مرقسی، جانِ جنابِ فاطمہ الزہرا، قائم مقام جنابِ رسولِ خدا، امام حسن عسکری علیہ السلام، امام ابنِ امام، قائم آلِ محمد، ہادی دینِ مبین، صاحب العصر و الزماں، تلکِ زمین و آسماں حضرت امام مہدی علیہ السلام جن کے آنے کا انتظار عرش پر عیسیٰ کو ہے فرش پر خضر کو ہے اور اہل دنیا جس کی دید کے منتظر دکھائی دیتے ہیں مگر

ہے فرق اتنا ہی آمد پہ بس عقیدوں کا !!!

کھڑے ہیں دید کو اپنے، پرانے بیٹھے ہیں

اس شعر کے ذیل میں کیوں نہ کہہ دیں کہ ہندو ہوں یا بدھ مت کے پیرو، پارسی ہوں یا مجوسی، سکھ ہوں یا عیسائی، مسلمانانِ عالم میں سنی ہوں یا شیعہ، سب کے سب کسی کے انتظار میں دیدہ و دل خوش راہ کئے ہیں۔ ہندو کہتے ہیں کلنگی اوتار آنے والا ہے۔ انجیل والے یعنی عیسائیوں کا عقیدہ عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ ہمارے سنی العقیدہ مسلمان کہتے ہیں کہ اس مہدی برحق جس کو مہدی موعود کہا جاتا ہے کا ظہور ہوگا۔ بہر کیف کسی نہ کسی طرح قائلِ ضرور میں مگر اصلیت کیا ہے؟ وہی جو خدا اور رسولؐ نے فرمایا۔ عیسیٰ قیامت کی نشانی ہے (قرآن)، ضرور آئیں گے اور آخری فرزندِ رسولؐ کے ظہور کے بعد ان کے پیچھے نماز ادا کر کے غلبہٴ اسلام (بردئے قرآن) کو مکمل طور پر ثابت کریں گے۔ انہ ر دئے قرآن و حدیثِ رسولؐ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ غائب ہیں اور ظہرِ ظاہر ہونا ہے۔ ان کی غیبت پر اتنا ہی پختہ یقین ہے۔ جتنا انہ ر دئے قرآن ایک متقی کو غائب پر ہونا چاہیے۔ یہی وہ مہدی برحق، امام زمانہ ہیں جن پر شبِ قدر، سورۃ قدر کی رُود سے بحکم رب العزت قَتَلَ الْمَلَائِكَةَ وَالرُّوحَ نِيْمًا بِأَذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ (یعنی فرشتگان الہی اور جنابِ روح الامین ہر امر کے لئے نازل ہوتے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے) اٹھہ سال کے لئے تمام امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ وہ کون ذی شرف ہستی ہے۔ جس پر شبِ قدر فرشتے سلام خدا اور ہر امر کے لئے احکام حاصل کرنے کے لئے نازل ہوتے ہیں جو امر الہیہ کو جاری کرتا ہے۔ یہی صاحبِ الامم ہے یقیناً کوئی اس عالم آب و گل میں ضرور موجود ہے۔

قدم سے مہدی دین کے زمیں قائم ہے پانی پر!!

قرآنی دُنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

کیا اس سائنسی دور کا کوئی مفکر، فلاسفر اور علم و آگہی کا سب سے بڑا دعویٰ دار یا دورِ حاضر کا مَلّا بنا سکتا ہے کہ فرشتگانِ الہی شبِ قدر کس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ کون ہے جس کو سالِ بھر کے احکامِ الہی سپرد کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو سامنے آئے اور دلائلِ پیش کرے۔ نہیں، ہرگز کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور جو کرے گا کاذب ہوگا اور جنہوں نے کیا ان کا حال آپ نے دیکھا نہیں تو سنا اور پڑھا ضرور ہوگا۔

ہم حیران ہیں اپنے ان مسلمان بھائیوں پر جن کا عقیدہ ہے کہ ابھی پیدا ہونا ہے۔ تو بھی بتاؤ کہ شبِ قدر کس کی تم بھی بہت قدر کرتے ہو اس رات فرشتے کس سے گفتگو کرتے ہیں، کس سے احکام پروردگار لے کر جاتے ہیں۔ جبکہ تمہارے عقیدے کے مطابق وہ وجودِ مسعود ابھی عالمِ وجود میں آیا ہی نہیں۔ مگر فرشتے آتے ضرور ہیں۔ قرآنِ حکیم کہہ رہا ہے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ وہ راہِ راست پر ہیں جن کو آنے کا انتظار ہے اور اس کے انتظار میں حضرت خضر علیہ السلام کے دوش بدوش سرود کھڑے ہیں۔ اس لئے کہ آئیں تو استقبال کریں اور دوسرے بھائی بیٹھے ہیں اور اگر یہی عالم رہا تو یقیناً بیٹھے کے بیٹھے رہ جائیں گے۔

تُو نے پوچھی ہے اِمانت کی حقیقت مجھ سے

حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے (آمین)

ہماری دعا ہے کہ جس طرح ہم معرفتِ امامِ زمانہ رکھتے ہیں خدا ہمارے دوسرے کمرہ گوبھائیوں کو بھی یہ توفیق دے کہ وہ اپنے زمانے کے امام، امامِ برحق کی معرفت حاصل کر لیں۔ قرآن میں ہے یومِ نذرِ عوکی اناس با ما ہم روزِ محشر بر فرد بشر اپنے اپنے امام کے ساتھ محشر ہوگا۔ جس کی معرفت عقلاً بھی لازمی ہے۔ دگر نہ انجام اذروئے حدیثِ رسولِ بخیر ہوگا۔ لہذا کوشش کریں وہ لوگ جنہیں معرفتِ امامِ برحق نہیں جسے امامِ زمانہ کی معرفت اتنی ضروری ہے۔ وہ ہادیِ دینِ مبین مہدیِ برحق امامِ آخر ۱۵ شعبان المعظم کو معتمد عباسی کے دور میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے کھلباہر سے جنابِ نرحس خاتون کے بطن سے تولد ہوئے۔ آپ نافِ بریدہ

ختم شدہ پیدا ہوئے۔ آپ کے واسطے باز دہر "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" لکھا ہوا تھا۔ یعنی حق نمودار ہوا باطل فرار ہوا۔ باطل فرار ہونے اور ٹٹنے کے لئے ہی ہے۔ ۲۶ھ کو معتمد عباسی دشمن آل محمدؑ نے برجِ امانت کے گیارہویں تاجدار امام حسن عسکری علیہ السلام کو شہید کر ڈالا۔ آپ (حضرت امام زمانہ) نے اپنے پدر بزرگوار کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور اپنے دادا حضرت امام علی نقیؑ کے پہلو میں دفن کیا۔ معتمد عباسی نے پوری کوشش کی کہ اس شیعہ رشد و ہدایت کو بھی گل کر دے مگر

دُشمن کیسے تجھے جسے روشن خدا کرے

پروردگارِ عالم نے ہر ذری سمجھا کہ اس کو پردہ غیبت میں وقتِ معلوم تک محفوظ کر لیا جائے تاکہ زمانہ حجت الہی سے خالی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلبہ اسلام پورا ہو۔

حضرت امام زمانہ کی درازی عمر کا راز ایک یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب کو تمام کمالات و معجزات سے نوازا تھا جو انبیاء ماسلف کو عطا کئے تھے۔ اس میں طولِ حیات اور شہادتِ عظمیٰ ایسے اعزازات رہ گئے تھے۔ طولِ حیات کو امام زمانہ مہدیؑ برحق بمقام محمدؐ، آخری محمدؑ نے پورا کر دیا اور شہادتِ جلّی کے اعزاز کو امام حسین علیہ السلام، مظلومِ کربلا، شہیدِ غیوا، 'فرزندِ قضا'، 'برادرِ حسنِ مجتبیٰ'، جانِ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا نے سحرائے بے آب و گیاہ میں تین روز بھوک اور پیاس کے عالم میں اپنی اور اپنے جگر پاروں کی قربانیاں دے کر خاتم النبیین، شفیع المذنبین، رحمۃ العالمین، محبوبِ خدا، تاجدارِ لطیف، سر تاجِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمتِ واعزاز شہادت سے بھی نوازا دیا۔ اسی لئے زبانِ وحی ترجمان نے فرمایا تھا الْعُسَيْنُ مِنِّي وَأَنَا مِنَ الْعُسَيْنِ۔ (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں)

پروردگارِ عالم اپنی کتابِ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ ہم روزِ قیامت ہر فرد و بشر کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ اور بشر کا حشر و نشر اس کے زمانے کے امام کے ساتھ ہوگا۔

مَلَأَتْ ظُهُورُ:

(۱) حدیثِ رسولؐ ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور سے پہلے عورتیں حکومت کریں گی۔ عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ

لے اَوْلَانَا مُحَمَّدٌ اَوْ سُلَاطَنَا مُحَمَّدٌ اَوْ خَرَانَا مُحَمَّدٌ وَكَلْنَا مُحَمَّدٌ (حدیثِ رسولؐ) ہمارا پہلا بھی محمدؑ ہے، دُریسنا بھی محمدؑ

آخری بھی محمدؑ اور کلے کے کلے محمدؑ ہیں۔

روزِی کھائیں گی۔ (حدیثِ رسولؐ)

(۲) کنز العمال ص ۲۶۶ پر تحریر ہے کہ عورتیں منبر پر تقریریں کیا کریں گی۔ (خطبہ حضرت علیؓ)

(۳) حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ راوی منصور، کہ جب تم دیکھو کہ لہو و لعب کی جگہیں بنائی گئی ہیں اور وہاں لوگ کھلے بندوں آتے جاتے ہیں۔ اور کسی کو روکنے کی جرأت نہیں، اور صاحبانِ اقتدار کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کر رہے ہیں اور شراب سے علاج کیا جانے لگے تو جان لینا کہ رحمتِ خدا اپنے محبین کے قریب ہے (یعنی ظہورِ امام قریب ہے)

(۴) عورتوں کے سر کے بال اونٹ کے کوبان کی طرح ہوں گے۔ (الزام الناصب ص ۱۸۲ بحوالہ روضہ کافی)

(۵) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ عورتیں کپڑے پہنے ہوئی اس کے باوجود عریاں ہوں گی اور بن سٹور کو گھر سے نکلا کریں گی (سجاء الانوار جلد ۹)

(۶) علامہ زنجیری لکھتے ہیں کہ مغرب کے لمبے بالوں والے نوجوان اپنا شغل ناچ گانا بنالیں گے جن سے مغرب سے لے کر مشرق تک بہت لوگ متاثر ہوں گے (تو سمجھنا کہ ظہورِ امام قریب ہے) (ربیع الا برار پر ناقلمی نسخہ مکتبہ شوستری نجف اشرف)

(۷) ظہورِ امام سے پہلے کے حالات پر امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں کہ لوگ "عِثْنَا" (گائے بجانے کے آلات) جیبوں میں رکھ کر پھرا کریں گے۔ (سجاء الانوار)

اور بہت سی علامات ہیں جو قبل از ظہورِ امام ظاہر ہوں گی۔

ناظرین محترم! حضرت صاحب العصر والزماں عاشر کے روزِ دسویں محرم کو مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ میں رکنِ وقیام کے دوران ظاہر ہوں گے۔ جبرائیل امین ساتھ ہوں گے اور آواز دے رہے ہوں گے اذ بیعتِ خدا کرو۔ لوگ اطرافِ عالم سے کھینچ کر پہنچ جائیں گے اور دستِ امامِ زمانہ پر بیعت کریں گے۔ جب امامِ زمانہ کا ظاہری دورِ حکومت ہوگا تو نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ علامہ اقبالؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں

یخت از جورِ خزاں برگِ شجر
چو بہاراں از ریاضِ ماگذر !

رونقِ ہنگامہٗ ایجادِ شو !

درِ سوادِ دیدہ با آبادِ شو !

آ اور دنیا کے شور و غوغا کی رونق ہو جا اور ہماری آنکھ کی سیاہ تلی میں مسکن پذیر ہو جا۔ علامہ موصوف اس شعر میں مہدی آخر الزماں کے حضور ملتی ہیں وہ اس لئے کہ دنیاۓ دوں فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن چکی ہے ہر طرف شور و غل، افراتفری، نفسا نفسی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے جسکا نقشہ دورِ حاضر کا ممتاز شاہر یوں کھینچتا ہے :-

ہر ایک فرد ہے ہمیں، ہر شربے گلے

قدم قدم پہ اجل ہے، گلی گلی مقتل

جو ان بلاؤں کو ٹالے اُسے تلاش کر د

یقیناً اس دور پر آشوب میں انسان کو سانس لینا دو بھر ہو چکا ہے۔ دنیا سے حقیقی رونق کا نام و نشان ناپید ہو چکا ہے۔ ہاں ہاں ! بقول علامہ مرحوم اگر امام زمانہ پردہ غیبت سے عالم ظاہر میں جلوہ گر ہو جائیں تو یقیناً رونقِ دنیاۓ دوں پھر سے پلٹ آئے اور

۱۰ منظوم سجدے (کلامِ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی ایم اے پی ایچ ڈی) ناسخ "دہقانے" اسلام پورہ کوشن نگر لاہور

شورشِ اقوامِ را خاموش کرے

لغوی خود را بہشتِ آواز گن !!!

اقوامِ عالم سے خلفشار، آپس کی سرکش اور بغض و عناد کی آگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے۔ اگر حجتِ خدا، امامِ ہدی، صاحبِ العصر آن کر لفظِ اخوت و محبت اپنی آواز میں سنا دیں۔ ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں یحییٰ و بدامنی کا دور دورہ ہے۔ وہ کیوں؟ اس لئے کہ آج تک دنیائے انسانیت کسی مخلص و دیندار کی مضبوط اور مستحکم قیادت میں نہیں آئی اور اس دور کا مہدی برحق، بحکمِ الہی پردہٴ غیبت میں وقتِ معلوم کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاروانِ انسانیت بغیر کسی راہبر کے راہ میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ اور قومیں تباہی و بربادی کی راہ پر گامزن دکھائی دیتی ہیں۔

اگر اس عالمِ ہاؤس میں قوموں کے آپس کے اختلافات کو ختم کر سکتا ہے تو وہ رہبرِ کامل ہی کر سکتا ہے۔ جے "مہدی برحق" کہا جاتا ہے۔ بس اس کے پردہٴ غیبت سے باہر آنے کی دیر ہے کہ یہی دنیا جو دکھوں کی آماجگاہ دکھائی دیتی ہے یقیناً بہارِ دہلی کا مسکنِ نغمہ بنے لگے گی۔ خود آقائے نامدار، احمد مختار فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے آنے میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو بھی پروردگارِ عالم میری اہل بیت سے ایک ایسی فرد کو بھیجے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ بقول علامہ سیوطی بنارس مدظلہ العالی

اُن کی رجعت بہار لائے گی

وقت آئے گا گل لٹانے کا !!

جن کی رجعت بہار لائے گی، علامہ مرحوم اس فردِ کامل نگاہِ نازلہ عالمِ افکار کا نام دیتا ہے۔

خیز و قانونِ اخوت سازِ دہ!

جامِ صہبائے محبت باز دہ

لے الارض قسطاً وعدلاً کما ملکت ظلماً وجوراً کتبہ صراحۃ

نے مآخذِ معارفِ اسلام، جلد ۲۲، شمارہ ۴۰، صاحب الزمانؑ، نمبر ۳۹، ستمبر ۱۹۷۷ء، اگست ۱۹۷۷ء۔

علامہ موصوف اس شعر میں بھی بکھنور امام آخر الزماں ملحق ہیں کہ وہ اٹھیں اور قانونِ اخوت کی نوک پلک سنوار دیں اور دلائلِ محبت کے جام بھر دیں یعنی مطلب یہ کہ آج کے اس دور پر آشوب میں انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہے اور بھائی بھائی کا دشمن دکھائی دیتا ہے، دماغوں میں رعونت اور دلوں میں شعلہٴ بغض و عناد روشن ہے۔ اس عالم میں فقط آپ ہی کی مہتی ہے جو انسان میں پیار کی جوت جگا سکتی ہے۔ اور بھائی چارے کی فضا برقرار کر سکتی ہے۔ دماغوں سے رعونت، دلوں سے بغض و حسد کی آگ صرف آپ ہی کی ذاتِ ستودہ صفات ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ صرف دیر اس بات کی ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے جامِ مہبلٹے محبت مرحمت فرما دیجئے گا۔

بازِ دُرِ عالمِ بیارِ ایامِ صلح

جنگجویاں را بدہ پیامِ صلح

آج دنیا کا وہی عالم ہے جو حضورِ ختمی مرتبت کے آنے سے پہلے تھا، یعنی ایک عجیب کیفیت تھی، ہر سو بد امنی، بے چینی کا دور دورہ تھا، بات بات پر جھگڑا، جگہ جگہ تصادم جبکہ لفظ مولانا حالی پانی پتی نے اپنی شہرہ آفاق ”مسدس“ میں کہیں چاہے۔ مثلاً

کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی گویا رہتی تھی تکرار اُسے میں

یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُسے میں

بعینہ یہی حالت آج کے دور کی ہے، اگر اس دور ناگفتہ بہ میں سرکارِ رسالت مآب کی آمد نہایت ضروری تھی تو اس دور کے لئے بھی حجتِ خدا کا ہونا اور اس کا آنا، لازم ہے، اگر اس دور میں حضورِ ختمی مرتبت

ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو

ایک مرکز پہ ملانے کے لئے آپ آئے!

تو بقول علامہ مرحوم آج

مُنیٰ کو ہے اُس مہدی برحق کی ضرورت

ہو جس کی نگاہ زلزلہ عظیم افکار

اس دور کے لئے، 'نینوں کے سرد تاج'، احمد مختار کو خالق کائنات نے بھیج کر سلسلہ نبوت ہمیشہ کیلئے
بند کر دیا اور اس عالمِ مادہ کے لئے امامت کی آخری کڑی، حجت پروردگار، قائم آل محمد، مہدی آخر الزماں کی
ضرورت برحق ہے تاکہ امن و سلامتی اور صلح جوئی کی نفاذ قائم ہو۔

سکون و امن کا اب انحصار ہے اُسے پر

نظر زمانے کی اب بار بار ہے اُسے پر

قیامت آنے سے پہلے خدا کا وعدہ ہے

خلوصِ دل سے شہِ خاص و عام کو ڈھونڈو خاکی

تاکہ یہ جنگ و جدال کا سلسلہ ختم ہو۔ اللہ جلد وہ دن لائے کہ صاحبِ العصر پر وہ غیبت سے باہر آئیں، بس ان
کے آنے کی دیر ہے کہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے، ان کی نگاہِ زلزلہ عالمِ افکار ہوگی

نوعِ انسانِ مزبوع تو حاصل

کاروانِ زندگی را منہ لے

علامہ صاحبِ قراتے ہیں کہ بنی نوعِ انسان کی کمیتی کا حاصل آپ کی ذاتِ بابرکات ہے اور کاروانِ حیات
کے میر و سرخیل آپ ہی ہیں۔ جب تک آپ ظہور نہیں فرمائیں گے۔ کاروانِ حیات یونہی بھٹکتا پھرے گا، وہ اس
لئے کہ اسے اس میر و راہبر کی ہدایت ضرورت ہے کہ جس کی نگاہِ بلند، سخن و نواز ہو، اور وہ آپ کی ذات ہے۔
آپ کی رہنمائی کے بغیر قافلہ حیات اپنی منزل نہیں پاسکتا، لہذا ضروری ہے کہ

خلوصِ دل سے شہِ خاص و عام کو ڈھونڈیں

اور اگر ہم اس سلسلہ میں کوتاہی برتیں گے تو پھر سراسر نقصان ہے، وہ اس لئے کہ نبی اکرم فرماتے ہیں

کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو نہیں پہچانا اور وہ اسی لاعلمی میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔ لہذا چاہیے کہ خلوص دل سے امام زمانہ، مہدیؑ دُوراء کی معرفت حاصل کریں تاکہ جہالت کی موت سے بچ جائیں۔

ریخت از جوہر خزان برگ شجر!!!

چو بہاراں بر ریاضے ما گذر

علامہ صاحب فرماتے ہیں یا صاحب العصر! یقین جانئے کہ خزاں کے ظلم و ستم نے شجرِ زندگی کے برگ و بار نہایت بے دردی سے جھاڑ دیئے ہیں۔ اے کاش کہ آپ ہماری زندگی کے باغ میں بھی مانند بہارِ تشریف لائیں۔ تو یقیناً زندگی پر کیف اور شجرِ زندگی کو نئے گل و برگ میسر آئیں۔ آپ کی غیبت نے اور بے راہ رتوں کی رہبری نے انسان کو منزل سے دور بہت دور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کا تدار درختِ خزاں کی ٹوہ میں ہے اور دنیا سے بہارِ رخصت ہو چکی ہے، شجرِ زندگی کے پژمردہ برگ و بار آپ ہی کے منتظر ہیں۔ خدا کے لئے پردہ غیبت کو چھوڑ دیجئے۔ ریاضِ دہریں آئیں، بڑا اندھیرا ہے۔ اور اس اندھیرے سے اب تو دم گھٹنے لگا ہے اب انتظار کا ہر لمحہ ایک قیامت ہے۔ غم کے ماروں پر گر رہیں :

اے منتظر اے پردہ نشین اثبات دے

کب تک ترے پردے سے نہ گھبرائے مجھٹ

نہو رجار چوی

علامہ موصوف اپنی (یعنی مسلمانانِ عالم) کی غفلت، لاپرواہی، دین سے دُوری، اسلام سے بیزاری اور نوجوان نسل کی بے راہ روی سے ہمیشہ نالاں رہے۔ اس شعر میں آپ طفل و پیر و جوان کے ان سجدوں

کو بے کیف و بے سرور سمجھتے ہیں جو بغیر معرفتِ امام زمانہ اندھا دھند کئے جاتے ہیں۔ لہذا، عبادتِ الہی اور اس کے حضورِ بجدی ریزہ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے صحیح معنوں میں مسلکِ شیعری، سُبَّ عَلٰی، پیرویِ محمد مصطفیٰ اور معرفتِ امامِ ہدیٰ یعنی معرفتِ امام زمانہ حاصل ہو تب تو عبادت، عبادت ہے وگرنہ بقول علامہ مرحوم یہ سراسر ریاسہ۔ اسی پر ندامت ہے۔

اَزْ وُجُوْدِ تَوْسَرِ اَفْزَا اِزْ اِیْمَ مَا

پس یہ سوزِ ایں جہاں سوزِ اِیْمَ مَا

ہم (مسلمانِ عالم) آپ کے وجودِ نبوی کی موجودگی کے باعث ہی تو سرفراز و محترم ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا کے سوز میں جلتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دنیا کی یہ حالت نہ گفتہ بہ کو دیکھ کر جتنا ہمیں دلی دکھ ہوتا ہے وہ ہم سے جلتے ہیں اور آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ان دکھوں کا واحد علاج اور غموں کا املہ ملا و صرف اور صرف آپ ہی کی ذات ہے اور آپ کے وجود سے انکار کلامِ اللہ کے اس ارشاد کے سراسر منافی ہوگا۔ خالقِ کائنات کی کا اِرشاد ہے۔

سَمَرُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ
هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

شبِ قدر میں فرشتے اور روح القدس باذنِ الہی جملہ امور کے لئے فجر کے طلوع ہونے تک نازل ہوتے ہیں۔

معلوم یہ ہوا کہ حجتِ خدا دنیا میں موجود ہے جس کی طرف احکامِ الہیہ لیکر شبِ قدر ملائکہ آتے ہیں۔ یقیناً کوئی صاحبِ الامر بھی ہوگا۔ اب اس کا تعین کیجئے اور بتلائیے کہ وہ کون ہے جس کی طرف شبِ قدر میں ملائکہ آتے ہیں۔ اور اس پر جملہ امورِ خداوندی نازل ہوتے ہیں۔ اگر آپ ایسی بستی پیش کر سکتے ہیں تو بسمِ اللہ وگرنہ یہ ماننا پڑے گا کہ کلامِ اللہ کا یہ سورہ صاحبِ العصر کی عظمت و بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کلامِ الہی کی صداقت پر یقین ہے تو پھر یقین جانو کہ جس کی جانب احکاماتِ الہیہ آتے ہیں وہ نمائندہِ الہی ضرور زمین پر موجود ہے۔

جَلالِ کِبْرِیائی دَرِ قَباشِ

جہاں زندگی اُنڈر سُجودِ شِ

علامہ صاحبِ مہدی آخر الزماں کی جہاں اور بہت سی صفات، اپنے مختلف اشعار میں بیان کرتے ہیں

وہیں آپ امام مہدی کی نماز، ان کے رکوع و سجود، قیام و قعود کی صفات بھی نہایت عالمانہ، مفکرانہ اور فلسفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، اس شعر کے مہرہ اوئی میں سرکار قائم ال محمد کے قیام کو جلال و جلال والا کرام سے تعبیر کرتے ہیں اور مہرہ ثانی میں آپ کے سجدہ کی بزرگی بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس عبد خدا کی نماز ایسی ہو کہ حالت قیام میں جلال خداوندی برے اور حالت سجدہ میں بندگی اپنے عروج پر دکھائی دے تو وہ قادر مطلق کیسا ہوگا جس کی عبادت ایسی بزرگ و برتر ہستی یوں کرتی ہے۔

چہ پرسی از نماز عاشقانہ

دکوش چوں سجودش مخرمانہ

علامہ فرماتے ہیں کہ اے واعظ ناداں! مجھ سے پوچھتا ہے کہ عاشقوں کی نماز کیسی ہوتی ہے، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ علماء سنی اور مجتہدین اعلام کا فیصلہ ہے کہ عبادات الہیہ میں سب سے افضل عبادت، نماز ہے اور نماز میں سب سے افضل سجدہ ہوتا ہے لیکن کیا کہنا امام آخر الزماں کی نماز کا کہ وہ حالت رکوع میں بھی راز ہائے مخرمانہ سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور خدائے بزرگ برتر کے اتنا ہی قریب ہوتے ہیں جتنا ایک عابد شب زندہ دار حالت سجدہ میں خالق کو نین کے قریب ہوتا ہے۔ رکوع و قیام و سجود کی فضیلت بیان کرنے کے بعد علامہ صاحب مہدی برحق کی کہی ہوئی تکبیر کی فضیلت ایک شعر میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

تَبَّ تَابَ يَكُ اللَّهُ أَكْبَرُ

نُكْبِتُ دُرَّ نَمَازِ پَنجگانہ

اس عبد خدا، امام مہدی، مہدی آخر الزماں کی نماز میں کہی ہوئی ایک تکبیر (اللہ اکبر) عوام الناس کے نماز پنجانہ سے کہیں افضل والی ہے۔

قوموں کی جیساں تخیل پہ ہے موقوف

یہ ذوق رکھتا ہے ادب مرغ چمن سے کو

مَجْدُوبِ فَرَنگِیٰ نے بہ اندازِ فَرَنگِیٰ،

مہدِیٰ کے تخیل سے کیا زُئِنِ وُطْن کو

علامہ فرماتے ہیں کہ پروف مسلمانانِ عالم ہی پر بات ختم نہیں ہر جاتی، کہ وہ مہدِیٰ آخر الزماں کے منتظر دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے تو پوری انسانیت چلبے وہ کسی بھی مذہب و ملت، ملک و وطن سے تعلق رکھتی ہو اسے امام مہدِیٰ برحق کی شدت سے منتظر دکھائی دیتا ہے اور اقوامِ عالم کا مرکزی نقطہ فکر اسی کے گرد گردش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مجذوبِ فَرَنگِیٰ نے نہایت فرگیا نہ چال سے اپنے ملک و وطن کو بقا سے بھگنا کر لیا۔ اور پھر اسی مقام پر علامہ موصوف کفِ افسوس ملتے ہوئے فرماتے ہوئے

اے وہ کہ تو مہدِیٰ کے تخیل سے ہے بیزار

تو نہ کر آہوئے مشکیں سے ختنے کو

اور اے فرزندِ اسلام تو ہے کہ امام مہدِیٰ کے ذکر سے بیزار، ذرا سوچ تو سہی کہ تو کدھر جا رہا ہے۔ نکر کے آہو کو ختن کی راہ پہ ڈال، یعنی امام برحق کی تلاش کو در نہ جہالت کی موت مرے گا۔ جب علامہ صاحب ان مقاماتِ آہ و فغاں سے گذر جاتے ہیں تو پھر یہ مردِ قلندر بہ اندازِ قلندرانہ گفتگو کرتا ہے تو یوں کہتا ہے

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہو گا

سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا

گند گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے

بنے گا سارا جہاں میخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہو گا

سنا دیا گوش منتظر کو محبؔ از کی خامشی نے آکر

جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا

نکل کے محراب سے جسے ردِ ماکِ سلطنت کو اُلٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے ہیں نے وہ شیرِ بحرِ پوشیدار ہو گا

حالاتِ زمانہ اور ضرورتِ امامِ زمانہ کے پیشِ نظر علامہ ایسے صاحبِ نظر نے یہ اشعار بھی کہے :-

دگرگوں ہے جہاں تلووں کی گردش تیز ہے ساقی

دلِ ہر فردہ میں غولٹے رتا خیز ہے ساقی

متاعِ دینِ دوائش لٹ گئی اللہ والوں کی

یہ کس کا فساد کا غزہ خونریز ہے ساقی

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیٹا نہیں ہوتا

کپڑائی تیری اتکبؔ حجابِ آمیز ہے ساقی

ضرورتِ امام اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بغیر اصلاحِ انسانیت ممکن نہیں اسی لئے تو مفکرِ یگانہ ، داناد
مینا حکیم الامت شاہِ برِ مشرق نے کہا تھا :

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا ، یہی ہے اک حرفِ مسمانہ

قریب تر ہے نمود جس کے اسی کا مشتاق ہے زمانہ

شفیق نہیں مفسدِ بی اُفق پر ، یہ جوئے خوئے ہے ، یہ جوئے خوئے ہے

طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ ددشِ دارِ موز ہے فسانہ

ہوا ہے گو تندر تیز لیسکے چراغ اپنا اجلا رہا ہے ،

وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

حفظ